

فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ

جعفر و عیسا

مصنف

علامہ دہر مولانا حکیم محمد علی خان صاحب مرحوم

بفرمایش

مولوی محمد مصطفیٰ علی خان صاحب ابی۔ ایس سی ایل ایل۔ بی

مرقع عالم پریس ہروئی مین چھپا

(باہتمام شفیع اللہ خان منجھڑ مرقع عالم پریس)

مسیحی عالم

مصنف

حکیم محمد علیخان صنام مرحوم ادیٹر مرقع عالم

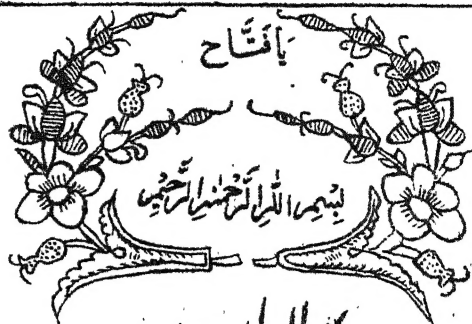
جسین

حفظ صحت کے کل اصول معجزانہ سحر طرازی کے ساتھ دکھائے گئے ہیں
زبان شستہ اور حوض کوثر میں دھلی ہوئی ہے۔ بس اسکو پڑھئے اور
ایک طرف لطف زبان کے چٹخارے لیجئے اور دوسری طرف انسانی تندستی
کے قائم رکھنے کے اصول سیکھئے۔ قیمت فجلد ۸ ر

المظاہر

یہ بھی تاریخ کی ایک بنیظیر کتاب ہے جس کو قبلہ و کعبہ
حکیم محمد علیخان صاحب مرحوم نے ابن شعثہ کی تاریخ سے
ترجمہ کیا ہے۔ کتاب کا ترجمہ ۲۶۴۲ء تک ہے۔
عربی تاریخوں میں ابن شعثہ کی تاریخ کو یہ خصوصیت
حاصل ہے کہ بہت اختصار کے ساتھ تمام واقعات اس میں
درج ہیں۔ قیمت ۴۸ ر

المشہور
نیچر مرقع عالم پریس ہرنوئی (اودھ)



پہلا باب

زبان آدمی کو بلا میں پھنسا دیتی ہے

دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوش نصیحت نبوش ہے

ایمان بایمان اللہ کیساتھ اداقت ہے۔ ابھی صبح ہوئی ہے۔ نور کا ترنہ کا ہے۔ ہلکی ہلکی روشنی زمین سے آسمان تک پہنچی ہوئی ہے۔ ظلمتِ شب کی رہی سی تاریکی وہ دیکھے مغرب کی طرف بھاگی چلی جاتی ہے اور مشرق کی طرف سے وہ نور کے بقیے چوٹ رہے ہیں جو جاتے جاتے آتے مغرب افق تک پہنچ گئے ہیں۔ مسجدوں سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوئی ہیں پوگندہ دن ٹکڑا ٹکڑا کر ہوا کے ذریعے سے اسوقت رات کے ختم ہونے والے سناتے ہیں دور دور پہنچ رہی ہیں اور انگوٹیں کون کونسی کا گورا گورا چہرہ ایک حسرت اور افسوس کے ساتھ دیکھتا ہوا پلنگ سے اٹھ بیٹھا ہے اور کسی نے سوتے سوتے جھپک کر ابھی اپنی خوار آؤد آنگمہ کہو لدی ہے اور جلدی بھلی نو ہاتھوں سے اپنے سر کے پریشان بالوں کو برابر کرتا۔ ایک گہرا ہٹ کے عالم میں سر جھکائے منہ چپائے اپنے مکان کو جلد یا ہے۔ مرغمان کو خواہ سچان کرتے کرتے اپنے نشیمنوں سے آب و دانے کی تلاش میں غول باندھے جا رہے ہیں اور کاروباری آدمی تلاشِ معاش کے لیے کمر بستہ چست باندھے ہوئے اپنے گھر سے نکلے ہیں۔ شبِ فراق کے صدمے اٹھائے ہوئے سخت جان عاشق نے کوہِ یار کا رستہ لیا ہے اور مجھے صحت کے عزیز رکھنے والے لوگ ہوا کھانے کے لیے کھلے میدان میں نکل گئے ہیں۔ عراق عرب کا وسیع میدان آنکھوں کے سامنے ہے جہیں نظروں نے کوہِ بلارک ٹوک آزادی کے ساتھ ادھر ادھر دیکھتی رہتی رہی ہے۔ ہوا اترتے ہے چسپ کرین کہیں تو سبز اگا ہوا ہے

درون کو سون ریگستانی فرش بچا ہے جس پر چلنے والی ہوانے اپنے دامن سے جادو بکشی کرتے کرتے اسوقت صبح ہوئے اُن سب شیب و فرازون کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا ہے جو کل اس طرف سے گذرنے والوں کی بمقاعدہ روش سے جا بجا پڑ گئے تھے۔ آفتاب نکل رہا ہے دُڑے چمک رہا ہیں اور اسوقت آسمان اون کی چمک دمک نے زمین کی وہی حالت کر دی ہے جو شام ہوتے ساروں کو نکل آنے سے آسمان کی ہوجاتی ہے نسیم کھر کسی کے خزام ناز کا خاکہ اڑاتے ہوئے خالی میدان پا کر اٹھ کھینچنے لگی کہ یہی ہے غرور سے بچھے پہر پہر کراہی چمپ دیکھتی جاتی ہے اور جب اٹھ پڑے کے ساتھ چلتے چلتے کسی ریگ کے تودے یا سطح زمین سے اسی قسم کی کسی اور اُبھری چیز سے ٹوک کر مارا جاتی ہے تو بڑا کڑواں کچھ ایسی لوٹ جاتی ہے کہ دامن ریگ پر کچھ اسی طرح کے لہریے دار خطوط بناتے ہیں جس طرح کسی بگڑا ہوئے مرجین کی پیشانی پر غصے سے بل پڑ جاتے ہیں۔

کُئلے میدان میں لوگوں کی خاص دلچسپی تو مگر آسمان کوئی ٹسک نہیں کہ صبح کے وقت مشرقی افق سے نکلتے ہوئے آفتاب کی حالت۔ اوسکے قرض کا حد اعتدال سے بڑھا ہونا۔ اسوقت کا اوسکا شوق شوق رنگ اور نسیم سحر کا آزادی کے ساتھ ادھر ادھر ہونا ان سب چیزوں کے دیکھنے کا لطف اگر لطف کے ساتھ کہیں حاصل ہو سکتا ہے تو انہیں کُئلے میدان میں لے سکتا ہے جنہوں نے اون قدر قی آئے جانے والی چیزوں کی آمد و رفت کے لیے خوشی سے اپنے دید سے فرش راہ کر دیے اور کسی طرف سے اون کے آنے کا راستہ بند نہیں کیا۔

اب ہم ہیں اور یہ ریگستانی میدان ہے قدم بڑا بڑا کر رکھتے ہیں اور ریگ پہلے اوسے اور ادھر دھر کر کوا بچی جگہ ہمارے لیے خالی کر دیتی ہے اور پھر جادو ن طرف سے دُڑے پاؤسی کے لیے دوڑاتے ہیں نسیم سحر اپنی خوشی رفتار دکھا دکھا کر پاس آتی ہے اور اپنے نرم نرم ہاتھوں سے ادھر ادھر ہر پہلو میں گدگد کر جاری رفتار کو تیز کر دیتی ہے مگر ریگ ہے کہ آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس ٹکڑے میں ہوتو پیچھے رہ گئے ہیں اور نظر ہے کہ شوق میں بہری ہوئی جیسے آگے مغرب کی طرف لٹل گئی ہے سامنے چلے ہوئے غبار کی طرح دو کو کچھ سٹے سٹے باغات نظر آتے ہیں جن پر دوری کی وجہ سے نظر اچھی طرح کام نہیں کرتی اور صاف طور پر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یکس چیز کے درخت ہیں۔

شوق دیدنے بے اختیار کر کے اب ہم کو اُن باغات سے اور بھی قریب کر دیا ہے جن کو بعد سافت کا غبار پہلے اپنے دامن سے چھپائے ہوئے تھا اور اب ہم جو ہم غور کر کے دیکھتے ہیں تو وہ غمگین ہیں یا کچھ رونگھے جھنڈ۔ انار کے باغات اور زیتون کے درخت ہیں جنکا طول طویل سلسلہ کو سون میں بلکہ

سترکون تک چلا گیا ہے اور انہیں کے درمیان میں کچھ اس قسم کی آبادی کے نشان ملتے ہیں کہ جو دیکھتے ہی فوراً پتہ آتا کہ وہ کون کون سے نیچے پہر جاتا ہے۔ مشرق کی طرف ملک فارس کے نشان پائے جاتے ہیں اور وہ نیلے نیلے آسمان سے ملی ہوئی زبرگد ہوا کی پرت سے ڈھکی ہوئی سپید سپید چوٹیاں نظر آ رہی ہیں۔ جنوب و مغرب کی طرف عربیہ کا دیرانہ ہے جبکہ افسطرف کچھ ہٹا ہوا دریا سے فرات یہ رہا ہے۔ شمال و مغرب کی سمت دیار بکر کا راستہ ہے اور خاص شمال کی طرف آرمینیا کا ملک واقع ہے۔ دیکھیے وہی شہر نپاہ اس آبادی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے جسکی بنیاد کا پتہ منصور عباسی نے اپنے مبارک ہاتھ سے ایک ایسی زمین پر رکھا تھا جہاں پہلے کبھی نوشیروان عادل تخت سلطنت پر بیٹھ کر ادا انصاف دیتا تھا۔ اس شہر نپاہ کی دیوار کا سلسلہ خطہ پر کار کی طرح گھومتا ہوا اور تک چلا گیا ہے جسکا محیط تقریباً پانچ میل سے اور عرض بیس ہاتھ سے کسی طرح کم نہیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے سے اسپر چوڑے چوڑے بنار بنے ہیں لیکن حد درگوشوں پر بہت بلند بلند اور گول بنار ہیں جو دور ہی سے دیکھنے والے کو بتا رہے ہیں کہ آؤ دیکھو اس شہر کے اندر کیسی کیسی عالیشان عمارتیں ہیں۔ شہر میں آنے کے لیے چہ بڑے بڑے پہاڑ تک اپنے دروازوں کو کھولے ہوئے ہیں جن میں سے تین شہر خلیہ اور کاظمین کی طرف ہیں اور تین دوسری طرف۔

ہم باب الشام کی طرف سے شہر میں داخل ہوئے ہیں اور شہر کا سواد دیکھتے ہی خود بخود ایک مرتبہ فردوس برین کی خیالی صورت ہماری آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ عالیشان عمارتیں ہیں جو بڑے دعوے کے ساتھ اپنی گردن اٹھائے آسمان سے لاف افسری مادی ہیں قصر زبیدہ قصر الذہب۔ قبة الخضر۔ قصر الخلد پر بلا تشبیہ تصور جان کا دہوکا ہوتا ہے۔ وہ دجلے اور فرات کا بہنا۔ وہ جہاں انہوں کی روانی۔ وہ ہوا کے ہچکولوں سے پانی کا اچھلنا اور اوس پر اسوقت کے نکلے ہوئے آفتاب کی سنہری کرنوں کا کسی کی لپٹائی ہوئی نظردن کی طسرح بار بار پڑنا۔ شہر سے پانی کا دریا میں گر کر مٹنے چھا لینا اور کرنوں کا بخود ہی کے عالم میں ان پر لوٹ جانا یہ سین کچھ ایسا آنکھوں کو بہلا معلوم ہوتا ہے کہ نظر آنکھوں سے نکل کر بہر لوٹنے کا نام ہی نہیں لیتی اور یہی دل چاہتا ہے کہ بس دیکھا ہی کوین شہر بہت محمود ہے عام طور پر شہر میں ہیں ہاں کلی کوچوں کی سڑکیں البتہ تنگ ہیں مگر چہر ہی تھا اور موٹر ہیں اور سڑکوں کے درمیان میں جہاں جہاں آبادی نے کچھ جگہ چوڑی ہے اسپر چن بندی کی رنگ آمیزی بلان اٹھا دیں۔ دیکھا ہی ہیں

فرد کرنے کے لیے بھیجا تا جو یحییٰ بن عبد اللہ نے گیلان سے نکل کر ایک سخت بغاوت کے ساتھ طبرستان میں برپا کر رکھا تا اور چونکہ اب تک اسکی مارون رشید کو مطلق خبر نہیں ملی تھی کہ طبرستان میں کیا واقعہ ہوا اسوجہ سے یہ بہت اندوہناک تھا۔

بخوی یہ حکم پاتے ہی ایوان شاہی سے نکل کر ایسی جگہ کی تلاش میں چلا جہاں سے وہ آفتاب کو بخوی دیکھ سکے لیکن اس عظمت و جلال کے دربار میں آفتاب کی کیا مجال تھی جو اپنی سیدھی تر جمہی شاعین دکھاتا۔ بان بھان کی ہوا صاف رکھنے کے لیے چھت اور دیواروں میں اکثر مقامات پر روشندان تھے مگر ان سے اسکا کیا کام نکل سکتا تھا۔ مسقف اور بلند عمارتوں کا سلسلہ اسکو دس بیس قدم لیے چلا گیا اور آخر اسنے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر اپنی جیب سے اسطرلاب نکالا صیفیوں کو ادھر ادھر گھمایا اور پھر وہ صفحہ لگا کر چند منٹ تک آفتاب کو دیکھتا رہا جاسپر بخدا کا نقشہ بنایا ہوا تھا کا قند پر کچھ نقشہ کینچا اور بادشاہ کے سامنے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور عالی۔ آپ کے وزیر فضل اسوقت طبرستان میں ہیں اور بخیر عافیت ہیں۔ میں خدا ان بارگاہ کو اس امر کی بھی خوشخبری سناتا ہوں کہ جس کام کے لیے بھیجے گئے تھے وہ کام بھی حضور کے اقبال سے بہت اچھی طرح پرم ہو گیا۔ انہوں نے ان سب باتوں کی عرضداشت بھی حضور میں کی ہے جو عنقریب دست مبارک تک پہنچی جاہتی ہے۔

بخوی کی اس پیشین گوئی پر ابھی بیس پچیس منٹ ہی نہیں گزرے تھے کہ حاجب نے آکر عرض کیا کہ حضور عالی طبرستان سے شتر سوار آیا ہے اور یہ عرضی لایا ہے۔ اور بڑھ کر ایک سرسبز لفظ پیش کیا یہ لفظ اسکے وزیر سابق فضل کا تھا جسکی نسبت ابھی بخوی سے سوال کیا گیا تھا۔ اور اسمین بھی لکھا تھا! وہ حضور کے اقبال سے طبرستان میں اب ہر طرح کا امن ہے بخلی اپنی بغاوت پرفور نامہ ہیں اور امان طلب کرتے ہیں۔ اگر جان بخشی کجا کے تو میں انہیں لیکر بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوں۔

یہ ایک ایسا مرزدہ جانفرو تھا کہ جس نے مارون رشید کو کچھ اسطرح بے انتہا خوش کیا کہ اپنی اہل اطاعت کو خبر دینے والی نشانیاں چشم زدن میں دل سے ہوتی ہوئی چہرہ پر منسا یاں ہو گئیں۔ اسنے یونانی میں اسطرح کے معنی ترازدے ہیں اور لابل آفتاب کو کہتے ہیں چونکہ اس آگ کے ذریعہ سے آفتاب اور ستاروں کا احکا اور یافت کرتے ہیں اسوجہ سے اسکو اسطرلاب کہتے ہیں۔ یہ آگ مثیل اور بصورت قرص کو بنایا جاتا ہے اور اسکا اندر سے اور ارق ہوتے ہیں چہرہ دار اور خطوط منقوش ہوتے ہیں۔ اسطرح اور لیناں اسٹریمر کا جادو دیکھا گیا تھا ۱۲

خدا کا شکر ادا کیا اور یودی بنیم کی پیشین گوئی چونکہ بہت صحیح نکلی اسوجہ سے ہارون رشید اس سے بہت خوش ہوا اور قدر دانی سے بہت کچھ اس کی تعریف کی بہت انعام دیا اور بیٹھنے کی اجازت عطا کی۔

بجوی اب سلام کر کے بہت ادب کے ساتھ غلجہ بیٹھ گیا ہے سب اہل دربار کی سچی پیشین گوئی کا امتحان کر کے حیرت سے اسکی صورت دیکھ رہے ہیں اور وہ خوشی وغرور کے مارے اسی طرح بھولا جائے ہیں نہیں سمجھتا جس طرح دلشاک اور کھٹن غنچے کسی بت لہیز کے اٹھتے ہوئے جو بن سے اپنے آپ کو مشابہ جانکر خوشی کے مارے ہنس دیتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ وہ دن میں زمانے کی ہوا اُنکے ساتھ کیا سلوک کرے گی وہی اپنی زبان سے تو اپنی تعریف کرتا ہے اور آپ ہی داد ہی دیتا ہے۔ نہ سلطانی دربار کا ادب ہے نہ لحاظ اور بیوقوف بیٹھا ہوا بڑا بڑا کہ باتیں مار رہا ہے۔ میں اس فن کو یوں جانتا ہوں یوں جانتا ہوں اور یوں جانتا ہوں۔ میں نے اسکو اس طرح حاصل کیا یہ دقتیں پیش آئیں۔ اس بادشاہ کے حضور میں میری یہ پیشین گوئی سچی نکلی اور اس بادشاہ نے میری یہ عزت کی۔ یہ کیا وہ کیا؟

یہ اسی طرح بیٹھا ہوا ایک رہا تھا کہ ہارون رشید کو خدا جانے کیا خیال آگیا کہ وہ بہر اسکی طرف متوجہ ہوا اور کہا: "ہاں تمہاری یہ پیشین گوئی تو واقعی بہت سچی نکلی اچھا ایک بات اور بتاؤ مگر نہیں شکل بات ہے تم نہ بتا سکو گے۔"

بجوی (بڑے دعوے کے ساتھ) نہیں حضور عالی ارشاد تو فرمائیں۔

ہارون رشید: "تم بتا سکتے ہو اچھا بتاؤ انجام کی عمر اور کس قدر باقی رہی؟"

بجوی: "بہت اچھا۔ میں آپ کے اقبال سے کیا نہیں بتا سکتا لیکن خدا مان والا کار اچھا اگر ایک نظر دیکھ لیتا تو نہایت مناسب ہوتا۔"

ہارون رشید: "(کچھ سوچ کر) ہاں شاید زائچہ ہوگا تو سہی (خدا ام کی طرف رج کر کے) دیکھو کیا ہے لاؤ تو۔"

حکم ہوتے ہی فوراً زائچہ سلطانی لایا گیا اور بجوی اسکو بغور دیکھنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے اس زائچہ کو ہاتھ سے رکھ دیا اور ایک اور زائچہ اپنے ہاتھ سے تیار کیا۔ بروج قائم کے سب سیارہ گردش اور بالہ نظر دوڑائی اور پھر اسطرلاب لیکر اُسی مقام پر گیا جہاں آفتاب کی صورت اسکو پہلے دیکھنی نصیب ہوئی تھی۔ وہ وہاں کھڑے کھڑے دیر تک اسطرلاب کے عصا دہ کو ادھر

اور ہر حرکت دیتا رہا اور ہر کچھ متفقہ ہو کر سوچنے لگا۔ یوں ہی تھوڑی دیر گزر گئی پھر اسطیلاً ب قباب سے
مقابل کیا اور دیکھ بھال کر پاٹا۔ اُن تخت شاہی کے سامنے کھڑا ہوا اور بائیں فکرتین غلطی کا رہا ہے
پورا حساب لگا جاتا ہے کچھ غلطی ہو جاتی ہے تو فہم دکر کے پھر نئے سرے سے حساب شروع کرتا ہے۔
پھر کاٹ دیتا ہے اور پھر لکھتا ہے۔ اسکی اسی حالت پر جب بہت دیر گزر گئی تو بادشاہ نے ایک مختصر
لے جی بن استفسار کیا: "کیون کیا حساب درست نہیں آیا؟"

بخومی (جلدی سے): "جی نہیں درست نہ آنا کیا معنی۔" چکو کچھ یونہی سانسک تھا۔ اب وہ بھی نرم
بارون رشید نے اچھا تو پھر تبا کیے میری زندگی اُن اور کتنی رہی ہوگی؟

بخومی: "جناب عالی۔ یوں خداوند تعالیٰ آپ کو اسوقت تک صحیح سلامت دیکھ جب تک فرات
اور جیلے میں پانی اور پانی میں روانی۔ مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ حضور کے خانہ حیات میں
عنقریب مریخ آئیوا لا ہے جسکے حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سال ہمارے بادشاہ پر بخیر و نیت
کسی طرح نہیں گزر سکتا۔"

بارون رشید (گھرا کر): "ابن! تو ایک سال ہی اب میں زندہ نہیں رہ سکتا۔"

بخومی: "جی ہاں حضور حساب سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔"

سب اہل دربار۔ (بڑے غضب لے جے میں): "کیا یکتا ہے چپ۔ بدخواہ دین۔ منوس میرے تو
ہمارے بادشاہ شامت کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ صحیح سلامت رکھے چلا ہے بڑا منجم نکر۔ کافر۔
بدخواہ دین۔ خدا غارت کرے ملعون کو۔"

بارون رشید۔ (اہل دربار سے مخاطب ہو کر نہیں نہیں۔ یہ بڑی بات ہے۔ اس بیچارے کی
اسمین کیا خطا (بخومی سے) تم نے خوب اچھی طرح دیکھ لیا؟

بخومی (ہاتھ جوڑ کر): "وہی ہاں حضور دین نے خوب غور سے دیکھ لیا ہے حساب میں کچھ غلطی نہیں۔
ایسی بڑی بات اور دین یونہی بے سوچے سمجھے کہہ دیتا!۔"

بارون رشید۔ (بڑا افسوس لے جے میں): "زندگی کا یونہی کیا اعتبار تھا اور اتوں ہم ہر کچھ ہی نہیں رہا اسکی
کے اندر سب کچھ ہوتا ہے۔ اسوقت ہو یا پھر۔ آج ہو یا کل۔ افسوس! اتنا کہنے پایا تھا کہ اس خوش پیش گوئی
کے بے اعتبار ہونے سے غم سے اسکے نازک دہرا اسی چوٹ لگی کہ چین ہو گیا طبیعت بگڑی۔ احتیاج بڑھا اور
پیش کشا کہ تخت پر گرے۔ بادشاہ وقت کا اسطرح یک بیک ہیوش کر کرے تا کہ پھر تھوڑی بات نہ تھی۔ سارا اور بار
نمودہ مشرف کیا۔ سب گنہگار کیے۔ وزرات چاہ کو خبر دینے کے لیے سوار دوڑے۔ علاج شروع ہوا اور

اس طرح کرنے کی خبر ایوان خاص سے نکل کر چوہ باز میں عام ہو گئی۔ مجلس میں قیامت برپا ہوئی اور
خواتین سلطانی گھبرا گھبرا کر بے اختیار رہی کے ساتھ ان کمروں میں چلی آئیں جو اسی ایوان سے
بالکل ملے ہوئے پشت پر واقع ہیں اور جنکو فقط دروازوں کے پڑے ہوئے پردوں نے پیچ میں
حایل ہو کر علیحدہ کر دیا ہے ورنہ حقیقت میں وہ سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ ان سب
عورتوں میں دو کی حالت نہایت افسوس کے قابل ہے۔ ایک تو ہارون رشید کی پیاری بی بی زبیدہ کی
صورت نہیں دیکھی جاتی جو بچپنی کے ساتھ سارے کمرے میں ٹل رہی ہے اور دوسری وہ کس
عورت جو ایک سراسیمگی کی حالت میں دروازے سے ملی ہوئی بدحواس کھڑی ہے اسوقت کا بڑا
ہوا انتشار تو ہوا اس امر پر مجبور کر رہا ہے کہ ہم کچھ اسی کی تشریح کر چکے ہیں مگر اسکے حسن خداداد کے
بیتاب کر دینو اسے کمرے سے پاکیزہ نیک نفس لوگوں کی نظر کو بھی کچھ ایسا اپنا کیے لیتے ہیں کہ انگلیں
تو انگلیں دل و دماغ بے قابو ہوئے جاتے ہیں۔ ہم اسکی اسوقت کی پریشانی بیان کرنا چاہتے ہیں
اور خود بخود اسکے ان گونگوارے بالوں کا خیال آجاتا ہے جو اسوقت کے اضطراب اور پریشانی میں
بل کمائے ہوئے حال کی طرح سر سے لٹکے ہوئے دوش پر پڑے ہیں۔ اُن بلا کا حسن ہے اور اس
اُٹھتی جوانی نے اور بھی غضب کر دیا ہے۔ سانچے میں ڈھلا ہوا اوستا سادہ ہے۔ تناسب عضو عضو سے
ٹپک رہا ہے۔ انگلیں بڑی بڑی ہیں جو اس اعتبار سے کہ اسوقت گمراہی کے عالم میں ہر لوگوں
ہیں ان آنکھوں سے پوری مشابہت رکھتی ہیں جو کہیں بزرہ زار یا کلمیہ افون میں چوڑی ہرنے والے
آہوان ختن کے چہرے پر نظر آجاتی ہیں۔ گورا گورا پیارا چہرہ جس پر ابھی ہولناہٹ بکس رہا ہے
اور اسکی وہ رنگت جو اسوقت کے صدمہ دہی کی وجہ سے کم ہوتے ہوئے کچھ یونی سی ہلکی ہلکی
ورق گل کے رنگ کی طرح باقی رہ گئی ہے کچھ اور بھی غضب کر رہی ہے۔ ہارون رشید کی ناسازی
مزاج کی وجہ سے وہ رہ کر اسکے دل پر ایک گمراہی ہوتی ہے۔ قلب کی جھپٹنی ہے کچھ غمخوارات
اُٹھتے ہیں اب غم چھا جاتا ہے اور دہی انقباض سے دماغی رطوبات صدمہ ختم میں ہوتے ہوئے
موتیوں کی لڑی بن بن کر نکلتے ہیں اور گل عارض کا عکس پڑتے ہی پسید سے ٹکرائی ہو جاتے ہیں
یہ تندی کی بیٹی ہے جو ہارون کا بہائی تھا اس کے حسن و جمال کا شہرہ ایشیا سے یورپ تک
اسی طرح پھیلا ہوا ہے جس طرح خاص بغداد کی آبادی کو ایشیا میں واقع ہے مگر اس کی
شہرت کا سلسلہ پھیلتا ہوا یورپ کی طرف چلا گیا ہے۔ اسکا پیارا نام عباس ہے اور اس
اور ہارون رشید میں ویسی ہی سچی محبت ہے جیسی بچہ ل طور ہارون دو سکے جن بہائی میں ہونی چاہیے

ہی بڑی چڑی ہوتی ہے اور موت کا ہولناک نام سنکر ہلاکون خوش ہو سکتا ہے جو بارون رشید
 ہی خوش ہوتا۔ وہ چپ ٹنگیں تخت پر بیٹھا ہوا ہے چہرے پر زردی چائی ہوئی ہے۔ روح فون
 کے مارے جا کر غائب دل میں چپ رہی ہے اور اسی کے ساتھ خون ہی منہ چھائے روگن کے
 اندر ہی اندر خدا جانے کس طرف کو چلا ہے۔ چہرے پر اسی طرح زردی چائی ہوئی ہے ہر طرح خون
 خزان سے سب بھول زرد ہو جاتے ہیں۔ موت کا روح فرسا خیال دست ستم بنا ہوا دونوں ہاتھوں کے
 اسکے نازک دل کو مسل رہا ہے۔ دنیا کی ساری جاہ و حشمت اسکی نظروں میں صبح ہوئی جاتی
 ہے اور یہ ایک چیز کو حسرت بھری نظر سے دیکھ دیکھ کر اپنے دل سے کہہ رہا ہے۔
 ”آہ یہ سب چھوٹے والی چیزیں ہیں میرے کس کام کی جھگوڑن سے کیا تعلق۔ اب مرگ کے
 سامان کرنے چاہئیں جو انویانی چیز ہے عاقبت کی فکر کرنی چاہیے جس سے معاملہ بڑھو والا ہے
 لا حول ولا قوۃ اس توڑی ہی زندگی کے لیے انسان کیا کیا بکھیرے کرنا ہے؟ ہمت کرنا۔ یہ کیا بکھیرنا
 کا قول بالکل یقین کر لینا چاہیے؟ جو یقین ہو سکتا! (خود ہی) کیون ہو کیون نہیں سکتا۔ ان کی
 حد ہاتھیں ایسی غلط اور بے اصل ہوتی ہیں کہ جھکا کین ٹھکانا نہیں ہوتا اور شریعت محمدی میں
 تو ایسے احکام پر یقین لانا انسان کو حد تک پہنچا دیتا ہے۔ معاذ اللہ۔ (اسوقت یہ جھگو
 کیا ہوا تھا؟ خط بتا بالکل خط۔ معاذ اللہ۔ موت سے اندیشہ ہی کیا مسلمان موت سے
 کین ڈرتے ہیں اگر یہ بخوشی ہے اپنے فن کا بڑا استاد۔ اس نے ابی ایک پیشین گوئی کی تھی
 کیسی سچ نکلی۔ ہر موبی فرق تھا؟ بالکل صبح اور عجب نہیں جو اسکی یہ پیشین گوئی بھی سچ نکلے دہ
 کوئی ایسی بات بادشاہ وقت کے سامنے کسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ کو اک کی حرکات سے اسکو
 ضرور ہی معلوم ہوا ہو گا اور یہ یقیناً سچ ہی ہو گی۔“

یہ کچھ ایسے دل کے پالوس کر دینے والے خیال تھے کہ جس نے توڑی دیر میں اسکو ان باتوں کو ہی
 خاموش کر دیا جو وہ اس پریشانی کی حالت اپنے بگڑے ہوئے دل سے دل ہی دل میں
 چپ بیٹھا ہو کر رہتا۔ طبیعت نے پھر پلٹا کما یا پھر خیال بد لا اور پھر اسی طرح کی حسرت آمیز
 باتیں شروع ہو گئیں وہ جھگوڑن کس بات کا غم ہے سلطنت ہی خوب کر لی۔ ہر طرح کی آرام
 و آسائش بھی اچھی طرح سے اٹھائی۔ آئین اور مامون کو خدا زندہ رکھے اب وہ مملکت کا
 کاروبار دیکھ لینگے۔ اور مہمات سلطنت کو بادشاہ پھر حوفر (آج اب تک نہیں آیا) اچھی طرح انجام
 دے گا۔ اب میں گوشت خاکی میں بیٹھا کہ اللہ اللہ کروں۔ آہ۔ دیکھے سب کچھ جانتا ہوں اور

زبان سے بھی لٹا جاتا ہوں مگر موت کیسی جبری چیز ہے۔ دل کی کیا حالت ہوئی جاتی ہے، نجومی
 نے بتایا ہے کہ اس سال میں مر جاؤں گا لیکن دلکی اس یحییٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ آج ہی
 میرا کام تمام ہو جائیگا خدا کی پناہ کس بلا کی الجھن ہے۔ حکیم مطلق نے مقررہ وقت سے ایک لمحہ
 کسی کو مطلع نہیں کیا ہے اس میں ہی حکمت ہے ورنہ ہر شخص کی زندگی تلخ ہو جاتی، موت کا اندیشہ دونوں
 کے ذہن کے سامنے ہی سرشار خیالات پیش کر رہا تھا کہ سامنے صدر دروازے کی چلن چوٹی
 اور ایک معزز نوجوان اندر داخل ہوا گویا چمکتا ہوا آفتاب تھا جو نظر کو خیرہ کر تا ہوا مشرق کی طرف
 سے نکل آیا اور جس نے سارے ایوان کو روشن کر دیا۔ ریاست اور امارت کا ستارہ پیشانی
 پر چمک رہا ہے جو بامت اعتدالی درجے کو لیے ہوئے ہے اور قد میانہ ہے۔ اس کے
 چہرہ کا نقشہ دست قدرت نے نکتہ سے کچھ ایسا بنا یا ہے کہ بزم شہو میں بوسے فرنگیان
 کی چلن ڈال کر بیٹھنے والے مردم دیدہ شوق دید کے مارے اپنی سطح سے کچھ اُہرا اُہر کر رہ جاتے
 ہیں اور رنگ بھی کچھ اتفاق سے ایسا مناسب لگتا ہے کہ اسکے سامنے گلاب کے وہ ہونے لگتے
 پھول بڑھ رہے ہوں کہ انہما سر جگہ لیتے ہیں جگمگتہ خیر سے پہلے ہی تمنا یا ہوتا۔ اس مشکل و دشائل
 کے ساتھ چہرہ رعب دار ہی اس قدر ہے کہ کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھ نہیں سکتا۔ اور قیافہ بھی طرح بتا رہا ہے
 کہ علیت لیاقت عقل اور دانش میں ہی یہ شخص لگانہ روزگار ہے۔ میں پچیس برس کا سن ہے۔
 اور گیل عارض کے آس پاس وہ چوٹا چوٹا سبزہ بھی لہلہا رہا ہے جس کو جوانی کی حرارت نے
 جوش بہرے دل سے دیوان بنا بنا کر اٹھا یا ہے اور اب وہ آتشیں رخسار سے نوازی ٹھکانا
 نکلتی دیکھ کر محاسن کا جامہ پہنے حیرت اور اچنبہ کے عالم میں سبزہ خواہیدہ کی طرح چُپ
 ساکت رہ گیا ہے۔ اعلیٰ درجے کا قسمی لباس پہنے ہوئے ہے۔ اور قدم برداشتہ اندر
 چلا آتا ہے۔ اسکے رعب داب نے سب پر کچھ ایسا اثر ڈالا ہے کہ سب نے درباری قواعد کو
 ہی طاق نسیان پر رکھ کر اپنے اپنے نشست کی جگہ چوڑ دی ہے اور سب تعظیم کے لیے
 سر و قدم کھڑے ہو گئے ہیں۔ یہ باتہ کے اشارے سے سب کو اس بوق تعظیم سے منع کر تا ہوا
 جلدی جلدی چلا آتا ہے۔ تخت سلطانی میں اور اس میں توڑا ہی سافرق ہے۔ ادب سے اسکا
 سر تسلیم خم ہو گیا اور شاہی آداب بجا لاکر تخت کے پاس چُپ مودب کھڑا ہو گیا
 مانوں رشید اپنے انہیں خیالات میں اسوقت کچھ ایسا از خود رفتہ ہو رہا تھا کہ اسکو یہ نہیں معلوم
 ہوا کہ کیا ہے کون نہیں لیکن توڑی دیر کے بعد ایک آہ سر و کپنی سر اٹھا یا اور اس

معرز جوان کی طرف دیکھ کر کہا : اے جعفر! میں تو ٹھیکو صبح سے کئی بار یاد کر چکا ہوں کہ ان تھے ؟
محبت کے لمحے میں اسے قدر کہا اور اسے ایک ساتھ خدا جانے کیا اسکے دل میں خیال آیا کہ یکبارگی
آنکھوں میں آنسو بہا کرے اور یہ سر جھکا کر چپ ہوا رہا ہے ۔

اس شخص کا نام جعفر ہے یہ کچی برکتی کا بیٹا اور اسی بادشاہ کا وہ ازاد عزیز و زبردست ہے کہ اسکی کاوت
فصاحت ، بلاغت ، اور عقل و تدبیر کا شمار انکی باہمی الفت و محبت کے تذکرے کی طرح چار دانگ عالم
میں پہلا ہوا ہے ۔ بارون رشید کے تمام قلم و قریں سیاہ سپید کرنے کا جو آجکل اسکو اختیار حاصل ہو رہا ہے
نہیں اور جس دکان میں بادشاہ کو جیسی الفت اسکے ساتھ ہے ویسی محبت اپنے تحت بگڑا دیدہ این
و اماون کے ساتھ ہی نہیں اسکی علمیت ، لیاقت اور اسکی بڑے سنجون نے بارون رشید کا دل بڑا کھولا
اس طرح کر لیا ہے کہ اسکی توڑی دیر کی مفارقت : ان رشید کو بیتاب کر دیتی ہے ۔ اسنے اپنے قدر دان
بادشاہ کی تقریریں اور اسکو نگین اور آبدیدہ دیکھ کر دست بستہ اسطرح عرض کرنے لگا : بیشک حاضری میں
آج جھکومت عرصہ ہو گیا جسکا جھگو خود افسوس ہے اور بڑے ادب کے ساتھ جسکی معافی میں ہی جانتا ہوں
میں نے صبح سے کئی بار حاضری کا قصہ کیا مگر اتفاق سے آج کیے بعد دیگرے کچھ ایسے مواعیات پیش
آتے گئے کہ حاضری سے اسوقت تک قاصر رہا ۔ وہی مواعیات اب تک میرا حق پر طے ہوئے تھے
کہ نصیب دشمنان حضور کی ناسازی مزاج کی وحشت اثر فرمیرے قانون نے معنی جان تن سے نکل گئی اور

میرا خاندان برک کے لقب اسوجہ سے ملقب ہوا کہ ابوالا با ہے برکہ جعفر بن جاسر جب دمشق میں گیا اور اسکی لیاقت اور
بڑے سنجون کی خبر مستر ذرائع سے عبد الملک کے قانون تک پہنچی تو وہ اسکی ملاقات کا مشتاق ہوا لیکن حسب الطلب
جب وہ حضور میں حاضر ہوا تو محب اتفاق پیش آیا کہ عبد الملک اسکی صورت دیکھتے ہی محبت جافوش ہوا اور سر بار پڑا
گلا دیا ۔ اسوقت تو کس کو یار آتا کہ چون دہرا کرنا گمان فرمیں بازگاہ نے پرکری دوسرے وقت موقع محل دیکھ کر اسوقت سے
غضب سلطانی کی وجہ دریافت کی جسکے جواب میں ارشاد ہوا جعفر بڑا بد سلیقہ آدمی ہے اسکو بادشاہوں کے حضور میں
حاضر ہونے کا مطلقا حق نہیں ۔ انجانب کے بازو بد و دھرسے بند ہے میں جسوقت زہر کی بو انکے پاس پہنچتی ہوتی
وہ حرکت کرتے ہیں جسوقت جعفر حاضر ہوتا تو دونوں مردوں کو سخت حرکت ہوتی اور میں سمجھ کر کہ اسکے پاس زہر ہے ، یہ خبر
جعفر نے سنی تو افران کیا کہ : ہر است است و زہر زہر نہیں انگشتی میں است میرا احتیاط و احتشام کہہ کرے باہر باز آگیا کہ
آکر کہہ دو اور مدت بہم پائیں اسوقت سے بد لقب ہو گیا ۔ بادشاہ کو جبوقت خبر پہنچی تو اسکے فرم اور احکام سے بہت متعجب ہوا اور
خوش ہو کر کہ طلب فرمایا جب اسکی لیاقت اور عقل و تدبیر کی خبر سے بادشاہ پر ظاہر ہوئی تو اسنے اسکو اپنا وزیر کیا ۔ یہ طرح کا رہنے والا تھا
اور آتش پرست تھا لیکن عبد الملک کی صحبت میں جیسکے بہت ہی جلد مسلمان ہو گیا ۔ اسی جعفر کے وقت سے اس خاندان
ترقی کرنی شروع کی ، اسکے بعد اسکا بیٹا خالد ابو جعفر منصف و کا و زہر ہوا اور اسکے بعد اسکا بیٹا بھی بارون رشید کا وزیر ہوا جو
اسکے زمانے کے وزیر کا باپ ہے ۔ حدیقہ الاما قایم و تاریخ علامہ ضیا و برنی ۱۲

انسان و فیضانِ بیان ہو چکا۔ خبر تو ہے! نصیب اعدا کیا ہوا تھا۔ اب تو مزاج اچھا ہے؟

مارون رشید آہ۔ کیا کمون۔ خدا کا شکر ہے اچھا ہوں۔ اب میرا مزاج بھی کیا چراغِ سحری ہو رہا ہے؟
جعفر خدا نے کدے خزاں نہ کرے۔ یہ کیا حضور فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضورِ عالی کو بادِ دولت و اقبال ہمیشہ
 صحیح و سالم رکھے (ذرا سکوت کر کے) یہ ہے آج کیا معاملہ تصور کس طرح کی باتیں فرماتے ہیں! دور
 انہ حال ابھی دشمنوں کو غش آگیا تھا خدا انہ سے شاید کچھ سزا کا اثر اب تک باقی ہے جو خلاف معمول
 اس طرح کے کلمات زبان مبارک پر آتے ہیں!

مارون رشید ۲۲ نہیں نہیں میں۔ سچ کہتا ہوں۔ تم یقین کر لو اب میری صبح زندگی کی شامِ قریب ہے
 بہت ہی دن لم رہ گیا ہے۔ مرگ کی ہولناکی صورتیں میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہیں اور موت
 کا فرشتہ بلائے ناگمانی کی طرح عفریہ میرے سر پر پہنچنے والا ہے۔ تم میری ان باتوں کو بہت
 حیرت سے سنتے ہو گے۔ تمہارا خیال ہو گا کہ میں غلط کہہ رہا ہوں لیکن ایسا نہیں ہے تم کو اگر
 شک ہے تو تم اشارہ کر کے اس منہج سے دریافت کر لو!

جعفر (تعجب کے لیے) منہج! منہج سے کیا مطلب۔ وہ کیا جانے اور اس سے پوچھا ہی کیا!
 میں سب کچھ جانتا ہوں۔ لیکن گستاخی معاف حضورِ عالی اس کے پاس کچھ دلی آتی نہیں ہے
 اور نہ اس کا کہنا نفوذِ باشد۔ قرآن و حدیث کی طرح واجبِ العمل ہے جو خواہ مخواہ اس پر ایمان ہی
 لے آنا چاہیے!

مارون رشید ۲۲ تو کیا کچھ آپ کو موت کے آنے میں کلام ہے؟

جعفر ۲۲ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ بدیہی اور یقینی جو چیز ہے وہ موت ہی ہے
 نفوذِ باشد خدا کی خدا کی میں شک ہو سکتا ہے مگر موت کے آنے میں کسی طرح کا شک و شبہ
 نہیں ہو سکتا ہوا کہ بچکون سے پانی میں اٹھنے والا۔ یہ حجاب کو کچھ قیام ہے مگر انسان کی
 حیات ایسے نقشِ بابِ چیز ہے کہ اس کا کچھ بھی قیام نہیں۔ میں بس لفظِ آئینہ ابھی کہنا
 چاہتا ہوں جائز ہے کہ اس کا پلاٹن ہی ادا کرنے نہ پاؤں اور موت کا زبردست فرشتہ
 ہمیشہ کے لیے میرے ہونٹوں سے اترے اور میں مر جاؤں مگر یہ کسی طرح نہیں کہہ سکتا کہ میں
 اتنے زمانے کے بعد ضرور ہی مر جاؤں گا۔ اس کا علم مجھ کو عالمِ غیب کے اور کسی کو نہیں۔ اگر موت کا
 وقت کسی کو معلوم ہو سکتا تو ہمارے نبی برحق کہی نہ فرماتے اگر موت کا وقت بجگو معلوم ہوتا تو کیا
 بہت سی نیکیاں جمع کر لیتا!

یارون رشیدؒ فرمایا کہ تو ایک مذہبی بات ہے اس میں گفتگو کو نافضل ہے مگر یہ تو فرمائیے کیا آپ کو اک کے وجود کے قابل نہیں، یا بعد سیارہ کی تاثیرات میں آپ کو کلام ہے؟

جعفرؒ نہیں انکا وجود مسلم الثبوت ہے اور میں انکی تاثیرات کا بھی قابل ہوں لیکن متعلقات اور مناسبات کو اک اور بروج کے ساتھ جو تاثیرات رجاء بالغیب فرض کرنی گئی ہیں انکے ساتھ جکوات تھا قیام نہیں۔ بخوم سے جو احکام نکالے جاتے ہیں انکا مذاخہ اور قیاس پر ہوتا ہے اور وہ اس قابل ہرگز نہیں ہوتے کہ ان پر اکلمہ بند کر کے یقین لے آیا جائے۔

یارونؒ نے ہاں یہ سچ ہے لیکن یہ شخص اپنے فن کا استاد کامل معلوم ہوتا ہے اسنے اسی ایک پیشین گوئی تمہارے بھائی فضل کے نسبت کی تھی جو میری آنکھوں کے سامنے ابھی حروف ہوتے اور استغنیٰ دیکھو اور یہ لکھ فضل کی وہ تحریر سامنے پھینک دی جو ابھی آئی تھی اور جیسا جوتھی کی راست گفتاری اور لیاقت کا یقین دلایا تھا۔

جعفرؒ (اپنے بھائی کی تحریر دیکھ کر) ہاں حضورؐ کا ارشاد بجا ہے مگر جناب عالی یہ اتفاق بات تھی جو سچ نکل گئی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو یہ کہے سچ ہی ہو۔ اور جائز ہے کہ اس نے اس جو کو کسی ذریعے سے پہلی ہی سن لیا ہو اسوجہ سے کہ ایک کہنے اور تحریر کے آنے میں میں مستحاط ہوں کہ چند ہی منٹ کا فرق تھا۔

یارون رشیدؒ۔ ہاں فرق تو بیشک بہت ہی کم تھا لیکن سرکاری پاتین اس طرح پہلے سے یکسو نہیں ہو سکتے تھے جعفرؒ حضورؐ ہائی یہ لوگ بڑے غضب کے ہوتے ہیں جبکہ پاس جانی کا قصد کرتے ہیں تو پہلے وہ ان کے اور لوگوں سے مل کر ایسے کل خاندان کا حال دریافت کر لیتے ہیں اور پھر وہی سخی شستانی باتوں کو بتا جاتا کہ اپنے کماں کا افساد کرتے ہیں۔

جعفرؒ اسی طرح دیونگ بچا تا یا اور سزا طرح سے چاہا کہ اسکا غم غلط ہو مگر کسی طرح سے نہ تو اسکا خیال بدلے اور نہ اس کے دل و غم میں کمی ہوئی جو اسکی حیات کے متعلق منجھ کی پیشین گوئی سے اسکے نازک دل پر پہنچا تھا۔ ساعت بساعت یہ صدمہ ترقی کرنے لگا چہرے کی اوداسی بڑھنے لگی اور اسکی خراب حالت دیکھ کر ہر شخص کو یقین ہونے لگا کہ اگر خدا نخواستہ یہی حالت رہی تو بادشاہ کی زندگی دور دردی مشکل سے گزرتی گی۔

جب جعفرؒ نے یہ دیکھا کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی اور بادشاہ کی حالت کسی روٹ گئے ہوئے مستوفی کے مزاج کی طرح غصہ بھرا ہوئی ہو چلی جاتی ہے تو پھر وہ منجھ کی طرف مخاطب ہوا اور کہا وہاں کہ ہمارے بادشاہ کا

متعلق نجوم سے کیا معلوم ہوتا ہے؟ دیکھو۔ مگر اچھی طرح سمجھ کے کہنا!۔
بارون رشید (بات کا ٹکڑ) یہ کیا؟ اسکی سند نہیں۔ تم اس سے آپ کچھ اور کہنا چاہتے ہو۔
 میں یہ ایک نہیں مانوں گا۔
 جعفر نے گو آنکہ کے اشارے سے ہی بخومی کو سمجھایا کہ وہ اپنی سابق کی پیشین گوئی سے پلٹ جائے
 مگر وہ بیوقوف ہلکا سمجھتا تھا اسنے اپنی نخوس زبان سے پھر وہی کہا جو پہلے کہتا تھا یعنی اسی سال
 میں بادشاہ کا انتقال ہو جائے گا۔

جعفر۔ (طیش کے لیے عین) خدا غارت کرے۔ اور تو کب جہنم داخل ہو گا۔؟
منجم۔ زمین سمجھانین حضور۔ کیا آپ نے فرمایا؟ کیا آپ میرے جانے کو دریافت فرماتے ہیں؟
جعفر۔ نہیں ہم یہ پوچھتے ہیں تم کب دوزخ میں جاؤ گے۔ کب مرو گے؟
منجم۔ اسکی تو جگہ خبر نہیں زمین نے اسکے معلوم کرنے کی کبھی خواہش کی؟
جعفر۔ اچھا اب سہی۔ اس سال میں مرو گے کہ نہیں۔ دیکھو۔
منجم۔ (کچھ حساب لگا کر حضور اس سال میں کیا امین ابھی تیس برس تک تو مر نہیں سکتا آئندہ کا
 حال میں گئے دیکھانین۔)
جعفر۔ تم کیوں مرنے لگے تم تو قیامت کے وعدے پر آئے ہو۔ ساری دنیا مار جائیگی مگر ایک تم۔
 (بارون رشید کی طرف مخاطب ہو کر) حضور عالی! اگر اسکے قتل کا حکم ہو جائے تو ابی دم بہ زمین
 اسکے جھوٹ اور سچ کا سب حال کھلا جاتا ہے۔

بارون رشید۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں بلا وجہ کسیکی جان لان الیا ظلم مجھے نہیں ہو سکتا۔
جعفر۔ حضور اس سے زیادہ اور کیا خطا ہو سکتی ہے کہ یہ کینت غلط پیشین گوئی بیان کر کے ہمارے
 بادشاہ کی جان کا دشمن ہو گیا۔ اگر وہ فی النار ہو گیا تو آپ کو ہی یقین ہو جائیگا کہ صراطِ اوسن اپنی موت کے
 آنے میں غلط بیانی کی اسی طرح حضور کی مدتِ نجات بتائے میں ہی وہ جوٹا ہے اور اگر قبول اسکے
 ابھی اسکی موت ہی نہیں آئی ہے تو ہم لاکھ قتل کرنا چاہیں اسکا بال ہی بیکا نہیں ہو سکتا وہ تو کہتا ہی
 ہے کہ میں ابھی تیس برس تک تو مرنا نہیں۔

جعفر اور بارون رشید میں اسی کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے اور بخومی گوشت کے عالم میں بکھر اٹھا کر ادھر
 اُدھر دیکھ رہا ہے ہوشِ حواس باختہ ہیں اور دل سے یہ کہہ رہا ہے کہ میں تو فیہ نامی پیشین گوئی کر کے کس وقت میں
 پھنس گیا ہوں لینے کے دینے پڑ گئے۔ خدا خیر کرے۔ جگہ بیان کا رنگ بہت بگڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

دیکھئے جان بچتی ہی ہے کہ نہیں۔ مگر شیخی کے مارے زبان سے جو کلمات نکلتے ہیں وہ یہی ہیں۔ وہ داف
محبو کوئی قتل کر سکتا ہے۔ ایسے برس تک تو میں کس طرح مر ہی نہیں سکتا جعفر وہ کہ جو کچھ قتل پر آمادہ تھا
اور رحمدل بادشاہ اسکو جائز نہیں رکھتا۔ تو بڑی دیر تک تو اسی تقریر کا سلسلہ کھینچ رہا مگر بالاخر بادشاہ
نے مجبور ہو کر اس معاملے کو جعفر کی رائے پر چھوڑ دیا۔

جعفر کوئی مسفک۔ ظالم اور نازشخص نہ تھا بلکہ اسکی رحمدلی کو زمانہ مانے ہوئے تادمہ کبھی کسی کا خون
بھانا جائز نہ کرتا تھا لیکن وہ خوب جانتا تھا کہ جب تک اس مجرم کی پشیم کوئی کاذب بدی طور پر ثابت
نہیں ہوگا اور موت تک بارون رشید کے دل سے موت کا خیال کسی طرح نہ نکلے گا اور عجیب جیسی
صدمہ اسکی موت کا قوی باعث ہو جائے۔ اسی مجبور ہی نے اسکو منجم کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ منجم نے
اپنی حیات مستعار کے باب میں جو کچھ حساب لگایا تادمہ سب غلط ٹھہرا اور آسمان پر جتنے خضر سعد
ستارے تھے وہ سب اسکے حقین مرخ بن گئے۔ اسکو قتل کی طرف کشان کشان لپیٹے ششکین
کس گن آ نکھوں پر پٹی باندھی گئی اور جلا دینے تکٹ ہو کر آستین چڑھانے لگا۔

قتل کے دو حکم آچکے ہیں اب فقط تیسرے حکم کی دیر ہے۔ تماشائی جمع ہیں اور نجومی ہائے وائے
مچارا ہے۔ جلا دینا نظر رہی میں کہڑا تھا کہ قتل کا تیسرا ناطق حکم ہو چکا۔ تلوار ٹوٹ کر میان سے نکلی۔
جلا دینا چاہا تو اتنا جلا تیش اجل کی طرح تلوار چلی اور صبح ہونے میں فرق دکھائی ہوئی اپنا کام کر گئی۔
سراٹھ ہڈیاں گرا اور کٹی ہوئی رگوں سے خون کے ڈازے چھوٹ چھوٹ کر اس کعبوت کی نقش پر
آٹھ آٹھ آنسو رونے لگے۔

اب شیخ علی نے اس عبرت خیز واقعے کو عربی کے ان جادوؤں میں نظم کیا اور علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں انکو نقل کیا ہے۔

سَلِّ الرُّكْبَ الْمَوْنِي عَلَى نُجْدٍ هَلْ رَأَيْتَ بُوشَاخٍ بَرُّنْكَ يَأْكُلُ تَأْسَاسَ بُوْجُوْكَ كَمَا دِيْكَمَا يَعْرِفُنَا مَوْتُ الْوَلَامِ كَأَنَّهَا لَمَامُ وَقْتُ (بارون رشید کی موت سے وہ کچھ طرح خرد گیا) وَلَوْ كَانَ نَجْمٌ هَجْرٌ أَعْنُ مَنِيَّةٍ اَكْرُكَ اَكْبَ مَوْتُ كِيْ خَبْرٍ دِيْتِ أَتَجِبُ مِنْ نَحْسٍ لَعِيْرَ لَكِ شَوْ نَبِيْ تُودِيْ سَ بَدِيْ بِشِيْشٍ كُوْنِيْ اُورُونِ كَيْ لِيْ كَرْتَا بِيْ	اَلْوَاكِبُ نَجْمًا بَدَا عَرِيْضًا عَقْرُ بِيْشِكِ اسْمُ اَبْنِ سَارِ كُوْنِيْ بِنِ سُوْدِيْكَمَا يَعْرِفُنَا اَنْبَاءُ كَسْرِيْ دَقِيْقِيْ اَلْوَاكِبُ اَخْبَارُ كَسْرِيْ اَدْرِ قِيْرُ كَيْ هَلُوْ تَبَدِيْتَا بِيْ اَلْوَاكِبُ اَخْبَارُ كَسْرِيْ اَدْرِ قِيْرُ كَيْ هَلُوْ تَبَدِيْتَا بِيْ تُوْبَسْتِيْ ضَرُوْرِيْ بَاتِيْ كَالْمَا كُوْنِيْ كَالْمَا كُوْنِيْ وَنَجْمٌ يَأْكُلُ الشَّيْءَ يَأْكُلُ الشَّيْءَ حَالَا كَرْتَا سَارِ تُوْبَسْتِيْ بِنِ تِيْرِيْ خَرَابِيْ تَارَا بِيْ
--	--

ایمن کوئی شک نہیں کہ خدا کے برحق نے انسان کو زبان ایک نعمت عظمیٰ دی ہے بشرطیکہ
 خود آدمی اسکی قدر کرے اور محل موقع دیکھ کر اس سے کام لے ورنہ وہ ہر کی بھی ہوئی برہنہ
 اور بے پناہ ایک تلوار ہے جو ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دیدی گئی ہے جو اچھے
 برے - اپنے عزیز دوست دشمن میں مطلق امتیاز نہیں کرتا جو سامنے آجاتا ہے اوپر آگہ بند
 کر کے ایک ہاتھ جادیتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ اسکا بیٹھو کیا ہوگا - تلوار دن کے کاری زخم منڈل
 ہو جاتے ہیں مگر تیغ زبان کے اوچے زخم کبھی بھی الیام کی صورت نہیں دیکھتے -
 اسی زبان سے آدمی آدمی کا دوست - اسی سے دشمن - اسی سے اچھا - اسی سے بُرا
 اسی سے مومن اور اسی سے کافر ہو جاتا ہے - جو چاہے اس سے کہہ لے اور جیسا چاہے
 بنجائے مگر مقتضائے عقل مندی یہی ہے کہ جو کچھ کہے کچھ کر کے ورنہ زبان سے جو کچھ
 نکلتا ہے پھر وہ چوٹے ہوئے تیر کی طرح ہاتھ سے نکلتا ہے اور اکثر اوقات اسکا خراب
 نتیجہ انسان کے ساتھ وہی سلوک کر جاتا ہے جو اس بخوبی کی حماقت آمیز پیشین گوئی اسکی جان کے
 ساتھ کر گئی -

امراء اور سلاطین کی قربت اگرچہ آدمی کو مراتب عالی پر پہنچا دیتی ہے مگر اسی کے ساتھ
 ان کی جان بھی خطرے میں پھنسی جاتی ہے - اون صحبوں اور دربار دن میں اپنی زبان
 کہوں - ان کی طبیعت کا میلان دیکھنا بہت ہوشیار می اور احتیاط کا کام ہے
 انکی نازک اور آرزو طبیعتیں کبھی اسکو پسند نہیں کرتی ہیں کہ کوئی ان کی رائے کے
 خلاف ایک کلمہ بھی کہے - انکے نسکی مزاج انکے سامنے بدشگونی اور فال بد زبان سے
 نکالنے کو بہت بُرا سمجھتے ہیں اور ان کے پاس بیٹھ کر ذری ہی ہی خطاؤں پر انسان کی
 ساری عمر کی عزت ابر و خاک مذلت میں ملا دیتی ہے اور بات بات پر زبان منہ سے
 نکال لی جاتی ہے -

منجم کا ادھر قتل ہونا تھا اور ادھر بار دن رشید کے مزاجی تغیر کا بدلہ تھا - اس کے
 پہلو میں چٹپٹ بیٹھنے والے روٹھے ہوئے دل نے جلدی سے ایک انگڑائی لی - سستی
 کم ہوئی - خیالات نے عالم کے انقلابات کی طرح پلٹا کما یا اور وہ موت کا رُوح فرسا
 اندیشہ جو بخوبی کی پیشین گوئی سے پیدا ہوا تھا اسی طرح دل سے نکل کر روانہ ہوا
 جس طرح ہمیشہ دستم میں ہنس کر اہل دنیا کے دل سے آنے والی موت کا خیال بکھجاتا ہے

چہرے کا اوڑا ہوا رنگ اڑے ہوئے ہوش و حواس کی طرح اصلی رنگ ڈھنگ پر آنے لگا اور ہاتھوں سے لٹکی ہوئی طبیعت ہر قابو میں آنے لگی۔ انبساط نے کسی کا دست حنائی بنکر ایک ادا کے ساتھ اسکے پلو میں گد گد دیا بے اختیار ہونٹھوں پر ہنسی آئی اور اس نے جعفر کو گلے سے لگا کر کہا: جعفر احمی یہ ہے کہ تنے ابو قت میری جان بچائی اگر تم ایسے قوی ثبوت کے ساتھ منہم کی پیشین گوئی کا بطلان نہ کرتے تو کسی طرح سے میرا خیال نہ بدلتا۔ اور یقیناً یہ کہتے یہ صد مہ سو بان روح بنسکر دو ہی ایک روز میں میرا خاتمہ کر دیتا۔ لیکن افسوس ہے کہ میری وجہ سے ناحق ناحق ایک خون ہو گیا! افسوس! اگر ابھی کے ساتھ ہرین یہ ہی کہو گا اگر یہ تدبیر نہ کجاتی تو میری جان بھی کسی طرح نہ بچتی! ۱۱

جعفر: جناب عالی یہ سب حضور کی خاندانی اور قدردانی ہے جو آپ اپنی خاص غایت اور خسرانہ مراحم سے اپنے خاندانوں کے حق میں ایسا کچھ فرماتے ہیں ورنہ استغفر اللہ میں کیا اور میری تدبیر ہی کیا۔ یہ سب شاہی اقبال کی تائید تھی۔ مگر حضور: منہم کے قتل پر خدا مال کو مطلقاً افسوس نہیں کرنا چاہیے۔ ایسے مفسد اور بوقوف آدمی کا قتل ہی ہونا بہتر ہے جو اپنی حماقت سے ذری سہی بات کلمہ بڑی بڑی خرابیاں برپا کر دے۔ اور آپ کو اسکا خیال ہی کیا اگر اسکا مواخذہ قیامت کے دن ہوگا ہی تو جعفر کی روح سے ہوگا جس نے اسکے قتل ہونے کی رائے دی گو کہ میں اپنے علم و فہم کی رو سے کہہ سکتا ہوں کہ ظل الہی کی اگر انما یہ جان کے سامنے ایک بودی کی جان کہی خداوند تعالیٰ کو عزیز نہیں ہو سکتی ۱۲

یہ سب حضور عالی کے دامن دولت اور صحت و عافیت کے ساتھ ایک عالم کا رشتہ تھا والہ ہے کہ وہ تو ایک کافر تھا قیمتی سے قیمتی اور عزیز سے عزیز صد ہا جانیں آپ کے سرحدتے ہو سکتی ہیں اسکا رنج اور افسوس ہی کیا! ۱۳

۱۴ یہ وہی شخص ہے جس نے بارون رشیدی سلطان بنائے مین بڑی بڑی کوششیں کیں اور جب اسکا وقت آیا تو خوشخبری ہی اسی نے سنائی۔ بارون رشید جب تخت سلطنت پر بیٹھا تو کچھ کو اسنے اپنا وزیر کیا اور یہ سلطنت کو سبک دیا کہ نہایت لیاقت اور عمدگی سے انجام دینے لگا۔ موزین کا بالاتفاق امیر اتفاق ہے کہ جو مرتبہ اور کچھ کو حاصل ہوا وہاں میں کسی وزیر کو نصیب نہیں ہوا۔ جعفر اور اسکا بہائی فضل اس کچھ کے بیٹے ہیں بالآخر دنیا کے سب رنگ دیکھ کر آخر سر برس کے کنین تیسری محرم ۱۲۹۵ ہجری میں انتقال کیا۔ مروج الذهب مسعودی ۱۲

یعقوب کنیدی۔ واقعی بندگان عالی کو اسکا مطلق خیال نہیں فرمانا چاہیے! ایسے منجوس اور
 بزرگوں شخص کا زندہ رہنا اچھا نہیں۔ مگر حسین کوئی شک نہیں کروڑا تپا ہونے اس وقت جو مناسب تہیہ
 فرمائی اور جسے بگڑنے ہوئے مزاج کو دم بہرین منالیا انصاف کی بات ہے کہ ہم لوگوں کے ذہن
 میں ہی نہ تھی اور نہ کہی کسیکو تمام عمر سوچی۔ واللہ اعجازِ مسمیٰ کی کیا ہے۔ اعجازِ مسمیٰ کی سبحان اللہ
 اور بادشاہ کا خوشی میں ہجرتہ بشاش دیکھ کر سب اراکین دولت بھی جعفر کی شاد صفت کر گئے۔
 لائق اور حاضر طبع شعرا نے تہنیت میں قصائد اور قطع پڑھنے شروع کر دیے اور ہر شخص کی
 زبانی سے مبارکباد کا غلغلہ بلند ہوا۔ انعام اکرام تقسیم ہوا اور دربار پر خاست ہوا بادشاہ سلامت
 خوش خوش مجلس اہل تشریف لے گئے اور اہل دربار شادان اور فرحان اپنے اپنے مکان کی طرف چلے۔
 ہنرمند کی خوشی ایک بخند پر لگا دی گئی اور ایک خوشیاں اثر پیدا کر کے اپنی زبان حال سے
 بتانے لگی۔ کہ اے میرے میرت عزیز واقعے کے دیکھنے والا! اور اے آنے والے
 زبانے کے بخوبی، ہو کیو جنر اور سلاطین کے دربار میں جو کوئی بے سمجھے آدھی بات
 بھی زبان سے نکالے گا تو اسکی ہی سزا ہوگی جو آج میری امان ہو سچیں جرم اور سزا
 زبانی صاحب کی عالم اور حین میر کرنے والی روحو! اتم کیا کرتی ہو

دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت لگا ہوا | میری سنو جو گوش نصیحت نبوش ہے

دوسرا باب

الہی خیر

ہے تیو دی چوڑی ہوئی اندر نقاب کے
 ہے اک شکن پڑی ہوئی طوط نقاب میں

+ بارہون رشید کے زمانہ میں یہ ایک بہت بڑا مکتبہ علوم حکمیہ میں اسکا اعلیٰ درجہ کی دستگاہ تھی۔ اسنو بارہون رشید
 کے حکم سے مختلف علوم کی کتابیں فیروزان سے عربی میں ترجمہ کیں طبقات الاطباء ۱۲۱

۱۰۔ مسطورہ ویکل صاحب ولایت کے ایک بہت بڑے ہنرمند نے ابھی حال میں اسکا علم کی نسبت بہت فوفا
 والی پیشین گوئی کی ہے۔ اسکا مکتبہ میں جرم کے ایک بخوی صاحب نے قیامت کے آنے کے بارے میں پیش گوئی
 کی تھی اور شاید حکم لگا یا تھا کہ ۱۳۱۱ھ میں آجائیگی ۱۲

اسیدن کی رات ہے جمدن بار دن رشید کو بیٹھے ٹھلائے مفت خلیان ہو گیا تھا اور
 پروردہ خدا کی عنایت سے خار غم کی طرح فوراً دل سے نکل بھی گیا تھا۔ اہل بغداد نے اس
 خوشی میں خوب دل کھول کر دامن دے دی ہے اور اس ذریعے سے انہوں نے اس محبت اور
 خصوصیت کو اچھی طرح سے دکھا دیا ہے جو ان کو اپنے رحیم اور عارف اور بادشاہ کے ساتھ تھی
 سارا شہر رشک اور مہمان بے ہوا ہے۔ دن عید کا تھا اور آج رات شب برات یا
 شب قدر کا حکم رکھتی ہے۔ ہرگز بدوشی ہو رہی ہے اور گھر گھر شادمانے سج رہے ہیں لیکن
 اب رات جس قدر آتی جاتی ہے اسی قدر ان سب باتوں میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ رات کی
 چلنے والی تیز ہوائیں اپنے دامن سے اون چرائون کو گل کرتی جاتی ہیں جنہوں نے اپنی روشنی
 سے شب تار کو زرد روشن بنادیا تھا اور رات کا کالا کلام نہ دیکھ دیکھ ہر شخص کی نورانی روح
 جھجک جھجک کر ظاہر جسم سے باطن کی طرف تسلی جاتی ہے اور ڈور ڈور کر نیند آنکھوں میں آتی
 جاتی ہے۔ رات کے خمینا تو بچے ہونگے اور رات کا قدرتی سناٹا اس وقت کی چلنے والی
 بھائیں سے قابلیت پیدا کر چلا ہے کہ وہ ان آوازوں کو قوت سامعہ تک پہنچا دے جن کا
 دن میں کانوں تک پہنچنا ہی کسی قدر مشکل تھا۔ ہر طرف سے رہ رہ کر طرح طرح کی مختلف
 آوازیں کانوں میں آجاتی ہیں گرنہ ایسی ہلکو خواہش ہے کہ کان لگا کر انہیں سنیں اور نہ
 وہ خود ایسی صاف ہیں کہ کوئی سمجھ میں آجائیں۔ انہیں کے ساتھ ایک طرف شاہی محل سے
 کچھ نغمہ و ساز کی دلکش صدائیں بھی آ رہی ہیں جو اپنی طرف متوجہ کر لینے کے ساتھ دلی ہی گوشہ
 میں بیٹھنے والی چیز کو بھی سمجھیں کیسے دیتی ہیں۔

گو ہم شاہی محل سے کچھ دور ہیں مگر اسی کمونڈ کے آس پاس جگہ رہے ہیں مگر تاہم ایسا معلوم
 ہوتا ہے کہ یہ سمجھیں کرنے والی صدائیں کسی قدر فاصلے سے آتی ہیں جسکی وجہ شاید یہ ہوگی کہ
 وہ آوازیں بہت سے جاہل ہونے والے پردوں اور روکنے والی بلندیوں اور
 بہت مدہم سروں میں ہو کر ہمارے کانوں کے پردوں تک پہنچتی ہیں اور اپنی اول قربانی
 کیفیت سے جو فخر کے حکم سے منع کو روح کے ساتھ سے کسی کے نازک اور نرم نرم باتوں
 کی طرح ہلکے ہلکے ہلکے آتی ہیں اور وہ رک رک کر اپنے اختیار سے ہل چاہتا ہے کہ کسی طرح
 قریب سے سنتے۔

گو شبستان شاہی تک کون پہنچ سکتا ہو کسی محال ہے اور ان آوازیں جاتی ہیں تو بہت

ہو کر تھر تھراقی ہوئی۔ اور وہ ابھی جو اندر قدم رکھتی ہے تو خوف سے گر کھتی ہوئی۔
ایک بخود سی سپہر طاری ہو گئی ہے اور عالم خیال میں تاریکی واقفیت نے سہارا
دیکر ہلکا اسی طے میں پہنچا دیا ہے جان سے یہ طرب انگیز نغموں کی صدا میں دوش
ہوا پر سوار ہو کر ادھر ادھر گھل رہی ہیں۔

سبحان اللہ عجیب محبت ہے۔ بزم عیش و نشاط آراستہ ہے۔ نازنینان پری پیکر کا
اکھاڑہ ہے اور ہارون رشید اونکے جہر میں اسطرح بیٹھا ہوا ہے جطرح سلیمان پر یون میں
ہارون رشید کی پابندی صوم صلوٰۃ اسکی علمی واقفیت کی سی چیز نہیں ہے جسکو زمانہ جانتا ہو
گمراہ بادشاہی مزاج ہے نفیس کی خواہشیں جوانی کے جوشون میں بھری ہوئی ابھی روکے
نہیں رکھتی ہیں اور پھر تخلیق کی محبت ہے۔

سادا مکان تکلفات سے آراستہ ہے۔ نہایت نفیس رومی قایلین کا نیچے فرش
ہے اور چھت میں آسمانی رنگ کی چھت گیری بند ہی ہوئی ہے جس میں زری کی چھوٹی بڑی
بوٹیاں اسوقت روشنی میں چمکتی ہوئی کچھ ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا آسمان پر تارے
چمکے ہوئے ہیں۔ چاہے آج رنگ رنگ کے خوشنما حجاب لگے ہوئے ہیں جہاں ٹولوں روشن
ہیں اور غنیمتیں شمعیں جل رہی ہیں جنکی خوشبو انکی صاف روشنی کی طرح سارے
مکان میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہارون رشید زندانہ وضع بنائے بیٹھا ہے حریر کا لباس
زیب تن ہے اور اسکی پیاری بی بی زبیدہ ایک طرف پہلو میں جلوہ آرا ہے۔

میکشی کا سامان سامنے رکھا ہوا ہے سلیقہ شعار کنیزیں صف باندھے پیچھے مڑوب
کھڑی ہیں اور بیس چپیس مغنیہ گل اندام کنیزیں علیحدہ سامنے بیٹھی ہیں عود
دربلط بجا رہی ہیں۔ اور دیکھتے الجھن کی مغلہ ان غزلیات کے ایک غزل گائی جاتی ہے

ہارون رشید اپنی خلافت کے زمانہ میں ہر روز تہوار کھت نماز پڑھتا تھا جسکو اسنے مرتع نام تک غیر کسی
مجبور کر دینے والی وجہ کے بھی ترک نہیں کیا۔ زکوٰۃ کے علاوہ وہ ہر روز ہزار درہم خیرات کرتا تھا اور
جج کا بہت شائق تھا۔ سیوطی۔

ابو دیک الجھن اپنے زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا اسکا نام ابو محمد عبد السلام ہے۔ یہ شخص میں پیدا ہوا تھا
اور یہ مقام آرمینیہ ۳۲۰ ہجری میں انتقال کیا۔ تاریخ ابن خلکان ۱۱

جسکو اُس نے اپنی پیاری اور محبوبہ کینزدنیا اور اسیکے ساتھ اپنے نمک حرام غلام کے قتل کرکے
بعد ایک رنج و اسوس کی حالت میں کہی تھی۔

اس غزل کا ایک ایک شعر نشتر دتیر کا حکم رکھتا تھا جو معنیہ کے سو غارب سے نکل نکل کر مسنتے
داون کے دل میں انہیں تیرون کی طرح تر آؤ ہو جاتا تھا جو بنجر رکھنے کے لیے معشوقین کی
فتنہ زائکوں سے تار شاعری بنکر نکلتے ہیں اور معنیہ کینزدنیا اس وقت کہ اس خوبی سے ادا
ہی کر رہی تھیں کہ بارون رشید لوٹا جاتا تھا۔

کینزدنیا گاتے گاتے جب اس شعر پر پہنچی۔

وَلَا تَنْفَكْ يَدَايَ حَتَّىٰ تَمُوتَ مَاذَا ابْكِي لَكَ فِي قَبْرِ ۛ
بِالْحَيِّ مِنْهُ يَكْفِي لَكَ فِي قَبْرِ ۛ

تو بارون رشید بیابا ہو کر کہنے لگا وہ ان کیسے دردناک شعر کہی۔ درد ہی بالکل درد۔ بلا کا معنیہ باندھا
زربیدہ ۛ مان بیشک۔ مگر اس سے زیادہ دردناک اس غزل کا آخری شعر سنئے (معنیہ کیطین
اشارہ کر کے) مان ذرا اکتا تو ۛ

اور کینزدنیا اس شعر کو ایک دن اپنے من گانے لگتی۔

عَفْصُ نَكَاحٍ تَفْصُصُ مَنَافِسَهُ
كَيْكَادُ نَجْرِ حُجِّ قَلْبِهِ مِنْ صَدْرِهِ ۛ

زربیدہ ۛ انا ۛ داہ (بارون رشید سے مخاطب ہو کر) آپ نے سنا؟ بس خاتمہ
کر دیا۔ افو ۛ اور محاورے کو کیسا سنا ۛ داہ ۛ خدا کی قسم یہ اسی کا حصہ تھا
کیا کوئی کہے گا ۛ

بارون رشید ۛ مان امین شک نہیں خوب ہی کہا ہے مگر بیکم ادہ بات کہان ۛ ۛ ۛ
آہ ۛ ولولا کان ید رہی المیت ما ذا بعدہ ۛ بالحق منہ یکلی لہ فی قبرہ ۛ (اد ہر اد ہر
دیکھ کر) ایتن ابھی عباسہ نہیں آئیں؟ وہ ہوتیں تو ابھی اس کا اچھی طرح فیصلہ
ہو جاتا۔ ماشاء اللہ کیا ذہن پایا ہے۔ بلانا چاہیے۔ (خود ہی) مگر ان کا ابھی نماز وغیرہ
سے فرصت کیوں ملی ہوگی! لیکن دیکھیے ایک امی کے نونے سے مجلس کیسی سوئی پڑی
ہے (کینزدنیا کی طرف دیکھ کر) کوئی جا کر دیکھ تو آؤ کیا کرتی ہیں اگر فرصت ہو تو توڑی
دیر کے لیے چلی آئیں۔

۱۲ ترجمہ۔ اگر میت کا سلام ہوتا کہ اسکے بعد چھپ کر گزرتی ہے تو وہ میری حالت پر قہری بن رہی دنیا ۛ

۱۳ ترجمہ۔ یہ کچھ ایسا سخت رنج ہے کہ میرا دل دے دیتا ہوا درخت بن جاتا تو وہی دیر میں تو بیکر پوسے دل نکھائے ۛ

مگر پائے ہی جا رہا ہے کترین ایک طرف دوڑیں اور دوسری ہند رہ قدم جیسے کے بعد سب ایک ایک کو کھینچیں یہ وہ کہیں واری شاہی اصلاط کے اندر واقع ہے یہ کوئی ہی ایسی شہنشاہت کی طرح تھی کہ وہی ہے گردن بیان عباسیہ کے اتفاق اور پھر گوار کی کی دہر سے ایک قسم کی شاہ کی پائی جاتی ہے۔ سبب سے نہ سنا سفر ہے اور نہ وہ اقصی دوسرو کا سامان موجود ہاں ان کے دیکھا تھا اور دھماکا کر کے پھیلنے کے قریب ایک جانا مار بھی ہوئی ہے کلا امجدی کھانا اصل پر رکھا ہے اور عباسیہ قزاق اور خوشحالانی کے ساتھ بڑے ذوق و شوق میں ملاوت کر رہی ہے وہی عباسیہ ہے جسکو آپ نے پہلے ایک انتشار کی حالت میں دیکھا تھا۔ اسکی پانچویں صوم و صلوٰۃ اور پارسل دیا جن آج عرب الملح ہے اور دین جی وہ پایا ہے کہ شاید اس عقل و ذراع کی عورت دنیا میں بہت کم کے ساتھ ملے گی۔ ہارون رشید کو اسکے ساتھ جس قدر قلبی الفت ہے اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا اور اسی محبت نے اسوقت بھی اس تپیلے کی صحبت کو اسکی آنکھوں میں بالکل برہم طبع کر دیا اور بالآخر محمدی کے ساتھ اسکو طلب ہی کرنا پڑا۔

گو ان آئے والی کمزور کی رفتار کو بیان کی عظمت و جلال نے بالکل سست کر دیا
 تاکہ باہم اونٹنے کے آہٹ اور پاؤں کی چاب نے اسکی جھکی ہوئی نظر کو ایک بار اٹھایا دیا
 نے ادب سے سر تسلیم خم کیا اور دیکھ کر سہرے بن مشغول ہو گئی تو ٹوٹی ہوئی کپڑی پر ہنسی
 اور ہرچے بڑھے خدا جانے کیا خیال آ پا کر ہر سر اٹھایا اور ہاتھ کے اشارے سے پوچھنے لگی
 "کیون تم کیوں آئی ہو؟"

وہی کہیں نہ ہو۔ حضور عالی ابادشاہ سلامت آپ کو یاد فرماتے ہیں،

عجائب (آپ کے اشارے سے) اچھا ٹیڑھا اور پھر پڑھنا شروع کر دیا جب تلاوت فارغ ہوئی تو کہا: کیوں کس لیے غلبہ فرماتے ہیں؟ شہستان غمزدہ ہیں ہو گئے! وہی کہیں زمین سے ہی ان حضور و ہیں تشریف رکھتے ہیں۔ آپ کو یاد فرما کر کہنے لگے

دہلی کیسز میں :- بی اے ان حضور وہیں تشریف رکھتے ہیں۔ آپ کو یاد دہرا کر کہنے لگے

[illegible]

بغیر انکے کسی مجلس سونی پڑی ہے۔

عباسہ - (رکسقا رکسقا کے بعد) بھلی میرا تو ناچ رنگ کی مچھون میں بالکل جی نہیں لگتا۔
میں کیا کروں۔ اور او سپرہ اور غضب ہے کہ وہاں تو (بھیک کرم) وہ کہنخت ہی جاتی ہے
معاذ اللہ۔ فقط خیال ہی کرنے سے دل کا نپا جاتا ہے۔ خدا سمجھے میان کے لون کو انہوں نے
اچھ کھینچ کر رشید کو حلال ہی کر دیا۔ موعے کہیں نہ کہیں سے اپنے مطلب کی نکال ہی لیتے ہیں
اور بہائی جان ہیں کہ کسی طرح مانتے ہی نہیں کس مصیبت میں جان پڑی ہے۔ جاتی ہوں تو
مشکل نہیں جاتی ہوں تو مشکل۔ مگر چلو چلتی ہوں یہ کمر لباس پہنا اور بن سنور کر
ٹاؤس طنائی کی طرح چلی۔ پیچھے پیچھے بیلون کا پڑا ہے۔ آگے آگے کا فوری
شمعین اپنی آنکھیں فرش راہ کہتی چلی جاتی ہیں جنگو قدم ناز سے یہ پامال کرتی ہوئی
شبستان عشرت کی طرف چلی جا رہی ہیں۔ ہارون رشید اسی انتظار میں بیٹھا ہوا
ہنا کہ عباسہ کی آمد کی خبر سنی اور سنتے ہی جوش سرسب سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سب کینترن
آداب و مجرا بجا لائیں اور بادشاہ نے بہت محبت کے ساتھ اپنے قریب جہایا۔
زبیدہ نے بھی تعظیم دی اور ہنس کر اس طرح کہنے لگی یہ معاذ اللہ۔ میں آپ کا تو
آنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ ایسی ہی عبادت کیا۔ توبہ۔ انتظار کہہ تے کرتے دل
گہرا گیا۔ آپ حکم فرمادی گئی ہیں ذرا فیصلہ تو کر دیجئے (وہی شعر پڑھ کر) ان میں سے کون
شعربڑا ہوا ہے؟ فرمائیے۔ میرے اور ان کے (ہارون رشید کی طرف اشارہ کر کے)
اسی کے متعلق کوئی جملہ ہے۔

عباسہ - میں حکم فرمادی گئی ہوں توبہ میں کس قابل۔ آپ سے اور بہائی جان سے
زیادہ اور کون لائق ہے! آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے۔
زبیدہ - (ہنس کر) یا اللہ ذی نہر دی..... کی! ہلو اگر خود ہی تصفیہ کر لینا منظور رہتا تو
آپ کو کیوں تکلیف دیتے۔ بتا ہی دیجئے۔

عباسہ - یہ فرمائیے اطمینان وقت کچھ بہت تیز ہے۔ کیون نہیں؟

زبیدہ - نہیں میری بہن۔ میں تر بان جاؤں۔ بتا دیجئے کون شعر اچھا ہے؟

عباسہ - (ہارون رشید سے) بہائی جان آپ ان دونوں شعروں میں کون کسکو ترجیح دیتے ہیں؟
زبیدہ - (بات کا ٹکڑا) یہ میں ایک نہیں مانو گی۔ اسکی سند نہیں۔ میں بتانے

نہیں دون گئی (بارون رشید سے) دیکھو تمہیں میری قسم کہیں کہنا نہیں سبھی میری ہی بیوی لگائی
 جوتائے (عباس سے) یہ جالاکا اب بھی بڑی استغناء میں حسین معلوم ہو جائے تو قدراری کا
 موقع سے پس اب یونہی بتا دیجئے۔

عباس (ہنس کر) معاذ اللہ۔ آپ کی ہی بدگمانی کی کوئی حد ہے۔ مجھ کو فردا ہی طلب
 لیجئے میرے ذہن ناقص ہیں جو اتنا ہے عرض کیے دیتی ہوں۔ کھینچنے میں دونوں شعروں کو
 پسند کرتی ہوں مگر میرے نزدیک ترجیح پہلے شعر کو ہے۔ اور آپ؟

بارون رشید (دفعہ لگا کر) ایا ما۔ ما۔ وہ مارا۔ اب کیسے کیوں؟ (عباس سے) یہ تو دوسرے
 شعر کو پسند کرتی ہیں۔

زبیدہ۔ (بارون رشید سے) وہ ایہ کوئی بات نہیں۔ تھنے اشارے سے
 بتایا ہوگا میں سمجھ گئی۔

بارون رشید۔ یہ جب بارین تو یوں بات بنائی اشارے سے بتا دیا ہوگا تھنے دیکھا
 تھا۔؟ حقیقت میں باجی سچ کہتی ہیں تم بڑی بدگمان ہو۔

عباس۔ نہیں میں خدا کی قسم ہائی جان نے مجھے کچھ نہیں کمادہ تو یہی بات ہو آپ
 خود ہی غور فرمائیں۔ آپ جس شعر کو پسند کرتی ہیں اس میں تو شاعر اپنے رنج و صدمے
 کو رنج و صدمہ فقط اپنی ہی ذات تک محدود رکھتا ہے مگر ہائی جان جس شعر کو ترجیح دیتے
 ہیں اس میں شاعر اپنے رنج و غم کی ترقی کو اس درجے تک دکھاتا ہے کہ اس غلام کے مردہ
 کو بھی میرے دلی صدمات اور آلام کا حال معلوم ہو جائے جسکو میں نے اپنی محبوبہ کے ساتھ
 ملوک باقتل کیا ہے تو وہ بھی باوجود میرے دشمن ہونے کے قبر میں ایک بار ہر دوسرے حال پروردگار
 پہرا کو ترجیح ہو سکتی ہے یا دیکھو آپ سمجھیں تو۔

زبیدہ کو خدا نے چلا کر خود منصف مزاج پیدا کیا ہے اسوجہ سے اسکو بھی اب عباس سے
 فیصلے کے قبول کرنے میں کچھ بھی غدر نہ تھا۔ مگر اسی کے ساتھ وہ اسوقت کی اپنی غلطی رائے کو
 کچھ ایسی کھڑ دلول ہوئی کہ اسکا صدمہ اسکی نازک طبیعت پر دانت
 نہ کر سکی۔ تھوڑی دیر تک تو اپنی طبیعت پر چربے ہوئے میٹھی لہری گم گم بالآخر نیند کا
 بہانہ کر کے آرام کرنے کے لیے چلی گئی۔ بارون رشید اور عباس دونوں ابھی اسی طرح
 انجمن کی رونق رہے ہوئے بیٹھے ہیں۔ صحبت ابھی عین شباب پر ہے۔ اور

مارون رشید کی پر خوار آنکھوں کے اشارے کے ساتھ شیشہ و ساغر کا دوہل رہا ہے۔
عباسہ رنگِ محبت دیکھتی ہے اور رہ جاتی ہے اور بعض اوقات اسکی پیشانی پر خطِ ساغر کی
طرح کچھ بل پر جاتے ہیں جنکو مارون رشید آنکھ بچا کر کسی وقت دیکھ لیتا ہے اور
یہ کہتا ہے: "کیون تمہارا مزاج کیسا ہے باجی! اگر خلافت طبعیت ہو تو یہ سب سامان
اٹھایا جائے۔" ۹۰

عباسہ ۷۷ نہیں نہیں میں آپکی عنایت سے ابھی ہوں مگر اسوقت کچھ دل نہیں چاہتا اور اسوقت
پر کیا موقوف ہے اب تو میرا دل چاہتا ہے کہ اسکو چوڑا کر دوں بڑی چیز ہے۔ اور جرات کر کے آپ
سے ہی عرض کرتی ہوں کہ اگر حضور ہی اس سے احتراز فرمائیں تو اچھا ہے۔
مارون رشید۔ (مسکرا کر) تو کیا تم اسکو شراب سمجھتی ہو؟ اول دلاؤ۔ میں حرام چیز پی سکتا ہوں
تو یہ ایہ فیض ہے۔ کبھی رکی ناڑی۔

عباسہ ۷۸: "ہاں یہ حضور صبح فرماتے ہیں اور میں یہی جانتی ہوں کہ بیانِ عراق کے علمائے
اسکی وقت کا فوجی ہی دیدیا ہے مگر تاہم نشے سے تو خالی نہیں۔"
مارون رشید۔ "ہاں یہ تو تم سچ کہتی ہو۔ گناہ تو ضرور ہے۔ تنے اسوقت جگو خوب
متنبہ کر دیا بیشک چوڑا دینا چاہیو۔ میں ہی اب تو بکرون کا زندگی کا کیا ٹھکانا جو میں نے
تو آج ہی نیکل کر دیا تھا۔"

عباسہ ۷۹: "اے سہ تو یہ۔ آپ تو آپ۔ اب سے دور اسوقت آپ کا حال میں سنکر
میرا وہ برا حال ہو گیا تھا کہ معاذ اللہ۔ گھر خانے بڑا ہی فضل کیا کہ اُس کجوقت کے قتل ہونے ہی
آپ کے دل سے وہ خیال نکل گیا۔"

مارون رشید ۸۰: بیشک یادش بخیر حقیر اسوقت اگر یہ تدبیر نہ کرتا تو کسی طسیر نہ کہتے
زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

عباسہ ۸۱: "اے آپ کو ہمیشہ صبح سلامت رکے مگر اسمنٹ تک نہیں کہ اسوقت آپ
کی تدبیر بہت کام لگی حقیقت میں بڑا عقلمند آدمی ہے۔"
پاس ایک کتاب

مارون رشید۔ "عقلمند! باجی اسس لیاقت و دانائی اور اس
پیدا نمان ہوتے ہیں۔ خدا ایسا لائق و زیر سب کو دے۔ مگر انیسویں کی کچھ اندیشہ کی بابت
جان نہیں ہے دور اس صحبت کا لطف اور ہی ترقی کر جا

تمہارے بعد اگر مجھ کو کسی اور سے محبت ہے تو وہ جعفر ہی ہے اس وقت بلانا چاہیے۔
(ذری بلند آواز سے) کوئی باہر جا کر کمد کہ انجاناب کی خاص سواری وزیر السلطنت کے
لیے بھیجے جائے گا۔

اس جگہ معترضہ کے بعد پھر وہی باتیں ہونے لگیں جو اس سے پہلے ہو رہی تھیں۔ ابھی
توڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ حکم کی تعمیل ہو گئی اور ایک کینز نے اگر عرض کیا "حضور عالی
دورات پناہ کی سواری آگئی۔"

یارون رشید۔ (خوشی کے لیے مین) آگے۔ پھر پوچھنا ہی کیا ہے آنے دو۔
عباسہ۔ اے ہے تو بہ۔ ہائی جان ذری ٹھہر جائے مین چلی تو جاؤں پھر بلا لیجے گا۔ وزیر
کیا آباغہ استخوان کوئی آفت آئی۔ ایسی جلدی ہی کیا!

یارون رشید۔ کیا تم بیان سے اب چلی جاؤ گی؟
عباسہ۔ اور کیا پیشی رہو گی۔ خدا جانے آپ اس وقت باتیں کیسی ہلکی ہلکی کرتے ہیں غیر شخص
کے سامنے ہو سکتی ہوں؟ اور کیا آپ اسکو جائز بھی رکھیں گے؟

یارون رشید۔ (تھوڑے سکوت کے بعد) ہاں اور کسی شخص کے سامنے تو کسی اس
امر کو جائز نہیں رکھتا کہ جعفر سے مجھ کو مطلق مناکرت نہیں۔ اس پر مجھ کو ہر طرح کا اعتبار ہے
وہ بہت ہی اچھا آدمی ہے۔

عباسہ۔ اے ہائی جان لاکہ کسی پر اعتبار ہو مگر پھر غیر غیری۔ اور آپ کے سامنے
ان کو نہای حافق ہے آپ کو کیا نہیں معلوم ہے بلا غیر محرم شخص کے سامنے کوئی عورت
ہرگز سے یا ایک مین ہی ہو گی۔ آپ فور تو فرمائیے۔

یارون رشید۔ (کچھ بیدی سے) غیر تمہاری خوشی۔ لیکن اگر تم چلی گئیں تو پھر بیان
زبیدہ کو۔ خدا کی قسم میری زندگی کا لطف فقط ایک تمہارے اور ایک
فیصلے کے بغیر ہے جو وقت تم دونوں میں سے ایک کو بھی دیکھ لیتا ہوں تو زندگی کا
کچھ ایسی لکڑ ہے اور مین سمجھتا ہوں کہ مین زندہ ہوں لیکن اتفاق سے جب
نہ کر سکی۔ توڑی دیر انکھوں کے سامنے نہیں ہوتا ہے تو پھر زندگی بالکل
بہانہ کر کے آرام کر۔ اس وقت یہ صحبت مجھ کو کچھ ابھی معلوم ہوتی تھی مین نے
انجمن کی رونق چنے، روقت کامل لطف اٹھاؤں چہرہ کامیاب ہونے کے لیے

میں نے جعفر کو بلایا تاہم لیکن میں نہیں جانتا کہ تمہارے یہ خلاف ہو اگر تمہاری مرضی نہیں ہے تو میں ہی ایسے امر کرنے پر تکیہ جو زمین کر سکتا جو شریعت کے کسی قدر خلاف ہے فی جعفر آیا ہے چلا جائے گا تم کیون جاتی ہو؟

عباسہ: "نہیں اپنے دل میں وہ بڑا مین گئے اور ہے ہی کسی قدر بیوقوف؟" یارون رشید: "نہیں کچھ بیوقوف نہیں۔ وہ اس قسم کے آدمی نہیں ہیں۔ یا ابسا ہی ہے تو میں خود جا کر ان سے مل لوں گا؟"

عباسہ: "تو اسکی ضرورت ہی کیا ہے۔ آپ کیون تکلیف فرمائیں۔ میرے پاؤں میں کچھ منہدی تو لگی نہیں ہے جو چوٹ دے گی۔ یا میں نہیں کسی دوسرے کرے میں چلی جاؤں گی آپ اور کو یہاں بلا لیجئے گا؟"

یارون رشید: "یا تم اپنا چہرہ نقاب سے نہ چھپالو۔ وہ ذری درمیٹھ کر چلے جائیں گے اس میں تو کوئی ہرج کی بات نہیں۔ آخر ان کے بھائی باپ محل میں سب کے سامنے آتے جاتے تھے کہ نہیں؟"

عباسہ: "(اپنے دل میں) گویا بڑا اچھا کام کرتے ہیں۔ کیا غضب کی بات ہے نقاب کی وجہ سے اگر مجھ کو کسی نے نہ دیکھا تو میں تو اسکو دیکھ سکوں گی۔ مگر خدا جانے آج بھائی جان کو کیا ہو گیا ہے کسی طرح مانتے ہی نہیں اب اگر زیادہ جھٹ کرتی ہوں تو ایسا نہ ہو کہ میں بڑا مین۔ ان کو میرے ساتھ جھٹ ہے مگر بہرہی سلطنت کا غرور بڑا ہوتا ہے (یارون رشید سے) بہتر ہے جو آپ فرمائیں (اپنی پیشین گوئی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) لاؤ نقاب لاؤ؟"

حکم ہوتے ہی نقاب لایا گیا اور اس گورے گورے چہرے پر اسکو جگہ دی گئی جسکو دیکھتے ہی دیکھتے اب نظارہ نہ لاسے والی نظریں بخود ہی سے بیکر کر نقاب کا کام دیکھتی ہیں جعفر کو آنے کی اجازت ملی اور اسکو دور ہی سے آتے دیکھ کر عباسہ شرم و حیا سے ڈر رہی تھی یہی ہنر بیٹھ گئی جعفر نے آتے ہی آداب و تمہیلات عرض کیا اور پھر بادشاہ کے پاس ایک نقاب پوش عورت کو دیکھ کر کچھ ڈکا۔

یارون رشید: "آئیے آئیے بسم اللہ۔ ٹھٹھکتے کیون ہیں کچھ اندیشے کی بات نہیں ہے۔ آئیے؟"

جعفر نے یہ سننے ہی آگے قدم بڑھایا۔ سب اہل سخن آداب و مجرا بجالائے مگر ایک عبا
تقی کہ جبکہ شہم و حیا نے اپنی جگہ سے جنبش کرنے کی ہی اجازت نہیں دی۔ جعفر سے
گو پاس ادب علیحدہ بیٹھنا چاہا مگر بادشاہ نے بہت اصرار کے ساتھ اسے
بیٹھنے پر مجبور کیا۔

اُٹھن تو جعفر کی شکل اور صورت کو ایسا درباری لباس اپنے دامن میں کچھ لٹچ سے
چھپائے ہوئے تھا کہ ایسی عظمت و جلال کے مارے نظر کو ابھی طرح سے دیکھنے کا یار نہ ہو
مگر اب آج اس وقت کا پُر تکلف اور بے تکلفی کا لباس اُن کی بنا ہوا اس کے حسن و جمال کو
ابھی طرح دکھا رہا ہے۔ رنگ چہرے سے چمکا پڑتا ہے اور دیکھنے والی نظر بقیالوہ کو رکھنے سے
گری بڑتی ہے سر سے پانک خد کی قدرت ہی قدرت نظر آتی ہے بیباختہ زبان
سے صل علی نکلا جاتا ہے اور کسی یہ خیال نہیں گذر سکتا کہ اسکو جو شش و انی میں بری
ہوئی کوئی عورت دیکھے اور اسکا پاک سے پاکسہن بھی لکچا کر دبی زبان سے اس کے کانوں
میں کچھ کہہ نہ دے۔

گناہور ہا ہے اور نشست کا طریقہ اس طرح پر واقع ہے کہ ہارون رشید بیچ میں رونق افروز
ہے۔ دائیں طرف عباس جلوہ آرا ہے بائیں جانب جعفر ہے جو بادشاہ کی طرف رخ کیے دوزانو
بیٹھا ہوا ہے اور یہ بائیں ہونہی ہیں۔

ہارون رشید (محبت کے لیے میں) معاف کیجئے گا اس وقت بوقت آپ کو
تکلیف دی گئی۔

جعفر (ہاتھ جوڑ کر) نہیں حضور عالی تکلیف کسی عین راحت۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں مجھ کو بھی
تکلیف ہو سکتی ہے آخر بے کیا حکم ہوتا ہے؟
ہارون رشید: "نہیں کوئی کام نہیں ہے آج کی صحت کسی قدر اچھی تھی میرے دل نے
نہیں مانا کہ تمہا لطف اوٹھاؤں آپ کو بھی بلا کیا۔"

جعفر (سرد و کڑواہو کہ) آداب بجا لاتا ہوں (اپنی جگہ پر بیٹھ کر) اللہ تعالیٰ
حضور کو اسی طرح بادولت و اقبال ہمیشہ عیش و عشرت میں رکھے۔ یہ حضور کی
بندہ نوازی اور عزت افزائی تھی جو ایسی خاص صحبتوں میں شریک فرمایا ورنہ کجا
میں اور کجا بہ صحبتیں۔

بارون رشیدؒ تو اچھی طرح بے تکلفی کے ساتھ آرام سے بیٹھے۔
 جعفرؒ بھی ہائی۔ میں بہت آرام سے بیٹھا ہوں۔

اس قدر گفتگو کے بعد بارون رشید کے اشارے سے پھر ساز جھپٹا گیا۔ ناچ شروع ہوا
 خوش گوئیزین لاپٹے لگین اور اونکی سریلی اور پاٹ دار آوازیں مستی کے عالم
 میں ادھر ادھر درود دیوار سے ٹکڑے ٹکڑے گنا گنا کر سارے مکان میں گونج اٹھیں۔ سب پر
 ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ چلنے والی شمعیں وجد میں آگے جوڑنے لگیں اور انکے عاشق زاد
 پردانے ان کی یہ مستانہ حرکتیں دیکھ دیکھ ایک بچہ دی کے ساتھ فرشتے پر ناچنے
 اور لڑنے لگے۔

یہ بچہ دی کا انہیں تک محدود نہ تھا بلکہ ان کی پاٹ دار آوازیں دیواروں کے رد کے
 جتنی ہی زمین اور ان کا بخود کر دینے والے اثر کا عمل اس شبستان سے باہر بھی
 اچھی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ ہوا بندہ لگی تھی اور اس نے ان دلکش صداؤں کے سننے کے
 لیے ایک سکوت کے ساتھ اپنے کان لگائے تھے سناٹا مبرا تھا۔ ستارے
 آسمان سے تاک جہانگ رہے تھے اور بزمِ فلک کی زینب و زینت دینے والی زہرا
 ابھی تک آسمانی رنگ کے نیلے نیلے نقاب میں مٹھ چپائے ہوئے تھی اب آسمان پر نکل کر
 کان لگائے مٹھ رہی ہے دیکھیے اسکے دہ کان کے جھکے تک بھی نظر آ رہے ہیں۔ وہ جگو
 بے مذاق لوگ عقد ثریا عقد پردین کہتے ہیں۔ چاندنی کسی حسن پرست کی لپٹائی ہوئی نظر کی طرح
 بخود ہو رہا کہ آسمان سے زمین پر گر گئی ہے مگر میان کسی مجال ہے جو اندر قدم بھی رکھ سکے
 بیان خود اہل انجمن کی آنکھیں تو اچھی طرح اٹھتی نہیں۔ ایک طرف شرم و حیا سے بھائی
 ہوئی عباسہ آنکھیں نیچے کیے بیٹھی ہے اور یہ باتیں اپنے دل سے کر رہی ہے۔ خدا کی
 قسم بھائی جان نے آج بڑا غضب کیا۔ میری بالکل بے پردگی کی۔ اب ایسی ہی محنت کیا
 ایک غیر غرض کو میرے سامنے بٹھا دیا۔ معلوم ہوتا ہے آج بہت پی گئے ہیں میں کبھی ہوں
 دشمنوں کے دماغ میں کہیں خسل تو نہیں آگیا۔ ان کو یہ بھی خیال نہیں کہ
 لوگ سنیں گے تو کیا کہیں گے۔ ہاں جعفر اپنے دل میں کیا کہتا ہو گا
 ہمیں محسوس کو دیکھتا تو نہیں ہے! لاؤ دیکھو تو سہی۔ (دزدیدہ
 نظر سے جعفر کی طرف دیکھ کر) ہم نہیں دیکھتا نہیں ہے حقیقت میں

جعفر نے یہ سنے ہی آگے قدم بڑھایا۔ سب اہل انجمن آداب و مجرا کجالائے مگر ایک عبا
تھی کہ جبکو شہم دھیانے اپنی جگہ سے جنبش کرنے کی ہی اجازت نہیں دی۔ جعفر سے
گو کیا اس ادب علویہ بیٹھا چاہا مگر بادشاہ نے بہت اصرار کے ساتھ اپنے
بیٹے پر مجبور کیا۔

اسدن تو جعفر کی شکل اور صورت کو اسکا درباری لباس اپنے دامن میں پکڑ لے کر
چھپائے ہوئے تھا کہ اسکی عظمت و جلال کے مارے نظر کو ابھی طرح سے دیکھنے کا یار نہ ہو
مگر ان آج اسوقت کا پڑ تلکف اور بے تلکفی کا لباس اُنکینہ بنا ہوا اسکے حسن و جمال کو
ابھی طرح دکھا رہا ہے۔ رنگ پھرے سے پڑکا پڑتا ہے اور دیکھنے والی نظر قیلا ہو کر آنکھ سے
گری پڑتی ہے سر سے پاؤں تک ہر ایک قدرت ہی قدرت نظر آتی ہے بیباختہ زبان
سے صل علی نکلا جاتا ہے اور کہیں یہ خیال نہیں گذر سکتا کہ اسکو جو شش جو ان میں بہری
ہوئی کوئی عورت دیکھے اور اسکا پاک سے پاکسل ہی لکچا کر دبی زبان سے اسکے کاٹون
میں کچھ کہہ نہ سکے۔

کانا ہو رہا ہے اور نشست کا طریقہ اس طرح پر واقع ہے کہ ہارون رشید بیچ میں رونق افروز
ہے۔ دہائی طرف عباس جلوہ آرا ہے بائیں جانب جعفر ہے جو بادشاہ کی طرف رخ کیے دوزانو
بیٹھا ہوا ہے اور یہ بائیں ہوا ہی ہیں۔

ہارون رشید (محبت کے لیے من) معان کیجیے گا اسوقت بوقت آپ کو
تلکف دی گئی۔

جعفر (ہاتھ جوڑ کر) نہیں حضور عالی تلکف کسی عین راحت۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں جگو کہی
تلکف ہو سکتی ہے اخیر ہے کیا حکم ہوتا ہے؟

ہارون رشید: نہیں کوئی کام نہیں ہے آج کی صحت کسی قدر ابھی تھی میرے دل نے
نہیں مانا کہ تمہا لطف اوٹھاؤں آپ کو بھی ہلا کیا۔

جعفر: سرور کٹر اہو کہ (آداب بجا لاتا ہوں) (اپنی جگہ پر بیٹھ کر) اللہ تعالیٰ
حضور کو اسی طرح بادولت و اقبال ہمیشہ عیش و عشرت میں رکھے۔ یہ حضور کی
بندہ نوازی اور عزت افزائی تھی جو ایسی خاص صحبتوں میں شریک فرمایا ورنہ کجا
میں اور کجا بہ صحبتیں۔



بارون رشیدؒ تو اچھی طرح بے تکلفی کے ساتھ آرام سے بیٹھے۔
 جعفرؒ بھی ملے۔ میں بہت آرام سے بیٹھا ہوں۔

اس قدر گفتگو کے بعد بارون رشید کے اشارے سے پیرساز چھڑا گیا۔ ناپ شرور ہوا
 خوش گوئینزین لاپے لگے اور انکی سریلی اور پاٹ دار آوازین مستی کے عالم
 میں ادھر ادھر درود دیار سے ٹکڑا کر لیا کہ سارے مکان میں گونج اٹھیں۔ سب پر
 ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ جلنے والی شمعیں وجد میں آ آ کر جھومنے لگیں اور انکے عاشق زار
 پردانے ان کی یہ مستانہ حرکتیں دیکھ دیکھ ایک بخود دی کے ساتھ فرخس پر ناچنے
 اور لڑنے لگے۔

یہ بخود کا اثر ہمیں تک محدود نہ تھا بلکہ ان کی پاٹ دار آوازین دیواروں کے روکے
 لگتی ہی نہ تھیں اور ان کی بخود کو دینے والے اثر کا عمل اس شبستان سے باہر بھی
 اچھی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ ہوا بندہ لگی تھی اور اس نے ان دلکش صداؤں کے سننے کے
 لیے ایک سکوت کے ساتھ اپنے کان لگا کئے تھے سناٹا بڑا تھا۔ ستارے
 آسمان سے تاک جہانگر رہے تھے اور بزم خلک کی زینت دینے والی زہر
 ابھی تک آسمانی رنگ کے نیلے نیلے نقاب میں مٹھ چھپائے ہوئے تھے اب آسمان پر نکل کر
 کان لگائے مٹھ رہی ہے دیکھیے اسکے دہ کان کے جھلکے تک بھی نظر آ رہے ہیں۔ وہ جھکو
 بے مذاق لوگ عقد فرما عقد پر دین کہتے ہیں۔ چاندنی کسی جن پرست کی للچائی ہوئی نظر کی طرح
 بخود ہو ہو کر آسمان سے زمین پر گر رہی ہے مگر میان کسی مجال ہے جو اندر قدم ہی رکھ سکے
 میان خود اہل انجمن کی آنکھیں تو اچھی طرح اٹھتی نہیں۔ ایک طرف شرم و حیا سے لچائی
 ہوئی عباسہ آنکھیں نیچے کیے بیٹھی ہے اور یہ باتیں اپنے دل سے کر رہی ہے ”خدا کی
 قسم ہائی جان نے آج بڑا غضب کیا۔ میری بالکل بے پردگی کی۔ اب ایسی ہی محنت کیا
 ایک غیر خفیہ کو میرے سامنے بٹا دیا معلوم ہوتا ہے آج بہت پی گئے ہیں میں کتنی ہوں
 دشمنوں کے دماغ میں کہیں خصل تو نہیں آگیا۔ ان کو یہ بھی خیال نہیں کہ
 لوگ سفین گئے تو کیا کہیں گے۔ ہاں جعفر اپنے دل میں کیا کہتا ہو گا
 لیکن محکو دیکھتا تو نہیں ہے! لاؤ دیکھو تو سہی۔ زرد زیدہ
 نظر سے جعفر کی طرف دیکھ کر کہہ نہیں دیکھتا نہیں ہے حقیقت میں

بہت اچھا آدمی ہے بچارہ سر جھکا لے ہوئے بیٹھا ہے آنکھ اٹھا کر کسی طرف دیکھتا ہی نہیں۔ شریف آدمی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ اچھے آدمی کا کیا کہنا اسی وجہ سے یہاں جان کو ان سے بہت محبت ہے۔ اور دوسری طرف جعفر سر جھکا لے ہوئے اپنے دل سے یہ یاقین کر رہا ہے ”یہ نقاب پوش کون عورت ہے؟ لباس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شاہی خاندان میں سے ہے اور اگر شاہی خاندان سے نہ ہو تو بادشاہ کے پاس کس طرح بیٹھ سکتی۔ بیشک شاہی خاندان سے ہے۔ اسی وجہ سے میری تعظیم کے لئے سر کی ہی نہیں۔ پھر کون ہے؟ ملکہ عالیہ زبیدہ ہونگی۔ اور ایسے عیشر اور عشرت کے جلسہ میں اور کون شریک ہو سکتا ہے یا حضور کی بہن صاحبہ ہونگی اور ان سے بھی تو بے انتہا محبت ہے لیکن ان دونوں میں سے یا شاہی خاندان میں سے اگر کوئی ہوتا تو بادشاہ سلامت اس طرح کبھی جھک نہ بلا لیتے (خود ہی) تو کوئی مجبور کینز ہوگی جو اس طرح کا قیامتی لباس پہن کر بیٹھی ہو کہ کون کون ہو۔ اگر کوئی کینز ہوگی تو یقیناً میں پہچان لوں گا (طہری کو ایک مرتبہ دیکھ کر) اور وہ نقاب کی وجہ کو کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے مگر ہے کوئی حسین عورت۔ آپ دیکھتے ہیں اس کے حسن عالم سوز کی جھلکیاں نقاب کے رد کے وقت بھی نہیں ہیں۔ لیکن حال میں تو اور نہی کینز خریدی بھی نہیں گئی ہے ورنہ مجھ کو ضرور معلوم ہوتا اور یہ کیا ممکن تھا کہ بادشاہ سلامت مجھ کو تعظیم کے ساتھ لیتے اور وہ اپنی جگہ سے سر کی بھی نہیں۔ کبھی نہیں ممکن تھا۔ تو پھر وہی ملکہ عالیہ یا شاہزادی عباسہ ہی ہوں گی۔ لیکن اگر وہ ہوئیں تو مجھے اور بھی خطا ہوئی کہ میں نے انکے آداب و محاذ کو فرد گداشت کیا۔ لیکن اس میں میری کیا خطا کچھ مجھ کو علم غیب تو ہے نہیں“

ان خیالات نے اس کو کچھ ایسا الجھا دے میں ڈال دیا ہے کہ کسی بات پر اسکی رائے قائم نہیں ہوتی۔ نہ تو بادشاہ سے کچھ پوچھتے ہی بتاتا ہے اور نہ یہ خیالات ہی اس کو اس امر کا موقع دیتے ہیں کہ وہ ان سے قطع نظر کر کے اپنی طبیعت کو دوسری طرف متوجہ کرے۔ اسی کے ساتھ بعض بعض اوقات یہ خیال بھی آجاتا ہے کہ ”بادشاہ میرے سکوت کی

یہ حالت دیکھ دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہتا ہو گا! ادا سننے تو کس محبت سے اپنی دلچسپی کے لیے مجھ کو بلایا اور میں اس طرح بت بنا بیٹھا ہوں یہی ایک ایسا مجبور کہ دینے والے خیال ہے کہ جو گانے والی کینزوں کی دلکش آوازوں کے ساتھ مل ملا کر اسکی حیرت زدہ طبیعت کو متنبہ کر دیتا ہے اور یہ جو نمک کہ موقع موقع پر اونٹ کے گانے کی تالیف بھی کر کے اُن کے حوصلوں کو بڑھا دیتا ہے۔ گو یہ لطف خیر صحت اپنی خوبی کی حیثیت سے رو تو نوا ایک ہنسار دینے والی چیز تھی مگر افسوس ہے کہ اسکا دل خوش کن اثر اسوجہ سے مطلقاً عباس پر نہیں پڑتا تھا کہ ایک غیر محرم شخص کے سامنے اسوقت وہ جبراً بٹھائی گئی ہے۔ حیا شرم۔ طیش غضب اور پیرا دسکی مجبور یہ سب بطرح اسکے نازک دل کو تار سے ہیں اور وہ غصے سے کچھ ایسی بگڑی بیٹھی ہے کہ آنکھ اُٹھا کر یہ بھی نہیں دیکھتی کہ بیان کیا ہو رہا ہے بعض حضرات غصے کے ہاتھوں سے مجبور ہو کر بیان سے چلے جانے کا قصد کرتی ہے مگر جو وقت جعفر پر اسکی نظر پڑ جاتی ہے تو خدا جانے جعفر کی دکھنا مش صورت زبان سوز نکو اسکی شرمیلی نگاہوں کے کان میں کیا کہہ دیتی ہے کہ یہ زو بدل بدل کر رہ جاتی ہے۔ پھر کچھ قصد کرتی ہو اور پھر وہی معاملہ پیش آ جاتا ہے اور پھر کچھ اسطرح حیرت زدہ ہو کر رہ جاتی ہے کہ گویا کبھی شکل بات کو دہ سچھا جا رہی ہے مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ اور ذہن میں آتی تو کس طرح ادہ اس مزے سے واقف ہی نہ تھی کہ ہے یہ کیا!!۔

اصل یہ بات تھی کہ جعفر کا خدا داد حسن اسکے ہوئے ہمارے دل کے ساتھ آج اسوقت پہلے پہل بطرح لگا دھن کر رہا تھا مگر چونکہ اس سے پہلے آج تک اسکو کبھی اس قسم کا اتفاق نہیں پڑا تھا اسوجہ سے وہ نہیں جان سکتی تھی کہ پردے ہی پردے میں یہ کیا ہو رہا ہے۔ اس حالت نے تھوڑی سی دیر میں گواہی دے دیتی تھی کہ اسکا بڑا ہوا غصہ ہی اس کو دیکھ دیکھ کر دم بخود ہو کر رہا لیکن پھر بھی اسکا اثر اسوقت تک بجز اسکے اور کچھ نہ تھا کہ عباس کی شرمگین آنکھیں بعض بعض اوقات نقاب کی آڑ سے مزہ کی چڑی ہوئی چلیں اُٹھا اُٹھا کر جعفر کو دیکھ لے۔ یا اسوقت تک بیان بیٹھی رہے جب تک یہ صحت پر خاص نہ ہو۔

گو عباس کے لیے بے انتہا حجاب و شرم اور جعفر کے بڑے ہوئے ادب و محاظ نے محفل میں

کچھ آب ہی آب اپنے دل سے
 سنھل سنھل کے بگڑتا ہے کچھ دل بیتاب
 اکی آج یہ صدمہ ہے جان پر کیسا

بچھلا ہر ہے۔ سناٹا ہے اور رات کی سیاہی حرمان نصیبوں کی ترہنجی باشہائے فراق
 کی تاریکی کی طرح ہر طرف چھائی ہوئی ہے۔ آفتاب کو تو مدین ہوئیں کہ وہ نہ ہر کا سفر کر کے
 مسافروں کی طرح شام کو منزل پر پہنچ کر آرام کرنے کے لیے کسی اور سراے میں ٹھہر
 رہا تھا مگر خدا نے شب زندہ دار مانتا ہے کہ اس کا ہی اس وقت کمین
 پتہ نہیں۔ شاید اس کی ہی آہ آ نکلی کسی آسمانی ماہ سپیکر زہرہ جبین سے لگ گئی چہرہ
 مد توں سے اپنی لچائی ہوئی نظر سے دور سے ڈال رہا تھا جو آج نکلے ہوئے گویاں کی
 طرح کسی طرف نکل گیا یا بس ذرا امید سے کسی گوشہ تنہائی میں اس طرح چپکے بیٹھ رہا
 کہ کمین ڈھونڈ رہے ہیں ملتا۔ ہاں ستارے تو ضرور ہیں جو ہجران نصیب عشاق کی
 کھلی ہوئی آنکھوں کی طرح ابھی آسمان پر چھٹکے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن انہی ہی اس وقت
 اس طرح اداسی چھائی ہوئی ہے جس طرح سے اُن باسی بھولوں پر بائی جاتی ہے جو رات بہر سونے
 میں کسی بدست حسین کی کروٹوں میں لگ جھل کر بالکل مہر جا گئے ہوں جنگل۔ پھاڑ اور میدانوں
 کے سناٹے کا تذکرہ ہی کیا ہے۔ آباد سے آباد مقامات بھی اس وقت شہر خوشان کا
 حکم رکھتے ہیں و در کیوں جائے گا بعد ادھی کو نہ دیکھ لیجئے۔ اس وقت اس کی کیا حالت
 ہو رہی ہے! ہر در و دیوار سے دھشت برس رہی ہے مگر کمین بے رونق بڑی ہیں بازدار
 سنان ہیں۔ کوئی کمین آنا جاتا نظر نہیں آتا اور نہ کسی طرف سے کوئی آواز
 کا فون آتی ہے۔ اور کچھ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ نہ تو ابھی صبح کا آرا کمین آسمان
 پر نمودار ہوا ہے نہ مرغان مگر کی نواسی ان شروع ہوئی ہیں اور نہ ابھی اسے ساتھ چوکیا دون
 کی وہ ہیبت ناک آوازیں کسی طرف سنائی پڑتی ہیں جو عموماً راتوں میں سونے والوں
 کو جگانا کرتی ہیں۔

خیر بعد اد تو بعد اد خود دیوان خلافت ہی پر اس وقت کیسا سکوت برس رہا ہے
 دیکھیے وہ شہستان و عشرت جو ابھی تھوڑی دیر پہلے پریشان بنا ہوا تھا۔ جس میں

ساز چھڑ رہا تھا ہنسی اور ہیبتی فضا تھی قطعاً اڑ رہے تھے۔ باج رنگ ہو رہا تھا اور خوش گلو
کنسیرتین آلاپ رہی تھیں وہ اسوقت ایک ایسا سنان مقام بنا ہوا ہے کہ جلدی
پہچانا ہی نہیں جاتا۔ زندہ جلسہ ہے نہ وہ صحبت اور نہ کہیں وہ پہلا سامان نظر آتا
ہے۔ دس بند رہ قدم چل کر اس سامنے والی کوٹھی کو بھی ایک نظر دیکھ لیجیے جس میں آغاز
شب کو عباسہ بیٹھی ہوئی محن دادی کے ساتھ کلام مجید کی تلاوت کر رہی تھی اپسر ہی
دلیا ہی سنا تا اور سکوت چھایا ہوا ہے جسکا یہ وقت مقتضی ہے۔ دروازے
بند ہیں پردے پڑے ہوئے ہیں اور پردے والیاں سبزہ خواہیدہ کی طرح ادھر
ادھر پڑی سو رہی ہیں۔ خواب کا پردہ جادو جو عموماً راتوں کو خوب چلتا ہے
سب کو بیہوش کیے ہوئے ہے اور کوئی کر دٹ نہیں لیتا۔ شام کے اعتبار سے
روضی ہی عموماً کم باقی رہی ہے۔ بان شام سے جلتی ہوئی ایک شمع ہے جو ابھی تک
روشن ہے جبکہ آس پاس پرے پرے دیاں پرداؤں کا ڈھیر لگا ہوا ہے گردہ بھی شب
فران کے صدے اُٹھائے ہوئے عیان مشان کی طرح کوئی دم میں اب دم
توڑا جا رہی ہے اور کسی طرف سے کسی قسم کی آہٹ نہیں ہوتی بان رہ رہ کر کوئی آواز
کانون میں آجاتی ہے تو وہ وہی خراٹے ہوتے ہیں جو ڈوبی ہوئی نیندوں میں آلات نفس کی
بے اختیاری کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں مگر نہیں دیکھو اس پلنگ پر تو کوئی بڑا جاگتا
ہو کسی نے کر دٹ لی الا کون ہے۔ شاہزادی عباسہ ہوگی۔ کیوں؟ بان بان دہی
ہوگی ادسی کی تو یہ کوٹھی ہے۔ گراسنے نہ کر دٹ کیوں لی بان نا زکدہ بن
ہے ایک طرف کا پہلو دیر سے پڑے پڑے دکھنے لگا کر دٹ لے لی ہوگی مگر
جوانی کی نیندیں تو غضب کی ہوتی ہیں۔ اور دیکھیے ہر اس طرف سے اس طرف پہلو بدلا۔
معلوم ہوتا ہے۔ شاید اسوقت ہوتی نہیں ہے در نہ یہ بار بار پہلو بدلنا کیا معنی بیشک
آرام نہیں کرتی ہے۔ ٹہنیے کیسے کھڑکی رہی ہے وہ پکاری۔ کوئی ہے۔ سوئیں مگر
نسترن بجھی اُتد میرا تو اکیلے جی گہرا نا ہے اور یہ کمبختیں بولتی ہیں۔ ایک سرو سے بکو
ساب ملو لکھ گیا (منہ کول کہ) اسے ہے تو بکیسی بیانا تک رات ہے۔ روئیں کڑے
ہوئے جاتے ہیں (پہر منہ چہا کہ) سوئیں۔ سوئیں۔ اے سوئیں۔

ایک غارت (چونکہ) ”جی حضور — ادن —“ اور پھر سو گئی

عیا سہ تو یہ اکیلا بڑھی میندا ہے کینخت نے جو اناپ بھی دیا اور پیر سو گئی راسی ہوئی
 وہی عورت (ہو شیار ہو کر دم دو آئی ہوں۔ حاضر ہوئی حضور۔
 اس کا نام سو سن ہے اور یہ شہزادی کی خواہشوں میں سے بہت ذی شعور اور نہایت ہی
 مقربا ہے شہزادہ شہزادی اسکو لایا جی بخت رکستی ہے۔ یہ آکھیں ملتی ہوئی آئی اور
 لنگ لنگے پائیں ہو چکر الاب سے بھڑکی ہو رہی
 عیا سہ (اٹھت پائیں) سو سن آئے
 سو سن یہی حضور۔ حاضر ہوں۔

عیا سہ (میں کھول کر) تو سو سن۔ شواہج پڑی تو چند دانی ہو گئی ہو کوئی اسطرح خیر ہو کر
 سو شہ پکارتے پکارتے ابوقت میں پریشان ہو گئی اور تو کچھ نہیں عیا ڈاٹھو۔
 سو سن (اوت سے سو شہ کا لاج) جی حضور ذات بھری جگی ہوتی تھی۔ پڑتے ہی فاضل ہو کر
 سو گئی۔ ابھی تو بیڑی آکھ لگی تھی۔ کیون ابوقت حضور عالی خلاف معمول بیدار ہو گئیں
 شب خیر مزاج تو اچھا ہے؟

عیا سہ۔ ہاں ہوں تو ابھی مگر سو سن میں نے ابھی ایک ایسا پریشان خواب دیکھا ہے کہ میر
 وہاں جانیں ہیں۔

سو سن۔ (گہرا ہٹ کے بچہ میں) الٹی خیر۔ الٹی خیر کیا حضور نے دیکھا؟ ذری میں
 ہی سستی۔

عیا سہ۔ یہ کیا بتاؤں میں ابھی سو رہی تھی خواب میں دیکھتی کیا ہوں گویا شہستان
 عشرت ہے۔ بنائی جان ہیں اور میں ہی بیٹھی ہوں کہ کسی طرف سے ایک تیر میرے
 پہلو پر آکر لگا۔ میں اس خواب کے دیکھتے ہی کچھ ایسی دل میں الجھن ہوئی کہ آنکھیں
 کھل گئی۔ ابھی اسوقت سے لاکھ لاکھ کوشت شین کرتی ہوں کہ کس طرح ذرا سو جاؤں کہ
 کسی طرح فیذا میں آتی۔

سو سن۔ اسے سوئی حضور آپ آرام ہی فرمائیں۔ یہ خواب و خیال کی باتیں ہیں۔
 ان کا کوئی خیال کہتا ہے! شام کو شہستان عشرت میں اس مضمون کا کوئی شعر سنا ہو گا
 بس یہی خیال دل میں رہا۔

عیا سہ۔ ہاں شاید یہی ہو۔ مگر فیذا تو جگہ نہیں آتی۔ میں کیا کروں ابراہم ابھی سقدہ باقی ہوئی؟

سوسن (کھڑی کی طرف دیکھ کر) ابھی تو جا رہی تھیں جگہ ہیں۔ دو گھنٹے رات ہوئی
ابھی تو حضور نے آرام فرمایا ہے۔ دیر ہی کیا ہوئی ہے آپ ان خوابِ خیال کی باتیں
نہ بڑے پس آئیں بند کر کے سو جائیے۔

عباسہ ۲۲ نہیں جھکو تیز نہیں آتی میں ابھی سوؤں گی۔ تم میرے پاس بیٹو۔ اکیلے
میرا جی گہرا تاتا ہے۔

سوسن قریب بیٹھ کر پاؤں دبا بنے لگی اور عباسہ نے کچھ ادھر ادھر کی باتیں کر کے
پہر دی خواب کا ذکر چھیڑا۔ کیون سوسن! یہ کیسا خواب تھا۔ آخر کچھ بتا رہے تھیں
میں ہی آتا ہے؟

سوسن ۲۳ اے ہے بوی تو بہ۔ آپ کو ہی تو بس ایک بات کا گلوں ہوتا جاتا
ہے۔ خواب کا خیال ہی کیا۔ وہی شبتانِ عشرت کی صحبت کا سونے میں ہی
خیال رہا اور کچھ نہیں۔

عباسہ ۲۴ ہاں تم سچ کہتی ہو۔ وہی رات کا سمان خواب میں ہی نظر آیا اور کچھ
نہیں۔ مگر سوسن! خدا کی قسم رات میں غیرت کے مارے کٹ کٹ گئی۔ جھکوا بانی جان
نے جعفر کے سامنے کر دیا۔ تو بہ! بڑا ہی غضب ہو گیا کیون سوسن جعفر اپنے دل میں کیا
کتا ہو گا؟

سوسن ۲۵ کہتے کیا ہونگے۔ انہوں نے تو آپ کو دیکھ ہی نہیں پایا۔ آپ تو نفاٹا بنے
ہوئے تھیں۔

عباسہ ۲۶ ہاں انہوں نے میری صورت تو بیشک نہیں دیکھ بانی ہوگی مگر یہ تو ضرور
معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ عباسہ بھی ہے حقیقت میں بہت اچھا آدمی ہے۔ بچا ہے
نے مراد تھا کہ دیکھا ہی نہیں کہ کون بیٹا ہے کون نہیں۔ اس شرم و ہماظ کے ہی
آدمی کم ہونگے۔

سوسن ۲۷ ہاں حضور بجا فرماتی ہیں میں ہی اس وقت علیہ کھڑی دیکھ رہی تھی ادنیٰ کھڑی
ہوئی آئیں کس طرح ادھر ادھر تھی ہی نہیں۔ یہ سب حضورِ سعالی کا بڑا عیب و تاب تھا۔
کیا آپ کی طرف دیکھنا کچھ ہنسی ٹھٹھا ہے!

عباسہ ۲۸ (کسی قدر خشونت کے ساتھ) نہیں۔ رعب داب کی بات میں۔ وہ

اس قسم کے آدمی نہیں معلوم ہوتے کہ کسی غیر محرم عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھیں مزاج میں شرم بہت ہے۔ اور سن ہی تو کچھ نہیں معلوم ہوتا کیوں سو سن؟

سو سن ۲۲ بجی بان بیوی ابھی الٹا رس ہی کیا ہے۔ کوئی بیس گھنٹہ برس کے ہوں تو ہون عباس ۲۲ بان ادر گیا۔ اس سے زیادہ تو کسی طرح نہونگے۔ مگر اس رس سن پر بھی مائتا دانتہ کیسی عقل پائی ہے۔ دن میں تنے دیلا۔ کس طرح سے بہائی جان کی جان بچائی۔ دواہ!

سو سن ۲۲ بجی بان اگر ایسے لائق فائق نہوتے تو بادشاہ سلامت سلطنت کا سر کاہا کس طرح انکے اعتبار پر چوڑ دیتے؟

عباس ۲۲ اور ان سب باتوں نے ساتھ شکل ہی کچھ بڑی نہیں ہے کیوں؟ سو سن ۲۲ بڑی نہیں بیوی اس شکل و شائیل کا آدمی ہونا مشکل ہے حضور فرماتی کیا این۔ چرا کیا ہے۔ چاند سے چاند۔ چودہویں رات کا،

یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ گھڑی نے ٹن ٹن چاند بچاے اور سو سن نے کہا: دیجیے شاہزادی صاحب آب چار بجے۔ آپ آب توڑی دیر اکرام فرمالیں۔

عباس ۲۲ (حیرت کے لہجے میں) افوہ آب چار بجے! آج کی رات ہی پہاڑ ہو گئی ہے کبعت نیند ہی کسی طرح نہیں آتی۔ اچھا آب میں سوئے رہے رہتی ہوں۔

یہ کہہ کر چپ ہو رہی مٹہ چہا لیا اور آنکھیں بند کر کے سونے کا قصد کیا۔ بہت چاہا کہ نیند آجائے۔ لیکن نیند کا کہیں پناہ نہ تھا۔ توڑی دیر تک تو اسی طرح خاموش پڑی رہی مگر بہر دل گہرا یا اور یہ باتیں اپنے دل سے شروع ہوئیں۔ آج کی طرح کل پر بہائی جان جھکو جعفر کے سامنے بیٹھے پر مجبور کر ٹکے اگر اب میں کہی ایسے وقت دہان جاؤں گی نہیں جب جعفر وہاں بیٹھے ہوں۔ کوئی بہانہ کر دوں گی۔ کیوں؟ لیکن بان اس میں ہرج ہی کیسا ہے۔ نقاب تو مٹہ پر ڈالنے ہون گی۔ اور ایسے پاک نفس مرد کے سامنے بیٹھی ہی نہ ہوں گی تو کیا ہرج کی بات سے پردہ تو اپنے دل سے چاہئے۔ مگر خدا کی قسم آج اس وقت جعفر کا سر جھکا کر بیٹھے کا اندازہ کہی نہ ہونے گا۔ آب اگر توڑی دیر

سودہتی تو اچھا تھا لیکن نیند کیون آنے لگی رختوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اُونہوں
 تو بہ اچکی۔ اُس نے تو آج آنے کی قسم کھائی ہے مگر اس میں شک نہیں جعفر نے بڑا عقلمند
 شخص ہے۔ اُس نے کس دانائی سے کل دن میں بھائی جان کی جان بچائی ورنہ وہ کبھی
 منجھ کر قتل نہ کیا جاتا تو خدا ہمارے دشمنوں کی جان پر کیا بخشتی (ختوڑی دیر کے بعد)
 لیکن عباسہ خدا جانے آج یہ کیا معاملہ ہے کہ رہ رہ کر جھگو جعفر کا خیال
 آجاتا ہے۔ شاید اسکی وجہ یہی ہوگی کہ ذات مہول آج اسکے سامنے میں جبر اٹھائی
 گئی (ختوڑی دیر خاموش ہو کر) اور خیال تو خیاں آج ایک اور نئی بات بھی
 دیکھتی ہوں مگر خدا کرے غلط ہو۔ آج اپنے دل میں جعفر کی کچھ محبت بھی پاتی ہوں۔
 یہ کیا بات ہے اگرچہ (دانت کے نیچے انگلی دبا کر) ہا۔ یہ ہو کوئی سنے گا تو کیا کہے گا۔
 غیر مردی عورت ذات کو محبت کیسی! این!! تو بہ!! خدا جانے آج یہ
 جھگو کیا ہو گیا ہے یہ کس قسم کی باتیں کرتی ہوں (خود ہی) مگر نہیں۔ اچھے اور
 لائق شخص سے ہر شخص کو ایک قسم کی محبت ہو جاتی ہے۔ اگر جھگو بھی اس طرح کی
 ہوتی تو کیا۔ اس میں بڑی بات کیا ہے۔ کیون؟ لیکن نہیں جھگو اپنے منہ سے ایسی بات
 کہی میں کالنی چاہیے کہی نہیں۔ خلقت تو بد لگائی ہوتی ہے ہر شخص بجائے خود خدا جانے
 اپنے ذہن میں کیا خیال کرے۔

عباسہ نے نیند اسوقت اسکے ہوش دھوا میں کی طرح اڑی ہوئی تھی اور وہ چپ بیٹھی ہوئی
 اپنے دل سے اسی قسم کی باتیں کر رہی تھی کہ رات کے قدرتی سکوت اور سناٹے
 کے بظرف کرنے کے لیے مرغانِ سحر کیا لگی جلا اٹھے۔ مسجدوں سے اذانِ اکبر کی
 صدا آئی آئیں اور سونے والے خواب راحت سے بیدار ہو کر وائچ ضروری سے
 فارغ ہونے لگے۔ عباسہ بھی بلنگ سے اٹھی دھونکیا۔ نماز پڑھی اور پھر کام جمید کی
 تلاوت میں مشغول ہو گئی۔

جب تک یہ مذہبی مشاغل اسکے دل کو اپنی طرف متوجہ کیے رہے اسوقت تک اسکی
 طبیعت بکلی رہی لیکن ادق سے فارغ ہوتے ہی پھر وہی خیالات دل میں آکر اسکے
 دل و دماغ کو پریشان کرنے لگے اسکی طبیعت مشغول طبعوں کے مزاج کی طرح
 ساعت بساعت بگڑنے لگی۔ جعفر کا خیال رہ رہ کر دل میں جگہ کرنے لگا اور یہ

اپنی حالت دیکھ دیکھ کر اس طرح اپنے دل سے کہنے لگی: عباسہ! آج یہ ماجرا کیا ہے میری طبیعت کو کیا ہو گیا ہے؟ کہیں مجھ کو کبھوت عشق کا روگ تو نہیں ہو گیا ہے۔ یہ رہ رہ کر جعفر کا تذکرہ کیسا؟ اے! آخر اس کی وجہ! بیشک قرآن سے کچھ معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں جانتی ہوں میری طبیعت کچھ رنگ لائی۔ آہ! اب میں رات کا خواب سمجھی۔ یہ کچھ یہ جعفر ہی کے عشق کا تیر تھا جو میرے پہلو پر لگا۔ اُن۔ یہ ادسی کی بچینی تھی۔ میں کہتی تھی یہ خلش کس چیز کی ہے۔ اب معلوم ہوا۔ مگر نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ میری طبیعت اس طرح کی نہیں ہے۔ اس طرح توڑی دیر ایک جگہ بیٹھنے سے کہیں عشق ہو جایا کرتے ہیں عشق نہ ہو اکیل ہوا (توڑی دیو غور کر کے) مگر نہیں دوری سے فقط ایک نظر دیکھتے ہی انسان کو عشق ہو جاتا ہے میں تو اُن کے سامنے بہت دیر بیٹھ رہی اور بیٹھنے اور دیکھنے پر کیا موقوف ہے فقط سن سن کر نہیں ہو جاتا بلکہ اگر ایسا ہوا تو بڑا غضب ہوا اب میں کیا کر دوں گی! بادلے عشق و محبت کے نام سے تو میں کبھوت کہتی واقف ہی نہ تھی اور بھائی جان غیر محرم شخص کے سامنے بٹھاؤں! بے پردگی کا اور کیسا نتیجہ ہوتا ہے۔ کوئی شریف آدمی اس طرح اپنی ہوشیوں کو غیر شخص کے سامنے کرتا ہے۔ افسوس! میں ادموقت سقندر انکار کرتی رہی مگر کون سنا تھا۔ بیٹھے بٹھا کئے میری جان عذاب میں پھنسا دی جاے خداوند یہ کیا ہوا جاتا ہے۔

یہ کچھ ایسے نئے نئے خیالات اور تعجب فیض باتیں تھیں کہ نہا خانہ باطن سے دیوانخانہ دماغ تک اور قلب سے زبان تک آتے ہی آتے عباسہ کو ششدر کر گئیں۔ انہیں سہا ہو گیا سا تا کثر رگیا اور یہ آپ ہی آپ اپنی آنکھیں نبجی کر کے رہ گئی۔ شرم سے پسینے پسینے ہو گئی اور اسکا پاک اور بھولا دل ایک حیرت کے ساتھ اسکا منہ دیکھ کر چپ رہ گیا۔

عباسہ کا دل جو اس قسم کی خود بات سے ابھی بالکل آزاد تھا اس کے لیے کچھ اور ہی سامان ہونے لگے اور وہ خیال ہی جو ابھی بعض دہم و گسان میں ایک دوسرے اعتنائی دے پڑا ہوا تھا وہ رفتہ رفتہ یقین کے درجے پر درجہ بدرجہ

ترقی کرنے لگا۔ طرح طرح کے خیالات ذہن میں آنے لگے دل کی حالت اور
سے اور ہوئی اور شبستان عشرت میں ہر روز جعفر کے ساتھ نشست عباس کو کافی
دل میں عشق و محبت کی چہی ہوئی آگ کو اشتعالک دے لگی۔ عباس کو خود داری سے
اپنی طبیعت کو بہت سہناں رہی تھی مگر انصاف کی یہ بات ہے کہ آئے ہوئے دل کا
روکن نہایت مشکل کام ہے۔ روز بروز اس کی حالت بگڑنے لگی۔ عشق کے غماز
اس کے حرکات و سکنات سے ظاہر ہونے لگے۔ چہرے پر زردی ہو ٹھون پر
خفگی آئی ہوئی طبیعت کی طرح دوڑ چلی ادویات حیات نشست برخواست میں
فرق آنے لگا۔
اب عشق و محبت کا جادو آہستہ آہستہ اپنا پورا اثر کر رہا ہے۔ سلیمان فرعون
اس کا حال دیکھ دیکھ کر تعجب کر رہی ہیں اور یہ اپنے اخلاصے راہ میں پوری کوشش
کر رہی ہے۔

چوتھا باب

آپے سنا؟

فلک پر وہ بنا اہل زمین کی پردہ پوشی کو

مگر اس دشمن جان نے کسی کا عیب کب بھانکا

آدھی رات ہے اور جرجہا دم کی وہ فذیل جو ماہو ٹھون کے نورانی چہرے کے
بد مقابل بنے کے لیے کاسہ گدائی ہے کہ ہمیشہ آفتاب عالم تاب سے کسب ضیا کرتی رہی
آج قمری جیسے کی دوسری قمری تاریخ ہونے کی وجہ سے اسوقت بالکل گل ہے۔ آسمان
سونا پڑا ہے۔ زمین پر اندھیرا ہے۔ سناٹا ہے اور اس تاریکی میں کچھ نہیں سو جہا نظر
ڈرتے ڈرتے آنکھوں سے نکلتی ہے اور اس وقت کی پہلی ہوئی تاریکی دیکھ کر کچھ
ایسی سہم جاتی ہے کہ آنکھوں کے ساتھ پردوں کے اندر باگ کر چپ رہتی ہے
دل و دماغ کا انقباض اسوقت خیالات کو اندر رفت کا موقع نہیں دیتا۔ بان

اس ناپید کی مناسبت کے اعتبار سے اگر کوئی خیال ہی آجاتا ہے تو صفین کے
 اُن کھونگھروا لے بالوں کا جھکا بندھا ہوا جوڑا اسوقت بدست کے ساتھ کسی سے
 نکلے لپٹ لپٹ کر سونے میں راز سر بستہ کی طرح کھل گیا ہوا اور اسکی سیاہی آنکھوں سے
 بہے ہوئے سر سے میں بلکہ رات کی ظلمت کو اسوقت ترقی دے رہی ہو۔ اور
 حرامان نصیب عشاق کی طرف ہمدردی کی وجہ سے خیال چلا جاتا ہے جو اسوقت
 اپنے ظلمت کردہ میں شب غم کا خوش دیکھ دیکھ کر عینی کے ساتھ کوٹھن درہن۔
 رات کا اندھیرا دیکھ دیکھ کر وہ نورانی روح جو عالم مجردات میں ہمیشہ تجلیات اور
 انوار الہی کی ہمیشہ دیکھ بھال کرتی رہی ہے اسوقت ظاہری جسم کے تعلقات چھوڑ کر
 مدقون کے چوٹے ہوئے اپنے یار اشتاؤں سے ملنے کے لیے عالم ادراج کو چل دی ہے
 سبزہ تو ہمیشہ بخت عشاق کی طرح خوابیدہ ہی رہتا ہے مگر اسوقت تو جمادات سے
 لے کر نفوس انسانہ تک سب آرام میں ہیں۔ ہر شخص کی آنکھیں بند ہیں
 اور ہر درجے اور ہر طبقے کے آدمی ڈوبی ہوئی یزدن میں پڑے سو رہے ہیں پھر
 سب مستکاران قدر دان آنکھوں سے بھی پھٹی ہیں اور دنیا کے کل کارخانوں پر
 اسوقت بڑی زیادتی کے ساتھ بیرون نفی کی اداس پڑ رہی ہے۔ ہاں اسوقت لاہر و دہلی
 اہل بغداد کے آرام سے سونے اور انکے ماں داسباب کی حفاظت کے لیے چوکیدار
 ہر طرف بیدار باش اور خبر داد باش کا عمل بجا رہے ہیں اور ہر مکان کے دروازے
 سونے والوں کی آنکھوں کی طرح بند ہیں۔ سارے شہر کو دیکھتے بھالتے اب
 افسانہ مقام پر سوئے ہیں ہر اہل بغداد کی تہلہ دی نے ایک تالاب کے پاس پہنچ کر اپنے
 جونی کا رے کو ختم کر دیا ہے۔
 یہ تالاب بخت نصیب میں واقع ہے اور اسکے کنارے پر کچھ توڑے فاصلے سے
 وہ عمارتیں ایک سکوت کے عالم میں کھڑی ہوئی ہیں جنہوں نے اپنی تعمیر کے لیے
 مٹی کا بہت بڑا ذخیرہ ہے کہ اس تالاب کو گہرا کر دیا ہے کنارہ بہت بلند ہے
 اور اس پر مختلف قسم کے چند بلند اور گنجان درخت بھی کھڑے ہیں جنہوں نے اپنی پتوں
 و درختوں سے آڑ کر کے اس اندھیری رات میں اور بھی اپنے نیچے اندھیرا کر رکھا ہے
 دیکھنے کے لیے نظر آنکھوں سے نکلتی ہے اور جب ناپید کی وجہ سے اسکو قدم بھی ڈرھٹے

کا موقع نہیں ملتا تو مجبوری سے پرہیز جاتی ہے۔ مگر نہیں آتے تو بیان کسی کے آنے کی کچھ آہٹ معلوم ہوتی ہے زمین پر پڑے ہوئے ان خشک پتوں میں کچھ کٹر کٹر آہٹ ہوتی ہے جو زمانے کی نا موافقت سے کسی حیران نصیب عشاق کے اڑے ہوئے رنگ کی طرح زندہ ہو ہو کر اپنی شاخوں سے گر پڑے ہیں۔ یہ کٹر کٹر آہٹ رہ رہ کر یاد دہانی جاتی ہے اور ایک طرف سے دہ آدھی آنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ کون ہیں! اور اس وقت آدھی رات میں بیان ان کا کیا کام؟ جو رہو گئے یا کوئی اور آوازہ مزاج شخص! اگر ہارون رشید سے بیدار مغز بادشاہ کے عہد مدلت میں جو دغیرہ کیسے! اسے تو اپنی رعایا کی اصلاح۔ آرام اور حفاظت کے لیے خاص اپنی ذات پر دہ وہ تکلیفیں گوارا کر لیں اور وہ امن و چین اپنے قلمرو میں پیدا کر دیا کہ جس کی تطہیر دنیا کے انتخاب میں شاید بہت مشکل سے ملے گی۔ آپ دنیا کے سب فرمانرواؤں کی لالیف دیکھ جائیے گا مگر ہارون رشید کی طرح رعایا پرورد بادشاہ شاید ایک بھی نہ پائے گا۔ پھر یہ آنے والے کون آدمی ہیں! کچھ نہیں معلوم ہوتا۔

آپ یہ دونوں شخص ادن و دو خون کے سائے سے نکل کر اسطرت اور آگے بڑھ آئے ہیں لیکن اس اندھیرے میں اس قدر دور سے ہم یہ تو شناخت کر سکتے نہیں کہ یہ کون ہیں مگر بان ان کی وضع موصول کے تاجرون سے ملتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ دونوں خوشی کے عالم میں اسی طرح آہستہ آہستہ چلے آئے تھے کہ ان میں سے ایک نے کہا یہ دونوں۔ لاجول ولاقوۃ۔ کسی بلا آتی ہے تو یہ اور دونوں سے ناک بند کر لی۔

دوسرا شخص ”جی ہاں بہت لا آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہاں کے رہنے والے اپنے گروں کا کوڑا نکال نکال کر تالاب کے کنارے ڈالتے ہیں۔ وہی شاید بانی میں مڑا ہے۔ اسی کی یہ پوچھیلی ہے۔“

پہلا ”پھر یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ اس سے تو بیان کے رہنے والوں پر بہت بڑا اثر پڑے گا۔ بیان کی متعین اور زہریلی ہوا تنفس کے ذریعے ہے جسم کے اندر ہو چکر ہر متعین کے کشت حیات کے ساتھ وہی کام کر جائے گی جو

باد صحر کے قیامت خیز جھوٹے بھلے بولے گلشن کے ساتھ کہ جاتے ہیں۔ مگر اس کا
بندوبست بچارے غریب آدمیوں سے کیا ہو سکتا ہے اچھا۔ اسکا انتظام خود سلطنت
کی طرف سے ہونا چاہیے۔

یہ باتیں گو بہت سرگوشی اور دبی زبان سے ہو رہی ہیں مگر تاہم ان کی یہ پست آواز بھی ہمارے
کانوں کو کچھ ایسی آشنائیاں معلوم ہوتی ہے کہ ہم بے احتیاری کے ساتھ انکے تفتیش حال
پر مجبور ہوتے ہیں۔ اب جس قدر یہ قریب ہوتے جاتے ہیں اس قدر ان کی آواز کے
ساتھ ان کی صورت بھی آشنائیاں معلوم ہوتی جاتی ہے اور کچھ ایسا خیال گذرنا
ہے کہ شاید یہ باردون رشید اور جعفر ہیں۔ مگر وہ اس وقت یہاں کہاں
وہ اس وقت اپنے پر تکلف مکانات میں آرام سے پڑے سو رہے ہوں گے۔ مگر
ہمیں باردون رشید کا تو ہمیشہ یہ معمول ہے کہ وہ اپنی رعایا کی تفتیش حالات
اور ان کی تکلیف اور آرام سے مطلع ہونے کے لئے راتوں کو بھیس بدل بدل کر
نکلتا ہے۔ تو بیشک وہی ہو گا اس وجہ سے کہ ان کی ابی کی انتظامی باتیں ہی اسی
امر پر دلالت کرتی ہے۔

اب یہ بالکل ہمارے قریب آگئے ہیں اور بغور دیکھنے سے ہمارے اسی خیال کی
تصدیق بھی ہوتی ہے جو ابی اس سے پہلے ہمارے ذہن میں آیا تھا حقیقت میں ان
دونوں میں سے ایک تو خلیفہ وقت باردون رشید ہے اور دوسرا اسکا وہی اڈل عزیز
ذریعہ جو سایے کی طرح کسی دم اس سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

یہ دونوں آپس میں اسی طرح آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے چلے آتے تھے کہ چلتے چلتے
خدا جانے ان کے دل میں کیا خیال آیا کہ یکبارگی ایک جگہ پر کھڑے ہو گئے اور
پھر راستہ کو چھوڑ کر ایک مکان کی طرف مڑے جو داسے ہاتھ پر
واقع ہے۔

یہ مکان دو منزلہ ہے اور اسکی بچتہ اور خام ملی ہوئی عمارت دیکھنے والے کو اپنی
زبان حال سے بنا رہی ہے کہ اسکے رہنے والے ہی معمولی حیثیت کے آدمی ہیں
مکان کا صدر دروازہ مشرق کی طرف ہے اور پشت کی جانب جس طرف اس وقت
باردون رشید اور جعفر جا رہے ہیں۔ مین دروازے لگے ہوئے ہیں جنہوں نے

اسطرن بھی ایک کمرہ کی اہمیت پیدا کر دی ہے۔

اس کمرے کے دروازے اس وقت بند ہیں اور روشنی کی شعاعیں اُن دروازے کی راہ اندر سے دب دب کر نکل رہی ہیں جو دروازے کے تختوں کے باہم مل ہوئے ہیں رہ گئی ہیں۔ انہیں شعاعِ عون کے ساتھ اندر سے کچھ باتیں کرنے کی بھی آواز آ رہی ہے جسکو زمانے لب و لہجہ سے بالکل تعلق معلوم ہوتا ہے۔ دروازے کے پاس بارون رشید اور جعفر دو بیٹے کان لگائے کھڑے ہیں اور کوئی عورت یہ کہہ رہی ہے وہ کہو بہن تمہاری کسرال داے تم سے اب کس طرح پیش آئے ہیں کچھ اچھی طرح نکالو کہتے ہیں یا نہیں؟

دوسری عورت: ”باجی یہ نہ بولا چھپے۔ خدا کی قسم ذری ذری بات پر سانس کسرے اس طرح بگڑتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ اُٹھتے بیٹھے طعن طرود کی باتیں رہا کرتی ہیں بھئی اب تو میرا کچھ سننے سننے پک کے چھوڑا ہو گیا۔ معاذ اللہ“

پہلی: ”ہے ہے بہن گھر گھر ہی ردنا ہے۔ کوئی کما تک اسکا خیال کرے تم اسکا مطلق رنج نہ کرو۔ وہ بیچارے کیا کرتی ہیں جنگی خاندان سے بھی ایک گٹری نہیں بنتی۔ تکو فیض اسی کا شکر کرنا چاہیے کہ جن سے تمہارا سابقہ ہے وہ بیچارے تو اپنے دم سے اچھے ہیں“

دوسری: ”ہاں اور کیا۔ یہ بھی غنیمت ہے در نہ میں تو بے موت ہی مر جاتی۔ مگر باجی بعض بعض ان کی بھی ایسی باتیں ہوتی ہیں کہ اُٹھ اُٹھ آسوڑا ہی کے چھوڑتے ہیں ابھی کوئی حسینے بھروسہ کا عرصہ ہوا ہو گا کہ وہ - دیکھو - تو یہ -

نام ہی بھولی جاتی ہوں - وہ ناکا ظلم خالو جان کے منجھلے بیٹے - (عزیز) ہوا ہی شام سے آئے تھے - وہ ایک دن میرے دیکھنے کے لیے آئے ہیں نے لاکھ لاکھ جابا کہ میں انکو دیکھوں وہ مجھکو دیکھیں مگر آپ کے ہنوائے صاحب نے ایک نہانا سیطع سامنے آنے جانے نہیں دیا - بس آ جا جانی کیا تاؤں - اُس دن مجھکو اسقدر رنج ہوا کہ آپ کے سر کی قسم آج تک میرا دل ہی جانتا ہے“

پہلی: ”تو اس میں رنج کی کون سی بات تھی - میں یہ تمہاری زیادتی ہے اگر انہوں نے عزیز، اسے پردہ کرنے پر مجھکو مجبور کیا تو اس میں بڑی بات کیا ہوئی - پردہ تو اچھی چیز ہے“

دوسری: ”باجی - ہزار اچھا سہی لیکن اب ایسا بھی کیا کہ جن کے ساتھ

ماتون کیلایا کی ہوں انہیں سے پردہ باندھ عزیز، کوئی خیر نہ تھا اور نہ کوئی آوارہ شخص۔ ۱۵

اجا پردہ نکالا ہے۔ کیا عزیز نے جھگوکھی دیکھا نہ تھا؟

پہلی ۱۶ روپن کے زمانہ نے کیا۔ اگلے زمانے میں کون کس سے پردہ کرنا ہے مگر پیر
آخر جوان ہونے پر پردا کیا ہی جاتا ہے عزیز نے ہزار بار کپ کو دیکھا سہی مگر
پھر بھی آتے شرع کی رو سے پردا تو کرنا چاہیے آپ کے میاں شرع کے پابند بہت ہیں
اگر انہوں نے ایسا کیا تو کوئی بے توقع بات نہیں ہے۔ نکو اسکا زور بھی ملال نہیں کرنا چاہیے۔
سب شریف زادیاں پردہ کرتی ہیں۔

دوسری ۱۷ وہ شرع کی بھی آپ نے ایک ہی کمی۔ بڑی بڑی امیر زادیاں آخر ضرورت کے
وقت باہر نکلتی ہیں کہ نہیں۔ پردہ پردہ نہیں ہوتی؟

پہلی ۱۸ تو نہیں نکل کھڑی ہوتی ہیں۔ یہ نقاب ڈالے کیوں؟

دوسری ۱۹ اُنھ۔ نقاب سے کون بڑا پردہ ہو جاتا ہے اور دنیا میں آتے وہی
بڑے شرع دانے ہیں اور کوئی نہیں۔ خدا سلامت رکھے ہمارے خلیفہ کو
کیا ان سے بھی زیادہ شرع شروع کے جاننے والے ہیں؟ اگر اسطرح کی بے پردگی
اسی طرح بالکل ناجائز ہوتی تو وہ اپنی پیادری اور عصمت مآب ہن کو اپنے وزیر السلطنت
کے سامنے کیوں کر دیتے؟

پہلی ۲۰ (عجب کے لہجے میں) ہاں بہن دو چار روز ہوئے میں نے ہی یہ اٹھتی ہوئی خبر کسی
کی زبانی سنی تھی۔ مگر میں تو سمجھتی تھی کہ یہ جھوٹی خبر ہوگی۔ کیا کچھ اس کی اصلیت ہے؟
مکو معلوم ہے۔؟

دوسری ۲۱ ہاں ہاں باجی بالکل سچ۔ روز رات کو زہدت بننا مشہدستان عشرت میں
بادشاہ سلامت کے اصرار سے جلائے جاتے ہیں اور بادشاہ کی بہن صاحب بھی شریک
ہوتی ہیں۔ خوب ناچ گانا ہوتا ہے۔

پہلی ۲۲ نہیں بہن۔ ایسا کہیں نہیں ہوگا؟

دوسری ۲۳ میں باجی! آپ کے سر کی قسم میں سچ کہتی ہوں۔ یہ خبر تو سارے شہر میں آچک
کہ گھر چھلی ہوئی ہے۔ کون نہیں جانتا کچھ چھپ ہوئی بات ہے۔

پہلی ۲۴ (کچھ سوچ میں اگر) ہوگا! مگر بہن میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ خدا جانے

امیر المؤمنین نے بے پردگی کو کس طرح جائز رکھا! (اچھی دانا فی اور احتیاط سے تو بہت بعید معلوم ہوتا ہے مگر نہیں جو بات بُری ہے وہ کسی کے کرنے نہ کرنے سے اچھی نہیں ہو سکتی۔ بادشاہ کو اپنے فعل کا اختیار ہے اُن کو کون کہہ سکتا ہے۔ خرابی تو غریب آدمیوں کی ہی۔ تم سے اور عزیز سے اگر یہ ہوا تو ہوا ایمین قباحت ہی کیا ہی جو تم اس قدر رنج کرتی ہو۔ کیا سامنے آنے جانے سے غیر اپنے ہو جاتے ہیں! یا پردہ کرنے سے اپنے پرانے ہو جاتے ہیں۔ سمجھو تو۔ پردہ ہونے سے کچھ محبت و قربت جاتی تو رہتی نہیں ہے۔ جس قدر جس سے ہی۔ وہ کہیں کم کرنے سے کم ہوتی ہے؟ خدا جانے تم اپنے ذہن میں پردے کو کیا بُری چیز سمجھتی ہو۔ بن یہ تو اپنی آنکھ کے لحاظ کی بات ہے جس سے ہوا چھا ہے۔“

اسی قسم کی باتیں ہو رہی ہیں اور ہارون رشید اور جعفر دونوں سکتے کے عالم میں چپ بیٹھے ہیں جبریت مضبوطی کے ساتھ دونوں طرف اپنا عمل کیے ہوئے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک اپنے دلی افسوس اور غیرت کے ساتھ اپنے چہرہ کی حالت کا اندازہ کر کے گھبرا گھبرا کر دوسرے کے مُنہ کی طرف دیکھنے لگتا ہے کہ کہیں دوسرا تو میری اس حالت سے واقف نہیں ہوا ورنہ اسے مگر اس قدر غنیمت ہے کہ اسوقت کی تاریکی اپنے سیاہ تاب و امن سے ہر ایک کے چہرے کے اُڑے ہوئے رنگ کی بہت پردہ داری کے ساتھ پردہ پوشی کر رہی ہے۔ اور آپس میں کوئی ایک دوسرے کی حالت سے واقف نہیں ہوتا۔

اسوقت تک تو یہ اسی حیثیت سے یہاں بیٹھے رہے جتنا کہ اس کمرے کے اندر سے آئینہ ملی آوازیں انہی کا نون میں کچھ راز کی باتیں کیا کہیں مگر جب آدھی رات کی جھوم جھوم کر آئینہ ملی نیند و ن سنے اُن باتیں کرنے والی عورتوں کو بھی اُنکی چلتی ہوئی زبان کے ساتھ بقیابو کر کے سہلا دیا اور ہر طرف کے چھائے ہوئے سناٹے کی طرح یہاں بھی سکوت برپا ہو گیا تو ہارون رشید اور جعفر نے بھی یہاں سے اٹھ کر اپنا رستہ لیا۔

اب یہ دونوں ایوان خلافت کی طرف چلے جاتے ہیں مگر ان دونوں عورتوں کی اسوقت کی باتوں نے خدا جانے کانون سے دل تک اور دل سے دماغ تک پہنچتے پہنچتے ان دونوں کا کیا حال کر دیا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے کچھ باتیں کرنا تو دوسری بات ہے اسوقت خود اپنے دل سے بھی کوئی کیسی طرح کی بات نہیں کرتا۔

تھوڑی دیر تک تو اسوقت کے چھائے ہوئے سناٹے کی طرح یہ بھی چپ سناٹے میں چلے گئے

مگر بھر رفتہ رفتہ اس سکوت کی حالت نے کمی اختیار کی اور اس خود رفتگی کے عالم میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے والی قوت خیالیہ کو بھی عرصے کے بعد اس امر کی اجازت ملی کہ ہاں اب وہی اگر داغ کی تنگ گذرگا ہوں میں سیر کرے تو ہارون رشید نے جعفر کی طرف رخ کر کے ایک تعجب کے لہجے میں کہا: ”آپ نے سنا؟“

جعفر بڑی ہاں کیا عرض کروں کچھ عجیب بات ہی۔ بات کو مشہور ہوئے کچھ دیر ہی نہیں لگتی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا عجیب معاملہ ہے۔“

ہارون رشید: معاذ اللہ اور کوئی بات بھی نہیں۔ کچھ ایسی بات ہو تو میرے بھی ہسی بھلائیہ کون ایسا واقعہ تھا!۔ استغفر اللہ (ذرا سکوت کر کے) یہ گھر کس کا ہے اور یہ کون عورتیں تھیں؟“

جعفر: حضور۔ مکان تو نہیں معلوم کس شخص کا ہے مگر باتیں اگر شوالی محمد بن باتوں سے تو آپس میں بہن بہن معلوم ہوتی تھیں۔ کیوں؟“

ہارون رشید: کچھ نہیں۔ وہ تو خود ہی کہہ چکی ہیں کہ سارے شہر میں یہ بات مشہور ہے اگر کسی کا نام لیتیں تو البتہ کچھ وارو گیر کا موقع تھا۔ اب کس سے کوئی پوچھے۔ اور پوچھنا ہی کیا نہ تو کچھ ایسے عجیب ہی کی بات ہے کہ بڑا ہی کا اندیشہ ہوا ورنہ واقع میں غلط ہی پھر پوچھنا ہی کیا! لیکن آج یہ کیا کل کو اگر اسپر کچھ اور حاشیے چڑھائے تو بڑی مشکل ہوئی۔ اسکی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔“

جعفر: حضور عالی اسکی تدبیر ہی کیا۔ کوئی کس کے کس کے منہ پر ہاتھ رکھے گا۔ خدا مان عالی نے جس امر کو جائز رکھا ہے گودہ فقط بقضائے محبت ہو کر خلقت تو انتہا درجے کی بدگمان ہوتی ہے اسکا کیا علاج۔ میرے دل میں تو پتے ہی دن سے یہ بات کانٹے کی طرح سے ٹھٹھک رہی تھی اور مجھ کو اسکا اندیشہ لگا ہوا تھا مگر شاہی ادب و لحاظ کی طرح جھکو کچھ عرض کرنے کا موقع نہیں تھا میری رائے ناقص میں تو یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ بس اب آئندہ اگر ایسے امور سے کنارہ کیا جائے تو اچھا ہے۔ اس میں ہرج ہی کیا ہے۔“

ہارون رشید: یہ کیونکر ہو سکتا ہے! کسی طرح نہیں۔ مجھ کو تم پر اگر ہر طرح سے اطمینان اور اعتبار نہ ہوتا تو میں اسکو جائز ہی کیوں رکھتا۔“

اب یہ دونوں اسی قسم کی باتیں کرتے ہوئے ایوان خلافت تک پہنچ گئے ہیں تو ہی ویر تک تو پہلے کھڑے بھی یہی باتیں ہوتی رہیں مگر پھر بادشاہ نے جعفر کو رخصت کیا اور خود غواہ گاہ خاص میں آرام کرنے کے لیے تشریف لے گیا۔ گواہ نے اپنی مکدر طبیعت کے صاف کرنے اور جھجکے

دل خوش کر نیکی لے اپنے خیالات کو بالکل مخفی کر کے جعفر کے سامنے بیان کیا تھا مگر اُس کا کوئی نتیجہ نہ تھا ان باتوں سے اسکے نازک دل کو ایک سخت انتشار پیدا ہو گیا جب اس الجھن میں کسی طرح کی کمی نہ ہوتی تو اُس نے اپنے خادم مسٹر کو طلب کیا اور چھک کر اس کے کان میں بڑبڑا کچھ اس طرح آہستہ آہستہ باتیں کہیں کہ ہم تو ہم ان باتوں کی اس غماز ہوا کو بھی خبر نہ ہوتی جو زبانِ خلق نیکر اور کوئی بات نہ تھی نہ نکل اور دھڑائے مشکو کوئی۔ مگر یہاں قرآن سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید یہ باتیں اس وقت کی فنی ہوئی باتوں کے متعلق ہونگی۔ مسٹر کے بشرے سے بعض بعض اوقات ایک قسم کا تھج اور سوچ ترشح ہوتا تھا اور وہ بھی جو کچھ کہتا تھا وہی زبان سے کہتا تھا جعفر اب باہر چلا گیا ہی اور بارون رشید پلنگ پر لیٹا ہوا ہے پہلو بدل بدل کر آرام کرنے کا قصد کرتا ہے۔ مگر طبیعت کی الجھن ہے کہ نیند سی آنی والی چیز کو بھی اس طرح آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیتی ہے جو طرح سے کسی کمرہ چیز کو۔ اسکی پیاری بیوی زبیدہ اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی اس انتظار کی وجہ دریافت کر رہی ہے مگر یہ بلطائف احمیل ٹال دیتا ہے اور اس طرح چپ پڑے پڑے اپنے دل سے یہ باتیں ہو رہی ہیں یہ کیا شکل کی بات ہے۔ میں نے اپنی دلچسپی کے لیے ایک فنل کیا تھا اور خلقت نے اسکو اس طرح طشت از بام کر دیا کیسے اس میں کسی کا کیا اجارہ تھا۔ جعفر میرا وزیر عباس میری بہن۔ اور پھر کیسی بہن۔ عصمت مآب۔ پارسا اگر میں نے اپنی موجودگی کی حالت میں ایک مقام پر ان دونوں کو بیٹھنے کی اجازت دی تو اس میں کونسا عیب ہو گیا۔ مگر وہی خلقت کی بدگمانی اور عیب جوئی۔ ابھی یہاں تک مشہور کیا ہی آگے چل کر کچھ اور بھی اس میں لگا دیں گے۔ خدا نخواستہ یہ خبر اگر کہیں عباس کے کان تک پہنچ گئی تو پھر غضب ہی ہو جائے گا۔ اس قسم کی نشست تو یوں ان کے خلاف تھی۔ اس خبر کو سن کر وہ تو پھر شبستانِ عشرت کی طرف بھولے سے کبھی رخ بھی نہیں کرینگے اور جعفر نے تو صاف الفاظ میں اس وقت کہہ دیا کہ آئندہ یہاں سے احتراز کرنا چاہیے اور حقیقت میں جوان مرد اور جوان عورت کا ایک جا بیٹھا کیسے قدر ہو بھی سکتا تو پھر مجھ کو جعفر ہی اسے رائے پر عمل کرنا چاہیے! اسکو شبستانِ عشرت کی صحبتوں میں شرکت کیا کروں؟ (تھوڑی دیر بعد کر کے) مگر نیک جعفر کے تو صحبت بالکل بے لطف ہو جائے گی اس کے منتخب اشارے اُس کی بڑے سنجیدہ اور بعض اوقات ہڑا عزت سے جاتی ہیں بڑے مذاق کا آدمی ہے اور آپ اس خبر کے مشہور ہو جانے کے بعد جعفر اگر شریک نہ کیا جائے گا تو خلقت کو اور بھی بدگمانی کا موقع ملے گا سب کہیں گے دیکھنا نا آخر کوئی بات تو ایسی ہوتی جس سے خلیفہ نے خلاف معمول جعفر کو اپنی صحبت میں مشرک

نہیں کیا! اور عجب نہیں جو خود جعفر کو بھی اسکا کس قدر ملال ہو۔ وہ اپنے دل میں کہے گا نہیں کہ اگر خلیفہ کو میری طرف سے کسی قسم کی بدگمانی نہ تھی تو فقط رات کا تذکرہ سنکر میری شرکت کو کیوں ناجائز قرار دیا! آخر کچھ تو بے اعتباری پیدا ہوئی۔ (اس کے بعد کچھ غور میں آجاتا ہے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اس طرح کہنے لگتا ہے) ”اوتھ ابھی لوگوں کو بتئے بھی دیجئے۔ اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ جعفر سائیدین اور معتبر آدمی ہونا مشکل ہے وہ شاہی خاندان میں سے کسی عورت کی طرف بری نظر سے دیکھے گا نہیں وہ اس قسم کا آدمی نہیں ہی۔ رہی عباسہ وہ ایک ایسی عصمت مآب اور پاکدامن عورت ہے کہ پارسائی کو بھی بچائے خود اُس پر ناز ہوگا۔ اسکے باب میں خدانخواستہ کسی قسم کا گمان فاسد بھی لیجانا سراسر گناہ ہے۔ اگر تھوڑی دیر وہ دونوں میرے حکم سے ایک مکان میں بیٹھے بھی ہیں تو تنہا نہیں عام جلسے اور بھری صحبت میں جان چالیس پچاس کینز میں حاضر رہتی ہیں وہ بھی میری موجودگی میں۔ غیبت میں نہیں اور پھر نقاب ڈالے ہوئے اس میں قباحت ہی کیا ہو۔ کون سی بے پردگی ہے کچھ بھی نہیں کہنے والوں کی فقط حماقت ہی حماقت ہو۔ بس جعفر جس طرح شریک ہوتا ہے اُسی طرح شریک صحبت ہوگا مگر یہ ان کوئی تدبیر ایسی ضرور کرنی چاہیے کہ کسی طرح کی بدنامی نہ آنے پائے اور یہ لوگوں کو اچھی طرح سے معلوم ہو جائے کہ جعفر اور عباسہ کے درمیان بے پردگی نہیں ہوتی جو میرے نزدیک اس قدر پردا تو شرمناک کافی ہوگا۔ لیکن یہ عوام کے خیالات کا بدلنا ذرا مشکل ہی۔ پھر کیا کیا جائے!“

خیر یہ تو اب انہیں خیالات میں پھنسا ہوا ہے دیکھیے ان سے کس وقت اسکو نجات ملتی ہو آئیے جب تک ذرا جعفر کی توجہ نہیں۔ چلو چمکر دیکھیں تو وہ کیا کر رہے ہیں۔ جعفر کا عشرت پسند مزاج اور نشہ شباب اس کی انگڑائیاں لینے والی طبیعت کی بدستیان دیکھ کر بدگمانی کے ساتھ ہر شخص اپنے دل میں کہتا ہوگا۔ معلوم نہیں اب شہستان عشرت میں عباسہ کے ساتھ ہر روز کی نشست نے جعفر کے دل کے ساتھ کیا کیا ہوگا اور کیا کیا فکریں ہو رہی ہوں گی؟ مگر نہیں جو شش جوانی اولہ جوانی کی انگنگ نے تنگ طرفوں کی طرح اسکو ابھی ایسا خارج از اختیار نہیں کیا جو کہ وہ اپنی خواہشوں کو روک نہ سکے۔ اچھے بُرے کا تمیز نہ ہو اور حاجب کا خیال نہ رہے

گو وہ ہر ایک آنے والی رات جو کسی کے مقدر میں شب وصل بن کر آتی ہو اور کیسے نصیب میں شبِ فرق یا شبِ غم ہو کر آتی ہے جعفر کے کا شانہ عشرت میں ہر روز جب قدم رکھتی ہے تو شبِ عروسی ہی بن کر آتی ہو اور کبھی کوئی ایک رات بھی ایسی نہیں گذرتی جو اس کا موافق زمانہ ایک نہ ایک اچھی سے اچھی صوت کی کوئی نئی کنیز اسکے پہلو میں لا کر نسل او سے مگر باوجود اس عشرت پسندی کے اس نے کبھی خدا کا گناہ نہ کرنا اپنی خواہشوں کو ناجائز طور پر نہیں نکالا۔ نہ کبھی کسی پردہ نشین کی پردہ درمی کی اور نہ کبھی کسی کی بہو بیٹی پر بری طرح اپنی نظر ڈالی جب قدرتی طور پر اس کا طرز معاشرت اس قسم کا واقع ہوا تھا تو وہ خاص اپنے محبت کرنے والے ایسے بادشاہ پر کیا ہاتھ صاف کرتا جس نے ہمیشہ اس کو اپنی جان سے بھی نیا وہ عزیز سمجھا۔ وہ مشہور عشرت کی صحبتوں کو ہمیشہ بری نظر سے دیکھا کیا اور وہاں کی آمد و رفت سے ہر روز اسی طرح دم چڑتا رہا جس طرح کوئی بیوفا مشوق اپنے چاہنے والے اور پیارے بلبلانوالے عاشق کے گھر آنے جانے میں جیلے ہلے کرتا ہو۔ مگر بادشاہ کی محبت آمیز طلبی ہر روز منتوں کے ساتھ اُسے سمجھا سچا کرواں لیجایا کی جہان کے جانے سے وہ کارہ تھا۔

گو عباس کی آنی ہوئی طبیعت اب پردے ہی پردے میں محبت کا چلتا ہوا جادو کر رہی تھی اور اس کے حسن عالم سوز کی جھلکیاں چمکتے ہوئے آفتاب کی کرنیں بن کر اس کے ہاتھ سے نکلی ہوئی طبیعت کی طرح نقاب سے چھن چھن کر روزِ جعفر پر ڈورے ڈالتی تھیں اور اس کے حسن ہمیشہ کی تعریفیں سن سن کر جعفر کو خود بھی خیال تھا کہ کسی طرح وہ اس کے حسن خدا داد کے کرشمے اپنی آنکھوں سے دیکھتا مگر اس کی پاک نفسی اور احتیاط نے اس کو کبھی اس امر کی اجازت نہیں دی کہ وہ عباس کے طرف سے کبھی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ مگر نہیں معلوم محبت کرنے والے دلوں میں باوجود ضعف اور ناتوانی کے خدا نے کس طرح کی پھین کر دینے والی قوت بخشی ہے کہ وہ جس کو چاہتے ہیں اس کو کسی کسی طرح اپنا پر توڑا لکرا رہا پر لگایا لاتے ہیں۔

یہی حب کا عمل آجکل جعفر کے پاک دل پر بھی چل رہا تھا اور خود بخود اب اس کی طبیعت عباس کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت بھی ہو چلی تھی کہ اتفاق سے آج یہ مکمل کھلا۔ اور بیٹھے بٹھلے جعفر کی طبیعت کو ایک طرح کا طعنان پیدا ہو گیا۔

وہ اسوقت اپنے مجلسِ اربابِ لیشا ہوا ہے باادب کینزین دست بستہ خدمت میں حاضر ہیں مگر یہ چپ چپ رہا ہے اور کسی سے کچھ نہیں کہتا۔ وہ باتیں جو ابھی ہارون رشید کی پہلوی میں اس نے ایک جگہ سنی تھیں وہ اسوقت سے کچھ انھیں تیرون کی طرح کانوں سے گذرتی ہوئی اس کے دل میں ٹھٹھک رہی ہیں جو ملک مارے حسنین کی فتنہ زار آنکھوں سے یک بیک چل جاتے ہیں اور دیکھنے والوں کی آنکھوں میں جبکہ کرتے ہوئے سیدھے سینے میں اتر جاتے ہیں۔ اُنھیں ہے سیکلی ہے اور اسوقت کروٹیں لے لیکر ادھر ادھر نیند تلاش کی جاتی ہے مگر کسی طرف نظر نہیں آتی۔ اور رہ رہ کر یہ باتیں ہو رہی ہیں۔

لیجیے! کر نکرح دل کے غضب سے ڈر۔ اچھے بدنام ہوئے۔ واہ۔ ابھی عباس کی صلوٰۃ بھی دیکھی نہیں اور خلقت کی یہ حالت۔ معاذ اللہ۔ بھی اتنا چاہے جو کچھ ہو جاتے بندہ تو وہاں نہیں جاتے گا! نہیں جاتے گا!! نہیں جاتے گا!!!

معلوم نہیں یہ شب کس طرح سارے شہر میں مشہور ہو گئی۔ مگر ہاں کسی ایسے ویسے غیب کے گھر کا تو جابرا ہے نہیں جو کسی کو کانوں کان خبر نہو۔ یہ تو بادشاہوں کے گھر کی بات ہو چہرہ صد با آنکھیں اور ہزاروں کان لگے ہوتے ہیں۔ لیکن ہاں ایک بات تو ضرور ہے دو تین روزے عباس کے تہو تو محلو بھی کچھ اچھے نہیں معلوم ہوتے! گو نقاب کی وجہ سے کچھ اچھی طرح نہیں ظاہر ہوتا مگر پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ بعض بعض اوقات انہی فطرتین چھپ چھپ کر مجھ پر بے طرح پڑتی ہیں۔ حق را خیر کرے۔ مگر اُنھدہ اُجھ کو کیا میرا تو اب وہاں جانے کا قصد ہی نہیں ہے لیکن دیکھیے خلیفہ مانتے بھی ہیں کہ نہیں خیر! در تو کچھ نہیں میں نے اسے حق کا شہرہ بہت کچھ سنا ہی ایک نظر دیکھ لینے کی ضرورت تھی مگر وہ بات اب دور گئی۔ افسوس۔ دیکھیے بادشاہ سلامت اب جھکوا اس صحبت میں بلا تے بھی ہیں کہ نہیں۔ آج کی یہ باتیں سن کر اپنے دل میں کچھ ٹھٹھک نہ گئے ہوں۔ ذرا ہیں وہ ٹھٹھکی خراج۔ لیکن اگر خدا خواستہ انھوں نے اب محکو نہ بلایا تو گویا میرے حق میں بہت اچھا ہوگا مگر خدا کی قسم محکو اس کا سخت ملال گذرے گا۔ آخر اسکی وجہ! مگر میں ایسا وہ کبھی نہیں کر سکے۔ اُن کو میرا بہت اعتبار ہے۔ جعفر یہی باتیں اپنے دل سے کر رہا تھا کہ ایک گل اذام حور و ش کینزین نے سامنے آکر اپنے حسن دلاویز کے کرشموں سے اسکی طبیعت کو اُن خیالات سے علیحدہ کر کے

اپنی طرف متوجہ کر لیا اور یہ اس سے باتیں کرنے میں مشغول ہو گیا۔

پانچواں باب

اے ہے! فرشتے ہوں مخبر تو کیا کیجیے
یہاں بات کی دان خبر ہو گئی

ہائے کم سنی کا بھی کیا زمانہ ہوتا ہے! حینان جہان کی کیسی شوخ رنگت ہوتی ہے۔ کیسا بھولا نقشہ ہوتا ہے۔ اُن کے دل کی امنگ کے ساتھ حسن کی ترقی کس بلانگی ہوتی ہے اور انکا اٹھتا ہوا جو بن دیکھنے والی چلی طبیعت کے ساتھ کیا کرتا ہے اپنے دیکھا جہاں کیسی بھولی بھولی پیاری باتیں ہوتی ہیں نہ وہ شکوے شکایت کرنا جانتے ہیں نہ انکو بہت بھوٹی باتیں بنا آتی ہیں۔ ہر بات میں ایک نیچرل ساوگی ہوتی ہے کہیں بناوٹ کا نام نہیں۔ اتفاق سے اگر کوئی چال کر بھی جاتے ہیں تو ہائے وہ بھی کس المٹھ پٹے سے اور اگر کہیں بگڑ جاتے ہیں تو وہ بھی ٹھنک ٹھنک کر یہ کچھ انسان ہی پر نہیں موقوف ہے۔ کوئی چیز ہو یہ کس یہ زمانہ سب پر بلا کا ہوتا ہے۔ دیکھیے وہ چھوٹے چھوٹے نئے درخت۔ وہ ہری ہری بوٹیاں جو مٹی۔ خاک میں لوٹنا لڑکوں کا کھیل سمجھ کر ابھی دامن بھاڑتے ہوئے سطح زمین سے ذرا بلند ہوئے ہیں ان کا نہا نہا ہوا سا قد ان کا ہر اہر اٹپکتا ہوا رنگ اور اس سبزی میں جا بجا نکلتی ہوئی سُرخ مائل نرم نرم کوپل۔ ہوا کے جھونکوں سے حینان نازک کم کی طرح اس کا ادھر ادھر مل کھا کر جھک جانا یہ سین کسی اور زمانے میں بھی کسی نے دیکھے ہیں! پہلو بے گل میں بیٹھنے والے دلننگ غنچے جب اپنے شرمیلے چہرے سے سبز دوپٹے کا آنچل ذرا سر کا سر کر دیتے ہیں تو سارے گلشن کی اسوقت کیا کیفیت ہو جاتی ہے صبح کا وہ اہت دانی زمانہ جہیں غنچہ صبح کھلکھلاتا ہے اور ہلکی ہلکی سیاہی میں صبح کی سپیدی ملی ہوئی ہوتی ہے۔ صبح کیے گا کیسا سنا وقت معلوم ہوتا ہے۔ دن کا وہ وقت جہیں آفتاب سنہرا ہو کر زرد اور زرد ہو کر سپید ہو جاتا ہے اور رات کی رہی سہی سُری اور اہستہ آہستہ بلند ہونے والے آفتاب کی کم گرمی یہ دونوں

ملکر کس طرح کی اعتدالی کیفیت پیدا کر جاتی ہیں۔ شام جب ہونے کو ہوتی ہو اور غروب ہوتے ہوئے آفتاب کا کچھ کچھ حصہ مغربی افق پر باقی رہ جاتا ہے۔ زردی مائل دھوپ مکا تو بھی سپید مندریرون اوزاؤں پر اونچے درختوں کی سبز چوٹیوں پر پتھر یونی سی مٹی ہوئی رہ جاتی ہے تو اسوقت سارے عالم کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟۔ رات کی تاریکی جب شرق کی طرف سے مغرب کی طرف دوڑتی جاتی ہے اور آسمان کے زرد دار فرشتے خوشی میں بڑے بڑے آبدار موتی (ستارے) اس کے پیچھے لڑتے چلے آتے ہیں تو نیچر کی صنایع ان دیکھنے والی مشتاق آنکھیں کس طرح بے اختیاری کے ساتھ اوپر اٹھ جاتی ہیں؟۔ خیر یہ سب تماشے ہر ایک چیز کے کم سنی کے اوقات تک ہیں جو آپ نے اکثر دیکھے ہوں گے آئیے اب ہم آپ کو آخری زمانہ اور پندرہ سال کے وقت کا بھی ایک ایسا سین دکھا دیں جس کو شاید آپ نے بہت کم دیکھا ہوگا۔ دیکھیے اسی رات کا پچھلا پر ہے جہین ہارون رشید اور جعفر نے ایک جگہ اپنی بدنامی کے متعلق کچھ دل پریشان کرنے والی باتیں سنی تھیں۔ تھینا تین بجے ہوئے تھے اور رات کا ختم ہونے والا ستارہ اسوقت اپنے انتہائی درجے پر پہنچا ہوا ہے۔ میداے شب کا وہ بچہ اور سید تاب رنگ جو کہ سر شام بن سنو کر نکلنے والوں کی کالی کالی زلفوں سے ابھی آغاز شب میں ایک قسم کی اچھی مناسبت تھی اس وقت کچھ ایسا بے رونق کالی ملا معلوم ہوتا ہے کہ اسے دیکھنے والوں نے متنفر ہو کر اپنا منہ چھپایا ہے آنکھیں بند کر لیں ہیں اور اسوقت اس کے اس آخری وقت کے حسن کا نظارہ کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ سب سے زیادہ اس کی سانولی سانولی صورت کے عاشق زار ستارے جو آسمان پر ٹھل کر ٹپے ذوق و شوق کے ساتھ غلامیہ شام ہی سے تاک جھانک شروع کر دیتے ہیں اب انکی بھی آئی ہوئی طبیعت اس وقت کا اسکا بالکل ڈھلا ہوا جو بن دیکھ کر کچھ ایسی ہٹ گئی ہے کہ ان میں سے اکثر نے تو آسمان کی نیلی نیلی چادر سے اپنا منہ چھپایا ہے اور جب تک باقی رہ گئے ہیں انہوں نے بھی اسکی اس وقت کی بھانک اور ہولناک صوٹ دیکھ کر دانت نکال دیئے ہیں۔ اس کے حط و خال گواہی تیرگی رنگ کی وجہ سے اچھی طرح نہیں معلوم ہو سکتے ہیں لیکن اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو ذرا اوپر اٹھ اٹھ کر اسے اس عکس کو دیکھ لیجئے جو اس

آجکی جہاں کی صاف سطح پر کھد رپڑ رہا ہے۔ یہ جو ایک خمی سی آسمان میں معلوم ہوتی ہے یہ اسکی اس جھکی ہوئی کرکی کشافی ہو جو درازی عمر کی وجہ سے بڑھاپے نے اسکے قد بالا میں پیدا کر دی ہے۔ اور یہ جو پیٹے پیٹے ابر کے سفید سفید ٹکڑے جو کسی کے گلجے دوپٹے کی طرح سے ہوئے آسمان کی نیلگوں سطح میں اسوقت معلوم ہوتے ہیں یہ سب اسکی بدنامیوں کے عکس ہیں جو اسطرح پر اسوقت کے رہے سے تارو کی دھندلی روشنی میں آسمان کے کنارے کنارے معلوم ہوتے ہیں وہ آسمان پر ٹوٹنے والے ستارے جو شعلہ چوالہ کی طرح اسوقت اور ہر سے اُدر آجاتے ہیں اور جکی نسبت لوگوں کے مختلف خیالات ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ جب دفاعی اجزاء زمین سے اُٹھتے ہوئے آسمان کی طرف جاتے ہیں تو کڑھ ناری کی گرمی اور حدت سے انہیں آگ لگتا ہے۔ کوئی خیال کرتا ہے کہ کشیا طین جب آسمان پر چڑھنے کا قصد کرتے ہیں تو ملائکہ آسمانی آگ کے انگارے پھینک پھینک کر راتے ہیں۔ گو یہ سب خیالات کسی حد تک صحیح ہوں مگر ہمارے نزدیک یہ وہ قدرتی ہوا یا بن ہیں جو اسوقت بمبلی شب کے اُترے ہوئے ٹھنڈے پر غیرت کے مارے ٹھٹھ رہی ہیں۔ وہ ملکشان جس کے شعرا غلطی سے حبیبوں کی مانگ سے تشبیہ دیتے ہیں حقیقت میں اگر مانگ ہوگی بھی تو اسی بمبلی شب کے آخری سن کی دورۂ بھلا حینوں کی باریک اور خوبصورت مانگ سے اُس کو مناسب۔ استغفر اللہ ایسے وقت میں اوّل تو گھر سے باہر نکلتا ہی کون ہے لیکن اگر ہمارا کوئی شہر و وحشت میں اگر اسوقت بھی نکل کھڑا ہو تو ظلمت شب کے ہر سے اسطرح ہر جگہ بیٹھے ہوئے ہیں کہ کسی طرح نظر کو آنکھوں سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتے۔ مگر نہیں دیکھیے اُس شہر کے قریب کیسی روشنی معلوم ہوتی ہے جو ایوان خلافت سے جنوب کی طرف آتی ہے۔ آپ نے دیکھی ہے؟ یہ کیسی روشنی ہے؟ کہیں وہی روشنی تو نہیں ہے جو اندھیری راتوں میں فاسفورس کے روشن ہو جانے سے جا بجا پیدا ہو جاتی ہے اور جبکہ عوام ان سے آگیا بیتال سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر اس کا وجود تو کھلے میدانوں میں ہوتا ہے آبادی میں کہاں اور پھر اسقدر قیام! تو پھر شہر پر کی لائین ہوگی۔ سہاں البتہ یہ یہ قرین قیاس ہے مگر یہ تو کچھ اسطرح کو آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور پھر کچھ بندی پر بھی نہیں بالکل زمین سے ملی ہوئی نظر آتی ہے۔ تو کوئی آدمی کسی غمزدگی کام کے لیے کہیں جاتا ہوگا۔ بیشک آدمی ہی ہے۔ دیکھیے نا اب وہ آدمی خود بھی معلوم ہوتا ہے مگر رات کی تاریکی ابھی اس امر کا موقع نہیں دیتی کہ ہم اسے دور سے پہچان سکیں۔ یہ شخص لائین ہاتھ میں لیے اسطرح کو چلا آتا ہے۔ مگر خدا جانے اسوقت اسکی کیا حالت ہے کہ کبھی تو یہ بڑھ کر قدم رکھتا ہے

اور کہیں پراسکی چال ایسی سست ہو جاتی ہے کہ اگر اسکو کچھ مناسبت ہو سکتی ہے تو معشوقوں کی نازک خرامی سے یا ماردوں کی رفتار سے۔ یہ اسطرح اسطرح بڑھا چلا آتا ہے۔ اور خود بخود یہ کہتا جاتا ہے وہ کیا اچھا حکم دیا ہے۔ معاذ اللہ جو فراج میں آیا کہد یا۔ اسکا ذرا خیال نہیں کہ یہ ہو بھی سکتا کہ نہیں اب یہ فرمائیے کہ میں کس طرح اس بے سربا بات کو دریافت کروں۔ مگر انکو کیا۔ واللہ انکے مکاروں نے تو اب ناک میں جم کر دیا ہے۔ لاجل و لا قوۃ۔ اور غضب یہ ہے کہ ٹھکانا کہیں معلوم نہیں اور کیا کہ یہ بھی ہو ابھی۔ اور اُس پر یہ اور طرہ کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو بھلا اسوقت اور اس اندھیری رات میں کسے کھ کوئی جائے؟

یہ شخص اسطرح باتیں کرنا جاتا تھا کہ بیچ میں ایک حامل بیٹہ والے چور اپنے نے اسکی اور میں کچھ شک پیدا کر کے اسکو روک دیا اور یہ شمس ہو کر اپنے دل سے کہنے لگا یہ بتائیے اب کس طرف جاؤں کس پر بچوں یہاں تو کوئی آدمی بھی نہیں اور اگر ہوتا بھی تو کیا کام نکل سکتا تھا خیر سے نام بھی تو نہیں معلوم۔ گناہم آدمی کا ٹھکانا ہی کہاں! استغفر اللہ کس بلایا میں پھنسا ہوں (کچھ سوچ کر) ہاں شاید بتایا تو تھا کہ شرک چھوڑ کر جانا چاہیے۔ مگر یہ یاد نہیں کہ واسطے ہاتھ پر جانے کو بتایا تھا۔ یا بایں ہاتھ پر شاید بایں ہاتھ پر مرنے کے لیے کہا تھا (لالشیں سے خوب دیکھ کر) ہاں ہاں بایں طرف۔ اسطرح گلی بھی ہو اسکو تو کہا تھا اس میں سے راستہ ہی۔ تو اسطرح چلنا چاہیے اور شرک چھوڑ کر گلی کا راستہ لیا۔

اب یہ گھبرائے عالم میں چاروں طرف دیکھتا بھانپتا چلا جاتا ہے اور دل میں ہی اندیشہ ہے کہ راہ کہیں بھول تو نہیں گیا مگر ابھی تک تو میں اپنے خیال میں ٹھیک اُسی پتے پر چلا آیا ہوں جو بتایا تھا (کچھ اور آگے بڑھ کر) لیجئے اب یہ گلی بھی ختم ہو گئی۔ وہ دیکھتے دھت بھی سامنے معلوم ہوتے ہیں اس کے پاس تو تالاب بھی بتایا تھا (بہت خوش ہو کر) ابا وہ تالاب ہے۔ بس بس یہی مقام ہے۔ خوب ہی سیدھے راستے پر آیا۔ لیکن وہ مکان کونسا ہے۔ یہ بھی تو معلوم ہو نا چاہیے۔ (ہر مکان کو بیت غور سے دیکھ کر) یہاں تو سب مکانوں کی پشت اسطرح ہے۔ بس مکان کے دروازے البتہ اسطرح ہیں اور انھوں نے تو بتایا تھا کہ دروازہ مغرب کے رخ ہے۔

لیکن اس میں یہ تین دروازے کیسے! کیا وہی کرہ تو نہیں ہے جو بتایا تھا۔ اچھا تو بچپان کی طرف چل کر دیکھنا چاہیے دروازہ ہے کہ نہیں (اسطرح جا کر) ہاں ہی تو یہ کیا۔ بس یہی مکان ہے میں پکارنا چاہیے۔ مگر بھی پھر اچھی طرح سے خوب دیکھ بھال لو ایسا نہ کہ کسی اور کا مکان ہو جو مفت میں درست کیے جاؤ؟ یہ سوچ کر اپنے خیال کی طرح پھر بیٹھا کھایا۔ آپ صاحبوں کو نہیں معلوم ہو گا کہ یہ کون شخص ہے مگر اب ہم آپ کو زیادہ انتظار کی تکلیف نہیں دین گے ہم بتاتے

دیتے ہیں۔ یہ وہی ”مسرور“ ہے جس کے ساتھ آپنے اس سے پہلے والے مین میں بارون رشید کو بہت آہستہ آہستہ باتیں کرتے دیکھا تھا۔ یہ اپنے بادشاہ کے حکم سے بیان اس غرض سے آیا ہے کہ وہ ان باتوں کی نسبت سراغ لگائے جولو بادشاہ نے جعفر اور عباس کی نشست کے متعلق بھی تھوڑی دیر پہلے دو عورتوں کی زبانی سنا تھا ”مسرور“ اس وقت عجیب گھبراہٹ میں بھی صدر وازہ کی طرف جاتا ہی اور کبھی اس طرف کمرہ کے پاس آکر ٹھہرتا ہی اور اس طرح اپنے دل سے کتاہو دیکھیں اتنے یہ وہی مکان ہے جس کا پتہ بادشاہ سلامت نے دیا تھا مشرق رخ کا دروازہ بھی ہو اور پشت پر کمرہ بھی۔ اندر کچھ روشنی بھی ہوتی ہی۔ بس یہی تو پتہ بتائے تھے۔ دروازے پر چکر آواز تو دیجیے پھر دیکھا جائے گا (دروازے کے پاس آکر اپنے دل سے) مگر کسکو پکاروں نام بھی تو نہیں معلوم۔ مشکل تو یہی ہی۔ ہاں اور یہ بتائیے کہ دریافت کس طرح کرونگا! بھی اگر کسی سید کا مکان ہوا تو سمجھ لیجئے کہ آج اچھی طرح سے آپکی مرمت ہوگی۔ مگر اُنہ کیا کوئی کر سکتا ہو۔ بادشاہ کا خادم ہوں یا کسی ایسے ویسے کا۔ بس اللہ کر کے پکارو بھی (زنجیر کھڑکھڑا کر بلند آواز سے) کوئی گھر میں ہے؟ ارے میان سوتے ہو“

گو مسرور نے بہت زنجیر کھڑکھڑائی اور کسی مرتبہ پکارا بھی مگر بیان اس وقت کے سونے والے کچھ ایسی ڈوبی ہوئی نیندوں میں سو رہے تھے کہ کسی کو مطلع خبر بھی نہ ہوئی۔ لیکن جب ”مسرور“ نے بہت غل مچایا تو کسی نے چونک کر ایک گھبراہٹ کے ساتھ کہا۔ کون ہے۔ کون؟“

مسرور ”میں ہوں میں ذرا باہر تشریف لائیے آپ کے کچھ کام ہے“

وہی شخص (اپنے دل میں) کون شخص ہے۔ ایسا کیا کام تھا جو اس وقت آیا (بلند آواز سے) آپ کہاں سے آئے ہیں؟ کیا نام ہے؟ آپ کا کیا کام تھا؟“

مسرور ”یا اللہ باہر بھی تشریف لائیے گا یا گھر ہی میں سے یہ باتیں ہونگی۔ ذرا تکلیف کیجیے۔ کچھ ایسا ہی کام ہے“

اس باہمی گفتگو کی بلند ہونے والی آوازوں نے اس گھر کے ایک طرف اور سونے والوں کو بھی جگا دیا اور کسی نے زمانے لب دلچسپی میں کہا ”ای ہی یہ کون اس وقت آیا ہی۔ دیکھو تم۔ باہر جانا اچھا۔ خدا جانے کون ہے۔ پورے دشمن ہے۔ کیا معلوم“

وہی شخص ”آپ ایسا بھی کیا! امیر المومنین کے زمانہ میں کسی بات کا اندیشہ نہیں مگر خدا جانے کون شخص ہو جا کر دیکھیں کون؟“ اور دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ آپ شخص اور مسرور دونوں باہر کھڑے ہوئے اور علی کے

بہ اس طرح باتیں ہو رہی ہیں۔

وہی شخص ”کیون جناب کیا کام ہے۔ فرمائیے اسوقت آپ کے کیون تکلیف کی؟“

مسرور ”حضرت یہ آپ ہی کا مکان ہے“

وہی شخص ”جی ہاں ہے تو۔ اس سے غرض۔ آپ اپنا مطلب کیجئے“

مسرور ”جی ہاں کتا ہوں معاف کیجئے گا۔ میں نے آپ کو اسوقت بہت تکلیف دی۔ آپ کا نام؟“

وہی شخص ”جناب میرا کچھ نام ہے۔ آپ کو اپنے مطلب سے مطلب۔ نام سے کیا کام؟ یا آپ

میرا نام پوچھتے آئے ہیں؟“

مسرور ”یا اللہ تو اسقدر آپ گرم کیوں ہوتے ہیں۔ بغیر سمجھے میں کس طرح کہوں“

وہی شخص ”اپنے دل میں (لا حول ولا قوۃ عجیب ہل شخص ہے۔ (مسرور سے) جناب مجھ کو

قاسم کہتے ہیں۔ پھر کچھ کیسے گا بھی۔“

مسرور ”یہ کیسے آپ کا قاسم نام ہے۔ آپ کا کوئی صاحبزادہ بھی ہے؟“

قاسم ”جی نہیں کوئی نہیں“

مسرور ”افسوس۔ اور صاحبزادیاں؟“

قاسم۔ (گہرے گرجے) ”جناب آپ مردم شماری کرنے آئے ہیں یا خانہ تلاشی لینے۔ بیفائدہ کی بیک

بیک لگائی ہے۔ اگر کچھ کہنا ہے تو کہیے۔ ان باتوں سے آپ کو کیا مطلب۔ آئے ہیں بڑے

قاضی بن کے۔ ہو نہ“

مسرور ”اوہ۔ تو اسقدر آپ چراندے کیوں ہوتے ہیں۔ معاذ اللہ شاید ابھی آپ نے

جک پچا نا نہیں۔ بتا دوں میں کون ہوں۔ مسرور۔ امیر المومنین کا خاص خادم۔ آٹ پچا نا؟“

مسرور کا نام ایسا نہ تھا کہ جس کو بغداد میں کوئی نہ جانتا ہو۔ اسکی ہمک حلالی اور جان نشاری نے

بادشاہ کے حضور میں اسکو بہت مقرب کر رکھا تھا اور قربت سلطانی نے اسکو اسقدر شہرت

دیدہ تھی کہ بغداد کا وہ ہر ایک بچہ بھی اسکو پہچانتا تھا جس نے اپنی عقل مہیولانی کے مرتبہ

قدم بھی باہر نہ نکالا ہو“

قاسم مسرور کا نام سنتے ہی کانپ گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ حضور معاف کیجئے گا مجھ سے

خطا ہوئی۔ میں پچا نا نہیں تھا۔ (طبت دواڑ سے) کچھ بیٹھے کو لانا۔ (مسرور سے)

تشریف رکھیے۔ تشریف رکھیے۔ اسوقت آپ نے کہاں تکلیف فرمائی خیر تو ہو“

مسرورؒ ہاں خیر ہے آپ گھرا ئے نہیں۔ ذرا آپ میرے اس سوال کا جھکو جواب دیدیتے تو پھر میں کچھ کہوں۔ آپ کے گھر میں کتنے آدمی ہیں؟“
 قاسمؒ حضور ایک مین ہوں۔ ایک میری بی بی۔ اور دو میری لڑکیاں ہیں بس۔“
 مسرورؒ اور کوئی نہیں۔ اچھا اور لڑکیوں کا سن کیا ہے؟“
 قاسمؒ جناب ایک کا یہی کوئی اٹھارہ اُمیس برس کا اور دوسری کا شاید پندرہ سولہ برس کا سن ہوگا۔“

مسرورؒ (اپنے دل میں) بس بس تپہ چل گیا۔ یہی دونوں باتیں کرتی ہوگی (قاسم سے) اور وہ دونوں اس وقت سوئی کہاں ہیں؟“
 قاسمؒ (دل میں) ”یا اللہ یہ کیا معاملہ ہے! کچھ سمجھ میں نہیں آتا (مسرور سے) جناب اسطر مکان کی پشت پر (درب کی طرف اشارہ کر کے) ایک کمرہ ہو اسی میں شاید سو ہی ہیں۔“
 مسرورؒ (اپنے دل سے) بس۔ بس اب یقین آگیا۔ وہی ہیں۔ کچھ شک نہیں۔ (قاسم سے مخاطب ہو کر) آپ مہربانی فرما کر ذرا اپنی صاحبزادیوں سے دریافت تو کیجئے کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ شبستان عشرت کے متعلق باہم کیا باتیں کرتی تھیں۔ اور انھوں نے اس واقعے کو کس سنا“
 قاسمؒ جناب ا وہ شبستان عشرت کا کیا حال جائیں۔ انکو کیا خبر۔ وہ کچھ نہیں جانتیں۔“
 مسرورؒ نہیں جناب ابھی ابھی بادشاہ سلامت کا خود اس طرف سے گذر ہوا تھا۔ انھوں نے خود اپنے کانون سے سنا۔ آپ فرماتے کیا ہیں! آپ ذرا اندر تو جاسیے پھر کیے گا۔“

مسرورؒ کی یہ تقریر سننے ہی قاسم کو جہت ہو گئی ستا گدڑ گیا۔ یہ کی طرح اعضاؤں سے کانپ رہا ہیں ہوش و حواس باختہ ہیں۔ کہتا کیا ہو اور زبان سے نکلتا کیا ہو۔ پیارا گھبرا ہوا مکان کے اندر گیا اور اس کی بی بی اپنی تھوڑی آواز میں اس طرح پوچھنے لگی ”ہو ہی۔ کیا ہو کچھ کہو تو۔“

قاسمؒ ”ہو کیا۔ ان کمبخت لڑکیوں نے بیٹھے بٹھائے عذاب میں ڈال دیا۔ کہاں ہیں ذرا بلاؤ تو۔“
 اور یہ کہتا ایک کمرے کی طرف چلا۔ یہ وہی کمرہ ہے جس کے پاس میٹھا کمرہ سے جھڑا دروازہ رشید نے اچھی باتیں سنیں تھیں۔ ایک چراغ روشن ہو اور دو عورتیں جوانی کی پرورش دہی ہوئی نیند میں بیچر سو رہی ہیں۔ یہ دونوں اسی قاسم کی بیٹیاں ہیں اور یہ وہی دونوں کی بہنیں ہیں جنھوں نے شبستان عشرت کے متعلق کچھ گفتگو کی تھی۔ انہیں سے چھوٹی کا نام احمدی ہو اور بڑی کر رضیہ کہتے ہیں۔ رضیہ فقط سن ہی میں نہیں بڑی ہو بلکہ عقل اور ذہانت میں بھی اپنی چھوٹی بہن سے

بہت بڑھی چڑھی ہے اور گوہ ایک جاہل گھر میں پیدا ہوئی ہے مگر تاہم اسکے طبعی سیلان اور قدرتی شوق نے اسکو سیکھنا پڑھا بھی دیا ہے جس نے اسکی خدا داد ذہانت کو اور بھی ترقی دیدی احمدی بالکل جاہل ہے اسنے کچھ لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور اپنا اس قدر سچ کھیل کو دو میں ضائع کر دیا۔ لیکن اسکے ساتھ اسنے مبدی قیاض کے ہاتھوں سے جن اس بلا کا پایا ہو کر اگر عباسہ کی پیروی صورت کے بعد کیسکی صورت نظر میں کس قدر چھٹی بھی ہے تو اسی احمدی کی۔ قدیمانہ جو نزاکت عضو عضو اسکے شوخ رنگ کی طرح ٹپک رہتی ہے۔ بھولا بھالا آفتابی چہرہ ہے۔ آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی ہیں اور وہ بھی وہ جنہیں عشوہ۔ جادو اور شوخی نے سہا کر اسکے پیائے چہرہ کے ساتھ کچھ اور بھی ڈھنسی پیدا کر دی ہے یہ دونوں باتیں ابھی اسی طرح غافل سو رہی تھیں کہ قاسم نے کمرہ کے اندر پونچھ لکھارا ”رضیہ۔ احمدی۔ اے احمدی“

رضیہ: ”(چونک کر) کیوں آیا جان۔ کیا ہے۔“

قاسم: ”ہے کیا۔ ایک ناگہانی آفت ہو گیا ابھی تھوڑی دیر پہلے تھے اور احمدی سے کچھ شبستان عشرت کی باتیں ہوئی تھیں۔“

رضیہ: ”نہیں تو آیا جان۔ تجھ کو شبستان عشرت کی کیا خبر۔ مجھے تو کچھ بھی باتیں نہیں ہوئی تھیں“

قاسم: ”نہیں کچھ تو سچ سچ کہنا سوچا بھی طرح خیال کر لو۔ بادشاہ سلامت خود اپنے کانوں سے ابھی سن گئے ہیں اور اب دریافت کر نیکیے خاص سلطان خاد م مسرور آیا ہے۔“

رضیہ: ”(کچھ غور کر کے دینی زبان میں) ہاں شاید آیا جان کچھ احمدی ہنس نے وزارت پناہ اور امیر المومنین کی بہن صاحبہ کا تذکرہ تو کیا تھا مگر بجو یا د نہیں۔ دیکھیے احمدی کو جگاتی ہوں۔ احمدی۔ احمدی۔ (ہاتھ سے جگا کر) اے احمدی بہن۔“

احمدی: ”(ایک انگڑائی لیکر) اُونہوں۔ تو یہ۔ باقی تم تو سونے نہیں دیتی ہو۔“ اور پھر کروٹ لے کر سو گئی۔

رضیہ: ”ای ہو تو بہن تمھاری بھی کس غضب کی نیند ہو۔ ذرا ہوشیار تو ہو۔ دیکھو تو انا جان اور آیا جان کھڑے ہیں۔ ایک ضروری کام ہے۔“

احمدی: ”کیا ہو بھی اللہ تم تو مانتی نہیں۔ سونا مشکل کر دیا ہو (آنکھیں ملتی ہوئی) کچھ کہو گی بھی کیا ہو۔“

رضیہ: ”ہن جب ہم تم سونے کیلئے بیٹے ہیں اُسوقت تم نے شبستان عشرت کا کیا تذکرہ کیا تھا؟“

(قاسم کی طرف متوجہ ہو کر) ہاں ہاں آیا جان مجھ کو خود ہی یاد آگیا۔ ہن اُسوقت اپنی

سسرال کی کچھ شکایت کرتی تھیں اور افسوس کرتی تھیں کہ عزیز بھائی سے میں پردہ کرنے پر مجبور
 کی گئی تو میں نے دیکھ لیا تو سمجھا یا کہ پردہ تو کچھ بُری چیز نہیں ہے۔ اس کا تم ناحق رنج کرتی ہو۔ پردہ
 تو شرع کی بات ہے۔ اس کے جواب میں انھوں نے کہا (بہت دبی زبان سے) اگر ایسی بڑی
 شہر عالمی ہوتی تو امیر المومنین شہستان عشرت میں اپنی بہن کو اپنے وزیر کے سامنے کیوں
 بٹھاتے جس کو منکر سخت تعجب ہوا اور یہ کہ۔ نہیں جگو بادشاہ کی احتیاط سے اس کی سطح امید
 نہیں ہوتی ایسا کبھی نہ ہوگا۔ لوگوں نے یونہی جھوٹ اڑا دیا ہوگا اور اگر بالفرض انھوں نے ایسا کیا
 تو ان کو اپنے فعل کا اختیار ہے ہم تم ان کی برابری نہیں کر سکتے ہیں۔ بس اور تو جگو کچھ یاد نہیں۔
 کیوں احمدی بہن یہی باتیں تو ہوتی تھیں۔

احمدی: ”ہاں ہاں اور کیا۔ تو یہ بات ہی کیا تھی جس کے لئے اس طرح جگا جگا کر تفتیش کی جاتی ہے!
 معاذ اللہ کس فرسے کی نیند آئی تھی۔“

قاسم: ”یہ۔ انکو اپنی نیند ہی کی پڑی ہے اور یہاں جان عذاب میں پھنس گئی تسکو کچھ
 معلوم بھی ہے۔ بادشاہ سلامت کا خادم دریافت کرنے کے لئے آیا ہے وہ خود اپنے
 کانوں سے تمھاری یہ سب باتیں سن گئے ہیں۔“

احمدی: ”ای ہی اُسوقت وہ کہنا تھے۔ بڑا عصب ہوا خیر ہی خیریت گذری جو اپنے
 اُسوقت کوئی بُرا کلمہ استعمال نہیں کیا۔“
 قاسم: ”غوب یاد ہے اور تو کچھ نہیں کہنا تھا۔“

احمدی: ”نہیں! آبا جان اور میں کچھ نہیں کہنا تھا۔ آبا جانی سے نہ پوچھ لیجئے کیوں باجی
 بولتی نہیں ہو۔“

رضیہ: ”ہاں ہاں میں تو پہلے ہی کہہ چکا تھا۔“

قاسم: ”اچھا وہ یہ بھی پوچھتے ہیں کہ یہ باتیں تسکو سطح معلوم ہوئیں اور کس شخص سے؟“
 رضیہ: ”آبا جان یہ انھیں سے پوچھئے (احمدی کی طرف اشارہ کر کے) یہی کتنی تھیں میں
 کچھ نہیں جانتی ہوں۔“

احمدی: ”آب جگو نام تو کسی کا یاد نہیں مگر ان اس قدر یاد ہے کہ بہت عورتوں سے سنا تھا۔
 زبان تو (سسرال میں) جو عورت آتی تھی یہی کتنی تھی۔“

استقدر گفتگو کے بعد قاسم باہر آیا اور وہی سب واقعات کہیں کہیں مناسب الفاظ میں مسرور کے

سامنے بیان کیا۔ ویر تک مسٹر جرج کے سوالات کرتا رہا اور قاسم بہت نرم الفاظ میں ان کا جواب بھی دیتا رہا۔ مگر اس امر کا کسی طرح پتہ نہ چلا کہ شہستان عشرت کے محفوظ احاطے سے اس شخص نے کس طرح قدم باہر نکالا۔ اور کس خاص ذریعے سے احمدی کو اسکی خبر ملی۔ مسرور رہ رہ کر اس امر کا خوف دلاتا تھا کہ دیکھو اگر کچھ بھی غلط بیانی ہوئی تو پھر تم سب کے سب کچھ کچھ پھر دگے سچ سچ کہنا اور قاسم بار بار یہی کہتا تھا کہ خدا کے لیے جکڑ کر دربار میں نہ بلایے گا۔ لڑکھو کی آنے جانے میں بڑی بے عزتی ہوگی انھوں نے تو باہر آنے جانے والی عورتوں سے سنا ہی کسی نے تذکرہ کیا ہوگا۔ اب نام تو انکو کسی خاص کہنے والی کا یاد نہیں ورنہ ضرورتاً قہین انکا ہمین ہرج ہی کیا تھا۔ بالآخر بڑی منت اور ساجت کے بعد مسٹر براضی ہوا اور یہ لکڑی لکڑی لکڑی کے حضور میں یہی حالات بہت حق و خوبی کے ساتھ بیان کر دینا آئندہ انکو اختیار ہی مگر اب تم بھی اسوقت کے میرے آنے کا تذکرہ کسی کے سامنے نہ کرنا۔

قاسم اب مشایعت کے طور پر بائیں کرتا ہوا مسرور کے ساتھ چلا جاتا ہی اور احمدی دروازے سے گردن باہر نکالے جانا تک رہی ہے۔ رضیہ اسکی کیفیت دیکھتی رہی اور جھنجھلا کر کہتی جاتی تھی۔ ”اے ہی من تمھاری بھی یہ کیا بڑی عادت ہو۔ اب گھر میں آکر بیٹھتی کیوں نہیں ہو؟“ احمدی ”تو اسہین ہرج ہی کیا ہے۔ اسوقت یہاں بیٹھا کون ہے جو دیکھ لے گا اور اس تاہی میں کچھ معلوم ہوتا ہے۔“

رضیہ ”پھر جرج معلوم نہیں ہوتا ہے تو دیکھتی کیا ہو (باتھ پکڑ کر) آؤ بھی چل کر سو رہیں“ اور دونوں جاکر اپنے اپنے پلنگ پر لیٹ رہیں۔ احمدی گھبرا گھبرا کر بار بار پوچھتی ہے کہ کیوں باجی اب کیا ہوگا؟ مگر رضیہ بہت استقلال کے ساتھ اس کا اس طرح جواب دیتی ہے کہ ”ہن ہوگا کیا۔ کچھ بھی نہیں اسہین ہمارا قصور ہی کیا ہے اور نہ خدا کا قصور ہمارے قلیف غیر منصف اور ظالم ہیں۔ پھر خوف ہی کیا۔“

احمدی ”مگر باجی ایک بات ہو! یہ خبر پہلے پہل مجھے انھوں نے بیان کی تھی وہ جو ہمارے پاس کی بھانجی ہن سوسن“ وہ تو شاہزادی عیاسہ کی مسرکار میں نوکر ہیں۔“

رضیہ ”اب ہن خدا کے لیے چہچہ رہو تو یہ کوئی شے ایسا تو غضب ہی ہو جائیگا سب کی آنکھیں سب کی آنکھیں جاکر احمدی ”نہیں بن ایسی ہو قوت نہیں ہوں کیا میں جاتی نہیں اسوجہ سے تو نیلے انکا نام ہی نہیں لیا۔“ انہیں اسی قسم کی باتیں ہو رہی تھیں کہ قاسم بھی مسرور کو رخصت کر کے آگیا۔ رضیہ اپنے باپ اور اس کے ساتھ

اپنی ماں کو بھی اس طرف آتے دیکھ کر ادب بیٹھ گئی مگر احمدی کو اسکی پرواز تھی وہ اسی طرح پلانگ بیٹھی تھی
گو اونکی بے قاعدگی نے اُنکو سیدہ مطلق کر دیا مگر یہ بھی یہ سب اسی انتشار میں بیٹھے ہیں کہ دیکھیں ایک بات تو یہی

چھٹا باب

دیکھیں کیا ہو

لاینگی پیچ زلف پریشان نئے نئے

یہ سادگی دکھائیگی سامان نئے نئے

صبح ہوئے تو دیر پہلے ہی ہو مگر ماں آفتاب نے الیتہ اب ایک ادا کے ساتھ کچھ اسی طرح نقاب شہلاٹ کر
دیر پہلے مشرق سے منہ نکالا ہو جس طرح کوئی غیرت خورشید سوتے سوتے ابھی چوٹ پڑا ہوا دران بالوں کی
دونوں ہاتھوں سے ہٹا کر جلدی سے طرح تاباں کھول دیا ہو جرات کے ستون میں اسکو غافل پاکر موقع
محل سے لپچائی ہوئی نظروں کی طرح اسکے پیاسے چہرے پر گر کر کچھ اس طرح لوٹ گئے ہوں کہ کسی مشرق
کے بگڑے ہوئے مزاج یا کسی عاشق کی بیٹھ بپ آتی ہوئی طبیعت کی طرح سنبھالے سنبھلتی ہی
نہوں۔ وہ خاک نشین ڈرے ہو ابھی صبح تک ریگ دروان کی چادر سے منہ چھپائے بیچ ایک سکوت
میں پڑے تھے اب قدرتی روشنی کی جھلکیاں دیکھتے ہی پسو بدل بل کر آفتاب عاتاب کی جناب
میں کچھ رات کی باتیں، اشارے ہی اشارہ نہیں عوض کر رہے ہیں اور آفتاب کی کرنیں بیٹھی لگا لگا کر گزشتی
کے سینے اٹھو اوپر چڑھا رہی ہے سلطان قاور دنیا کے سب رنگ دھنگ دیکھ رہا ہے اور اسکی کہنیں
نکلتے اشراقین کی اشراقی قوت کی طرح سارے عالم میں دوڑ رہی ہیں۔ سنہری سنہری دھوپ
پھیل ہوئی ہے اور آفتاب مشائین کے عالم کی طرح درجہ بدرجہ ترقی کے درجے چکر رہا ہے۔ اسکا
رنگ اسوقت کچھ اسی شہلہ، وکی آنکھوں کی طرح سُرخ ہو جیسا کہ دہے دہے شہلہ ہوا
کے ساتھ نیند کا خمار اور غار کے ساتھ دیر کر آنکھ کھلنے کا غصہ بی طرح بھرا ہوا اور کہنیں کسی کی خشم آلود
لگا ہوں کی طرح ترچھی ہو ہو کر زمین پر گر رہی ہیں۔

یہ کہنیں گو اب مشرق سے مغرب تک پھینتی جاتی ہیں مگر ہماری نظر میں ان سب کا جھکاؤ بند
کی اُسی ایک خاص علامت دار المناظر کی طرف معلوم ہوتا ہے جہاں ہم اسوقت کھڑے
ہیں۔ یہ کیوں! کیا وجہ! آفتاب کی نسبت تو سارے عالم کے ساتھ برابر ہے
پھر؟ شاید اسکی وجہ اور سبب آفتاب کی کردیت اور اس کا دور ہونا ہو گا جسے اُس کے

اُس حصہ کو جو ہمارے مد مقابل ہے اس وقت اُس کا رخ والا حصہ بنا کر ہماری آنکھوں کے سامنے کر دیا ہے جس سے یہ دھوکا ہم کو گدڑتا ہے یا اس عمارت ہی میں کچھ ایسی خوبی ہے کہ جبکہ دیکھنے کے لیے وہ آفتاب کی کرنیں مشتاق نگاہوں کی طرح اس کی طرف ٹوٹی پڑتی ہیں۔ یہ عمارت شان عمارت ایوان خلافت کے قریب کچھ پیچھے کو ہٹی ہوئی داہنی جانب کو واقع ہے جس کی نفاست۔ صفائی۔ عمدگی اور پائدار سی اہل عرب کے حسن تعمیر اور صنایع کا اچھی طرح ثبوت دے رہی ہے۔ اور اسکے اُن پتھروں کی بڑی بڑی چٹانیں جو زمین کی کشش سے لڑ پھیر کر چھین لی گئی ہیں اور بہت بلند چھتوں اور اونچے اونچے میناروں پر پہنچا دی گئی ہیں گواہگوں مہربان فیاض نے گویائی کی قوت بھی نہیں دی ہے مگر تاہم طرار حق کے لیے وہ اُسی بلند سی سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ اُسے قدیم زمانہ کی صنایعوں کے انکار کرنے والے لوگوں کو یاد دلانے ہو۔ اور دیکھو! اگر عرب میں جو تھقل کا علم اور اسکے آلات پیشتر تھے تو ہم کدھر زمین سے اٹھا کر بیان پہنچا دیے گئے۔“

یہ خوشنما عمارت زمین کے ایک ہوا رتھے پر واقع ہے جس کے چاروں طرف کے وسیع میدانوں نے نظر کو آزادی کے ساتھ لطف تماشا اٹھانے کے لیے اپنا دامن پھیلا دیا ہے اور اُس کسب و کار کے دفع کرنے کے لیے جو نظر کو ایسے وسیع میدان کی سیر کرتے کرتے عموماً عارض ہو جانا چاہیے آنکھوں میں تروتازگی بخشنے والا وہ ہر اہل سبزہ اپنا اعلیٰ ہوا رنگ دکھا رہا ہے جس کے بال بال میں شبنم نے رات بھر مشاطہ بہت کر وہ خوش آب موتی پرودیے ہیں جو اس وقت آفتاب کی روشنی میں کچھ ایسے بھلے معلوم ہوتے ہیں کہ نور نظر سے شعا عین بھی انکے دیکھنے کے لیے اس طرح بیتا بانہ آنکھوں سے نکل پڑتی ہیں جس طرح آفتاب کی لپجائی ہوئی کرنیں ٹوٹی پڑتی ہیں۔

یہ سبزہ اپنے رنگ کی بہار دکھاتا ہوا خود روبرو کی طرح دور تک چلا گیا ہے۔ جس کے درمیان درمیان میں کہیں کہیں باغبانوں نے کانٹ چھانٹ کر ٹیپل سا دو گی مین اصلح اور ترنیم کر دی ہے مگر وہ بھی بہت کم کم۔ ایک قاعدہ کے ساتھ جس نے کچھ اور ہی لطف پیدا کر دیا ہے۔ نہرین دجلے سے نکل نکل کر بیان کی سیر دیکھنے کے لیے جا بجا آئی ہوئی ہیں اور اپنے پانی کی روانی دکھاتی سبزہ میں ہر دم اور ہر لحظہ نیا نیا تازہ اور نیا مادہ بخشتی ہوئی ادھر ادھر بہ رہی ہیں۔ تسیم حسہ کے آخری وقت کے چھونکے

گلے بل بل کر سہرے سے رخصت ہو رہے ہیں اور آفتابی کرنوں کی گر جویشیان دیکھ دیکھ کر کسی کی شرم آلود نگاہوں کی طرح سبزہ اپنی گردن بھکائے لیتا ہے روشن پرآدمی مثل سہ پہن اور گلگشت کرتے کرتے اُسی مکان کے اندر چلے جاتے ہیں جبکی قضا اور بہار کی ترقی دینے کے لیے یہ سب سامان کیے گئے ہیں۔

اس مکان کے نام ہی نے یقیناً ہر شخص کو اس امر سے واقف کر دیا ہو گا کہ یہ مکان کس لیے مخصوص ہے لیکن اگر کوئی ابھی نہیں سمجھا ہے تو ہم بتائے دیتے ہیں یہ وہی مکان ہے جس سے ہارون الرشید کے علمی مذاق کا ایک اچھا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جیسے تین دو مرتبہ وہ یہاں رونق افروز ہوتا ہو۔ اہل دانش اور کمال جمع ہوتے ہیں اور بہت آزادی کے ساتھ اسوقت اُن مضامین پر بحث ہوتی ہے جو پیچیدگی کے اعتبار سے حیران نہیں بھٹاتے بلکہ دل کے اُلجھے ہوئے معاملے سے کم نہیں ہوتے۔ اور بڑی بڑی موشگافوں کے ساتھ وہ باریک باریک نکات حل کیے جاتے ہیں جنکی نظیر اس عالم مثال میں اگر ہو سکتی ہو تو حسین بنی اُسی نازک کر سے جسکا شعر آج تک کہیں پتہ ہی نہیں ملتا۔ وسط کے بڑے کمرہ میں بہت پر تکلف فرش بچھا ہوا ہے اور اس پر وہ لوگ بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں جو علم اور عقل کے اعتبار سے آج اپنا نظیر دنیا میں نہیں رکھتے اور جنکو ہارون رشید کی قدروانی نے سارے زمانہ سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر بعد اذین آج جمع کر دیا ہے جعفر برکی۔ یعقوب کندی۔ جب سیریل بن یحییٰ شوع مسیحی۔ سالی اور منکہ ہندی وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب موجود ہیں اور یہ باتیں ہورہی ہیں۔

جعفر آج اب تک امیر المومنین کی سواری نہیں آئی۔ ہمیشہ تو آفتاب نگلے ہی تشریف لے آیا کرتے تھے۔ معلوم نہیں آج یہ کیا معاملہ ہے۔ آج تو بہت دن آگیا۔

یعقوب کندی نے ہاں معلوم نہیں کیا وجہ ہے۔ کہیں مناظرہ کا دن تو نہیں بھول گئے؟ جعفر بھائی نے ہاں بھولنا تو وہ پڑھے ہی نہیں اور پھر مناظرہ کو!۔ خدا کرے انکا مزاج اچھا ہو۔ اچھا دیکھیے میں خود جا کر ابھی خبر لانا ہوں۔ اور یہ کہہ کر گھوٹے پر سوار ہوا اور اپنا ان خلافت کی طرف چلا۔

ہارون رشید جو علمی بحث اور مناظرہ کا دل و جان سے عاشق تھا اور جس کے علم دوست ہونے نے زمانے کے مردہ علوم میں ایک نئی روح پھونک دی تھی گو اسوقت والا مناظرہ کے

جانے کے لیے تیار بیٹھا ہے مگر خدا جانتے اسوقت کس انتشار میں ہے کہ جانے کا وقت گزرنے ہوئے وقت کی طرح ہاتھ سے نکلا جاتا ہے اور یہ دارالمنافذہ کی طرف جانے کا نام ہی نہیں لیتا۔ مسرور حاضر ہے اور اس سے یہ باتیں ہو رہی ہیں۔

پارون رشیدؒ واہ مسرور! تم سے کچھ بھی نہو سکا گئے بھی اور کچھ خبر نہ لائے۔ تم اس مکان تک پہنچے بھی تھے کہ نہیں۔ ۴۰

مسرورؒ حضور عالی نہ ہو چکا گیا معنی۔ گواہی ہے پتہ اور بے نشان مکان کا ملت اسوقت بہت مشکل تھا کہ خدا ان عالی کے اقبال سے میری بہتری کر کے بہت اچھی طرح جھکے اس مکان تک پہنچا دیا جان کے جانے کے لیے حکم ہوا تھا۔ وہ فاسم کا مکان ہو اور جن عورتوں کی گفتگو حضورؐ نے سنی تھی وہ دونوں انگلی سٹپان ہیں۔ میں نے بہت دریافت کیا کہ شرب انھوں نے کس کی ترانی پی تھی گراؤ انھوں نے کسی خاص شخص کا نام نہیں لیا۔ اور حضور عالی کا حکم انھیں راز کا بھی تھا ورنہ میں دریافت کرنے میں انہیں زیادہ سختی بھی کرتا۔ یہ انھوں نے کہیں یونین اور تی ہوئی خبر سن لی ہوگی۔

پارون رشیدؒ نہیں سختی کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ میں انکی کیا خطا تھی۔

مسرورؒ نہیں حضور عالی کا اگر حکم ہو تو میں ابھی انھیں حضور میں لا کر حاضر کروں۔

پارون رشیدؒ کیا فائدہ (غور کر کے) اچھا دیکھا جائے گا۔

(اپنے دل سے) شاید نام تو اسوقت بھی انھوں نے کسی کا نہیں لیا تھا۔ یہی بات یقین کہ گھر گھر پر مشورہ ہے۔ پھر طرح وہ کسی خاص شخص کا نام بتائیں اور باغرض اگر حکم بھی ہو جاتا تاہم اسکا تذکرہ ہی کیا ہو سکتا تھا (غور میں آکر) پھر میں کیا کروں۔ یہ بدنامی تو ابھی نہیں۔

یہ آپہی آپ چپ بیٹھا ہوا اپنے دل سے یہی باتیں کر رہا تھا کہ خدا ان بارگاہ نے جعفر کے انشکی خیر اس کے قانون تک پہنچائی۔ اور یہی خیر اس خود رنگی کے عالم میں اُسکے ہوشیار کرنے کا ذریعہ بنکر ایوان خاص سے اسکو دیوان عام میں لیکھی۔ جعفر اواب تسلیات بجالا اور پارون رشید بہت محبت کے ساتھ اس طرح اُس سے ہم کلام ہوا۔ کیون جعفر خلاف معمول آج اسوقت طرح آئے۔ کوئی ضروری کام تھا۔

جعفرؒ نہیں حضور کچھ کام نہیں۔ حضور عالی آج اب تک دارالمنافذہ میں رونق افروز نہیں ہوئے تھے اسبوجہ سے بچکوا انتشار ہوا اور استفسار مزلج۔ کہ یہیے حاصل ہوا۔

جنا بھالی کا مزاج مبارک تو اچھا ہے ۹

ہارون الرشیدؒ بان احمدؒ میں اچھا ہوں۔ کچھ ایسے ہی وجود مانج ہو گئے جو آپ تک نہیں گیا۔ بیشک آج بہت عرصہ ہو گیا مگر چلے آئے ہیں چلتا ہوں یہ کہہ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور اسی کے ساتھ جعفر بھی۔

شاہانہ جلوس کے ساتھ سواری آئے دارالمنافہؒ کی طرف جا رہی ہے اور ہارون رشیدؒ اپنے انھیں خیالات میں ڈوبا ہوا ہے کہ اس بے پروائی کی بدنامی سے میں کس طرح بچوں دارالمنافہؒ کچھ دور تھا۔ ان خیالات نے اس کے دل و دماغ میں دو ایک چکر بھی ابھی نہیں لگائے تھے کہ سواری دارالمنافہؒ کے صدر دروازہ پر پہنچ گئی اور حاضرین نے بہت تعظیم اور تکریم کے ساتھ بادشاہ کو لیا۔ سب نہایت بے تکلفی اور آزادی کے ساتھ موقع سے بیٹھ گئے اور مناظرہ کی صحبت شروع ہو گئی۔

پہلے قہر کا کچھ دور چلا فو اکاٹ کھانے گئے اور پھر بات بات پر موقع محل سے جربہ شعار اور مصرعے پڑھے گئے جس کے ساتھ ان شعرا کا بھی ذکر آگیا جکی طبع رسا کے سانچے میں دھل ڈھل کر وہ جلیبے مضامین دیاں کو بچھین کرتے ہوئے نکلے تھے۔ اسی تذکرہ کے ذیل میں زمانہ جاہلیت کے شعراء کا بھی کچھ ذکر آگیا اور رفت رفتہ تا بلغہ فیما بین کا ذکر چھڑا گیا۔

تا بعد فیما بین کوئی ایسا شاعر نہ تھا کہ جسکی مضمون آفرینی اور نازک خیالی کا زمانہ قابلِ نمونہ نہ ہو بہت کچھ کے ساتھ دیر تک اسکا تذکرہ ہوتا، با اور بہت شوق کے ساتھ اس کے قصائد اور اشعار پڑھے اور سنے گئے جن کو کلام ہر باد آتا تھا وہ پڑھتا جاتا تھا اور سننے و سنے عیش کرتے جاتے کہ اتفاق سے کہتے ہلکا پڑھتا

سَقَطَ التَّوْبِيْعُ وَ لَمْ تَرُدَّ اُصْعَقَ اَكْلَهُ | فَمَنْ دَلَّتْهُ وَ اَلْفَتْهَا بِاللَّيْلِ

اور جعفر نے اختیار یہ کر کے لگا دیا یا کیا خوب کہا ہے۔ یہ اس وقت کا واقعہ اس نے یاد رکھا ہے جب نمان بن منذر اور اسکی بی بی متحجرہ وہ دونوں غلط میں بیٹھے ہوئے تھے اور یہ اتفاق سے وہاں ۹ یہ جاہلیت کے زمانہ کا ایک شہیر شاعر ہے جو بازار عکاٹ کے مشاعروں میں اکثر شریک ہوا یہی یہ تعان بن منذر کا بڑا مقرب اور درباری تھا ۱۲۔

۱۱ یعنی دوپہر سرگے پڑا کا لاکھ قہر اسنے گرا نا نہیں چاہا تھا پس اسنے پکڑ لیا اور ہاتھوں سے منہ چھپا لیا ۱۲

پہنچ گیا۔ اسوقت شرم کے مارے تجردہ کا ایک دلغریب ادا کے ساتھ اٹھ کھڑا ہونا جلدی جلدی دوپٹے کا سنبھالنا اور گھبرائیں دینے دوپٹے کا اسکے سر سے گر پڑنا اور شرم سے اسوقت اسکا دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لینا۔ یہ ایک ایسی دلغریب ادا کا جو ہو فوٹو اٹھانا ہے کہ سبحان اللہ! نقشہ کھینچ دیا ہے اور سب سامعین تابندگی ناز کیالی کی داد دینے لگے اور جعفر کے حسن بیان کی تعریف اور توصیف ہونے لگی۔

یہ عام دستوری بات ہو کہ جب طبیعت کا پریشان کرنے والا کسی قسم کا خیال کسی کے دل پر مضبوطی کے ساتھ قبضہ کیے ہوتا ہے تو اسکو بجز اس قسم کی باتوں کے اور کوئی بات اچھی نہیں معلوم ہوتی اور کسی نہ کسی طرح سے وہ اُسی فکر کو چھیڑ دیتا ہے جہاں اس کو اسوقت زیادہ فکر ہوتی ہے۔ چونکہ ہارون رشید کو اسوقت حد سے زیادہ خیال اپنی اُسی بدنامی کا تھا جو عباس کی ایک قسم کی بے پردگی سے اسکی طرف عائد ہوتی تھی اسوجہ سے اسوقت اسکو اس امر کا ایک اچھا موقع ملا کہ وہ اس کی نسبت لوگوں کا عندیہ لے اور اپنے خیالات کو بھی درپردہ کسی طرح ظاہر کرے۔

اسی آنے والے خیال نے قہین دلا دلا کر کسی بد مزاج منشوق کے سکوت کی طرح اس کے ہر سکوت کو توڑا اور وہ اس طرح جعفر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: ”ہاں امین شک نہیں تابندہ نہ بہت اچھا سمین دکھایا ہو مگر ماشاء اللہ آپ کی نظر بھی کس قدر وسیع ہے۔ بے شک شعر کا لطف اسوقت تک بخوبی کسی کو نہیں آسکتا ہے جب تک کہ اس کو اس واقعے سے اچھی طرح واقفیت نہ ہو جس کے اعتبار سے شاعر نے اس شعر کو نظم کیا ہے۔ لیکن یہ بات کچھ اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ عورتیں اسقدر مردوں سے پردہ کیوں کرتی ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟“

جعفر جناب عالی اسکی وجہ کیا!۔ وہی جیسا وہی مشہور حکو بڑی فیاضی کے ساتھ مہربانانہ نے ان کے حق میں عطا کر دیا ہے۔“

ہارون رشید: ”تو یہ فیاضی ایک عورتوں ہی کی ذات پر کیوں منحصر رکھی گئی مردوں کے لیے بھی امین سے کچھ حصہ ٹھہر جاتا تو وہ بھی عورتوں سے پردہ کرتے؟“

جعفر: ”حضور مردوں کے واسطے جعفر جیسا مناسب تھی اسقدر ان کو بھی مل گئی۔ لیکن عورتوں کے حصے میں چونکہ شہوانی قوت بہت زیادتی کے ساتھ آگئی تھی اسوجہ سے

نیچر نے بہت عاقبت اندیشی کے ساتھ حیا اور شرم کا چرخی انہیں بہت زیادتی کے ساتھ پیدا کر دیا کہ وہی انکے نفس کی نازیبا اور حد سے تجاوز کر جانے والی خواہشوں کو بہت خوبصورتی کے ساتھ ایک اعتدالی حد کے احاطہ سے باہر قدم نہ کرنے دے۔

ہارون رشیدؒ ان کی خطا! وہ بچپان میں اس طرح کیوں مجبور کی گئیں۔ اور شوہرانی قوت کے زورون نے یہی طرح بیتاب کیا اور ان کو حیا اور شرم کی سخت سخت زنجیروں سے جکڑ دیا۔ وہ اس طرح کیوں نہ ایک اعتدالی احاطہ میں رکھی گئیں جس طرح مرد؟

جھٹھڑ (تھوڑے سکوت کے بعد) اصل یہ ہے کہ بہت سی روزمرہ کی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ گو ہر وقت پیش نظر رہتی ہیں مگر ان پر غور کرنے کی کبھی نوبت نہیں آتی لیکن عجیب نہیں کہ اسکی یہ وہم ہو کہ اگر اس شد و مد کے ساتھ انہیں یہ قوت نہ پیدا کی جاتی تو ان کو وہ سخت سے سخت ہونے والی تکلیفیں اس فصل کے قریب کبھی نہ آنے دیتیں جو ان کو وضع محل یا اس سے قبل یا اس کے بعد یکے بعد دیگرے بڑی زیادتی کے ساتھ ہوتی ہیں اور پھر انکے اقبال کی وجہ سے نظام عالم اور بقائے نوع انسانی میں ایک بہت بڑا خلل اور نقصان پیدا ہو جاتا جس کے تدارک کیڑا سٹے حکیم مطلق کو اپنا بہت بڑا انتظام پلٹنا پڑتا اور حیا و شرم کی نسبت تو میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ وہی ایک ایسی قدرتی چیز ہے کہ جوان کے چال و چلن کے عمدہ ہونے کی ایک لائق ادیب ہو ورنہ انکے دلوں کی آہنگ اور جوانی کے ترنگ کو کون روکتا ہے۔ استغفر اللہ

ہارون رشیدؒ بجا آپ نے کہا اور میں نے مان لیا۔ جب دیل سے اپنا دعویٰ ثابت نہ ہو سکا تو اللہ سبحانہ کے وسیع قدرت کے دامن میں جا کر چھپ رہے اور حیا کو ایک قدرتی چیز قرار دے کر اور پردے کا سارا بار اس کے سر ڈال کر آپ بالکل سبکدوش ہو گئے۔ نہ اس تہنیتی جمع خرچ کا قائل نہیں۔ آپ غور فرمائیں جیسا ہے کیا چیز؟ وہ قلب کی ایک ایسی کیفیت کا نام ہے کہ جب انسان سے کوئی حرکت خلاف عقل۔ خلاف شرع۔ خلاف آئین اور خلاف رسم درواج سرزد ہوتی ہے یا اس کے ارتکاب کا قصد ہوتا ہے تو اس کا دل گونجھکا کر اس کے کان میں یہ کہہ دیتا ہے کہ ”آئین! یہ کیا؟ جو سننے لگا کب کے گا۔ اے!“

یہ ممکن ہے کہ جنس ذکور اور اُنات سے قطع نظر کر کے مین ہر ذی عقل آدمی کے لیے اسکو ایک درجہ تک قدرتی شے مان لیں لیکن نہ اسقدر کہ فقط عورتوں ہی کے قی میں وہ ایک ایسی پُر زور قدرتی اور قومی حیثیت تسلیم کر لیا جائے کہ اسکے مجبور کر دینے والے زبردست ہاتھوں سے عورتیں پردہ کرتے پر بھی مجبور ہو جائیں! اور شاید یہ مسئلہ اس وقت تک قابل تسلیم بھی نہیں ہو سکتا جب تک آپ اس کا ایسا پر زور اثر ہر مذہب ہر ملت ہر ملک کے باشندے اور ہر زمانے کے لوگوں میں اچھی طرح نہ دکھاویں۔“

جعفرؒ نے ہاں بیشک اس امر کو مین اچھی طرح ثابت کر سکتا ہوں لیکن پہلے یہ ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ قدرتی تاثیرات کا اثر ہر شے پر ان کی قابلیت اور استعداد کے موافق ہوتا ہے۔ آسمان سے برسنے والا وہ پانی جو ہر شے کی جان اور زندگی ہے جو آبِ حیات ہے کہ قدرتی طور پر زمین سے پیدا کر کے اسکی سرسبزی اور شادابی کا باعث ہوتا ہے لیکن شورا و رنگریلی زمین میں اس کا کچھ زور نہیں چلتا اسی طرح سے قدرتی حیا کا اثر کہیں کم اور کہیں زائد ہوتا ہے۔ دیکھیے حیوانات میں اس کا وجود مطلق نہیں پایا جاتا اور اسی طرح ان وحشی انسانوں میں بھی خیر اچھی عقل اور تہذیب کا سایہ تک نہیں پڑا ہے۔ ابتدائے آفرینش میں ہر شخص کی یہی حالت تھی لیکن قدرت نے آدمیت سکھانے کے لیے پہلے ہی سے خشک ہشتی پہنا دیے تھے جو دھوکے ہی دھوکے مین چھن بھی گئے۔ تاہم اس نے استعدادِ تعلیم ضرور دے دی کہ آدمی اپنی اپنی شرم گاہ کا ستر درخت کے پتوں اور چھالوں سے کرنے لگے لیکن جب ذرا اور آنکھ کان کھلے اور کپڑا بنتا معلوم ہوا تو پہلے بہت کفایت شعاری کے ساتھ فقط تنگبٹی وغیرہ پر اکتفا کیا گیا لیکن جب نظر نے کسی قدر اوروسعیت پیدا کی تو نہ راسخ حوصلگی سے مگر بہت سادگی کے ساتھ بغیر سینے اور دھونے کے ان سے ستر پوشی ہونے لگی جسکی یہی سبب بعض بعض نشانیں ان تہمت۔ تنگی۔ سادگی وغیرہ آدمیوں کے سمجھنے اور سمجھانے کے لیے اب تک موجود ہیں اور استعمال بھی کی جاتی ہیں۔

اس حد پر پہنچ کر تمدن نے مرد اور عورت کے لباس میں علیحدہ علیحدہ ایک

خاص خصوصیت پیدا کر کے ایک کو دوسرے سے اچھی طرح ممتاز کر دیا۔ اور ہر جس طرح تندہی کی روشنی پھیلتی گئی اور موسمی انقلابات اور طرز معاشرت کی ضرورتیں انکو مجبور کرنی لگیں۔ اس طرح لباس میں بھی نئی نئی کاٹ چھانٹ پیدا ہوتی گئی۔ لیکن اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ ہر زمانے ہر ملت ہر طبقے اور ہر ملک کے لوگوں میں عورتوں کے لباس میں تدریجی کا خیال اور لحاظ اس سے زیادہ رکھا گیا جس قدر کہ مردوں کے لباس میں۔ ساریاں۔ لیننگے۔ بازار۔ اور پانچائے۔ یہ وہ کپڑے تھے جنہوں نے تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ نفعت زیرین جیسے کی تدریجی کمر سے قدم تک بخوبی کر دی۔ کمر سے گردن تک چھپانے کے لئے عرب میں درع۔ اتب۔ قرقل۔ صدر۔ مجول۔ خضعل۔ اور شوزور۔ اس طرح عورتیں استعمال کرتی ہیں جس طرح اور ملکوں میں۔ محبم۔ قنوجی۔ اور کرتیاں پہنی جاتی ہیں۔ سر کے چھپانے کیلئے جھنجھٹ اور غفارہ استعمال کیا جاتا تھا اور اس پر سے مختلف قسم کے دوپٹے اوڑھے جاتے تھے جو بائبل میں وضع صدر۔ خمار۔ مچھر۔ منقعر۔ فصیف اور رداء کے مختلف ناموں سے نامزد تھے۔ چہرہ کی حفاظت اور چھپانے کے لئے مختلف قسم کے نقاب اور برقع ہوتے تھے جن میں سب بڑی نقاب کا نام جتہ تھا جو سب سے کو بھی چھپا لیتی تھی۔ یہ سب ان لباسوں کے مختصر نام ہیں جو پڑانے زمانے میں بھی استعمال کیے جاتے تھے اور اس کے قوی ثبوت کے لیے زمانہ جاہلیت کے وہ اشعار موجود ہیں جن میں یہ سب نام آئے ہیں۔ میرے خیال میں یہاں حاضرین جلسہ میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو میرے اس خیال سے غلاف و رز میں اس وقت بھی بہت سے زمانہ جاہلیت کے اس قسم کے اشعار پڑھ سکتا ہوں جن میں ان سب کچھ کے نام آئے ہیں جن کا میں ابھی نام لیا اور جس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ قدیم زمانہ میں بھی عورتوں کا لباس اسی قسم کا رہا کہ وہ بہت پردہ داری کے ساتھ ان کے پنڈے کو دیکھنے والوں کی نظر سے چھپائے رہے۔

۴ عرب کی عورتیں سب سے پہلے سر پر ایک رد مال باندھتی تھیں جو سر کے آگے اور پیچھے والے حصے کو بالکل چھپا لیتا تھا اسکو جتہ کہتے تھے اس پر ایک اور رد مال باندھتی تھیں جس پر غرض ہوتی تھی کہ بالوں کا تیل اسی میں خوب ہو کر چھائے اور دوپٹہ نہ خراب ہووے اسی کو غفارہ کہتے ہیں اور اسی کے اوپر مختلف طرح کے دوپٹے اوڑھے جاتے تھے ۱۲

۵ جو نقاب مرث اٹھ کے پردہ پوشی کرتی تھی اسکا نام وھواص تھا۔ اس سے نچی نقاب یعنی عھام نصام سے نچی شام جسکی حد بتوٹن تک ہوتی تھی اور اس سے بڑی کا نام جتہ تھا۔ ۱۲

یعقوب گندمی: سبحان اللہ کیا طرز تقریر ہے۔ کس عمدگی سے اپنے دعویٰ کو ثابت کیا۔
 واہ بیشک اس امر سے کیسے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر زمانہ عورتوں کے لباس میں پرو کی جہت کو ایک
 نئی ترقی دیتا گیا اور ان کے ناموں کا پتہ پڑانے کے اشلار میں بہت کثرت کے ساتھ موجود ہے
 جنہیں سے نصیف کا تذکرہ تو تاجہ کے اسی شعر میں ہے جس پر بحث پھر ہے۔

ہارون رشید: ہاں اس میں شک نہیں کہ جعفر کے مورخانہ بیان نے پردے کی تاریخ
 کے چہرہ سے پڑا ہوا پردہ اٹھا کر اکثر میسرے ان سوالات کو پہلے ہی سے منقطع کر دیا
 جو شاید اگے چلکر میں کرتا اور اس امر کو بھی اچھی طرح دکھا دیا کہ تدریم زمانہ میں بھی
 عورتوں کا لباس پردہ کا پہلو لیے ہوئے تھا۔ لیکن میری تقریر کا محصل اس سے کسی قدر
 اور بڑھا ہوا تھا۔ میں اس امر میں گفتگو کر رہا تھا کہ عورتیں مردوں کی طرح کیوں نہیں
 آزادی کے ساتھ رہتی ہیں اور وہ مردوں کی سوسائٹی اور صحبتوں میں مردوں کی طرح
 کیوں نہیں شریک کی جاسکتیں؟۔ اس سے میری یہ عرض نہیں ہے کہ ایسا ہونا چاہیے
 چاہیے۔ نہیں۔ بلکہ ایک محققانہ نظر کے ساتھ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ستر پوشی
 کی طرح نہ جانے اس کا سبق بھی دیا ہے کہ نہیں اور اس کا عمل درآمد کے آباد حصوں
 میں کہاں تک ہوتا ہے۔

سٹالی ہندی: جناب عالی اس کا ثابت ہونا تو بہت مشکل بات ہے۔ بیٹے اپنے وطن سے
 نکل کر جن جن آباد حصوں کی عورتوں کو دیکھا ان میں اس قسم کا پردہ تو کسیں میں دیکھا!
 خود ہمارے ہی وطن ہندوستان میں عورتیں برابر نکلتی ہیں اور پوچھا پاٹ کے بیٹے
 ہر روز مندریں اور استھانوں میں جاتی آتی رہتی ہیں مگر ہاں اب جب سے اسلامی
 فوجیں اس طرف جانے لگی ہیں اور لشکر کی لوگوں نے جائز اور ناجائز طریقے سے اُن کے
 پردہ عصمت میں غلط ڈالت چاہا تو البتہ کچھ اُن کے خوف سے اور کچھ اُن کی
 دیکھا دیکھی وہاں بھی پردے کی رسم ہو گئی ہے اور عورتوں کا اس بے پروائی اور آزادی
 کے ساتھ نکلتا مصلحتاً کچھ موقوف ہو چلا ہے ورنہ اس سے پہلے عورتوں کو تہ قح
 جائز اور استھان وغیرہ کے لیے دور دراز مسافت اختیار کرنے پڑتے تھے اور کسی
 طرح کا عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

ہارون رشید کے دربار کے ایک ہندی الاصل طبیب کا نام ہے جو بیکہ خیرہ کی کتابوں کے ترجمہ کرنے پر مامور تھا۔

جعفرؑ بان یہ سچ ہے۔ بیشک اس قسم کی آزادی عموماً عورتوں کو پہلے حاصل تھی اور وہ اسی طرح بلا خوف و اندیشہ مردوں کی صحبتوں میں شریک ہوتی تھیں جیسا کہ مرد لیکن جس طرح سے تہذیب پھیلتی گئی اُسی طرح تجربہ بہت قومی شہادتوں کے ساتھ بے پردگی کے نقصانات دکھاتا گیا اور پردے کے خیالات کو قوت ہوتی گئی۔ لیکن کلام اس میں ہے کہ بچائے خود انکا یہ فعل کیسا تھا؟

سامی ہندیؑ بان آپ بہت سچ فرماتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ عورتوں کا مردوں سے بہت خلا ملا اور ان کی سوسائٹیوں میں شریک ہونا منہ وراہیک قسم کی خرابی پیدا کر دینے والی چیز ہے۔ لیکن اس کا خراب اثر جناب من بجز آوارہ مزاج عورتوں کے اور کسی پر نہیں ہو سکتا۔ استریوں کو خود ذاتی عصمت انکی حیا۔ انکے مذہبی خیالات۔ اور پریشیر کا ڈر اس سے زیادہ انکی حفاظت کرتا ہے جیسا کہ یہ ظاہری پردہ انکی انکی ناچار حرکتوں سے بچا سکتا ہے۔

ہارون رشیدؑ بان یہ تو سچ کہتے ہیں نفسانی خواہشوں کا تعلق دل سے ہے اور نفس کی اصلاح اور تکمیل کے لئے یہ ظاہری پردہ اس طرح ہرگز نہیں ہو سکتا جیسا کہ یہ ظاہری باتیں۔

جعفرؑ بیشک محکمو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ باتیں اُنکے دل و چلن درست کرنے کے لئے موثر نہیں ہیں۔ لیکن ایک ساتھ یہ بھی خوب یقین کر لیت چاہیے کہ عورت و مرد کی مثال بیحد آگ اور پھوس کی ہے۔ ممکن ہی نہیں کہ جب یہ دونوں ایک جگہ جمع ہوں اور وہ دہی ہوئی آگ بھڑک نہ اٹھے جو نہ چرنے پر شخص کے دل میں پیدا کر دی ہے جن کے فرو کرنے کے لئے میرے ذہن ناقص ہیں پردے سے عمدہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔

منکلمہؑ جناب عالی گستاخی معاف یہ جو بڑی عصمت مآب بکر پرے میں بیٹھی ہیں کیا ان میں سے کسی کے مزاج میں بھی آوارگی نہیں آجاتی؟

جعفرؑ نہیں یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ سب پرے میں بیٹھ کر فرشتہ ہی بنجاتی ہیں اور ان میں سے کسی کا سرکش نفس بھی اپنی دہی زبان سے ان کے کان میں کچھ

۴ یہ بھی ہندی طبیب تھا جو سامی کی طرح ترجمہ کرنے پر ہارون رشید کی سہ کار میں فخر کرتا ۱۲

نہیں کہتا۔ لیکن ہاں اسی کے ساتھ میں آپ کو اس امر کا بھی یقین دلاتا ہوں کہ اگر وہی کوچہ بازار میں بھی آزادی کے ساتھ پھرتا تو وہ اس سے بدتر جہاز یا دواہی کی اختیار کر لیں گی جس قدر کہ پروے میں بیٹھ کر بے دست و پائی کی وجہ سے ان کو ناجائز امور کے ارتکاب کا موقع مل سکتا ہے۔

حضرت بن خیشوعؓ جناب عالی بے ادبی محاف۔ یہ فقط دل کے سمجھانے والی باتیں ہیں ورنہ جو عصمت آپ اور پارساجو تین ہیں اور جن کو ہولی درجن اپنے مبارک سایہ میں لیے ہوئے ہے وہ کس ہی حالت میں ہوں۔ کہیں رہیں اس کے دامن عصمت اور پارسانی میں کبھی دھبہ نہیں آسکتا۔ اور جس کی مرثیت ہی خراب ہے ان کی کوارگی اور جہاں کا کیا! لاکھ حفاظت اور احتیاط کے ساتھ پروے کے اندر بٹھائی جائیں مگر مستغیر اللہ وہ اپنے ہتکندہوں سے کہیں باز آسکتی ہیں۔ تو یہ! جان تک میرا خیال جاتا ہی میں کہہ سکتا ہوں کہ اس قسم کا پردہ اسلامی وہ رہنے اگر فقط ایک قسم کا باہمی مسروق اور تباہی ساز کرنے کے لیے اختیار کر لیا۔ ورنہ میں جانتا ہوں کہ اسلام سے پہلے کہیں دنیا کے پردے پر اس قسم کے پردے کا رواج نہ تھا اور کوئی کہہ سکتا ہے کہ سب عورتیں اس سے پہلے آوارہ طبیعت ہی ہوتی تھیں۔

انگلستان میں اب تک عورت اور مرد بہت آزادی کے ساتھ باہم عام جلسوں میں شریک ہوتے ہیں اور کسی قسم کا پردہ ان میں ہوتا لیکن اس کا وہ خراب نتیجہ ابھی تک تو کہیں دیکھنے میں نہیں آیا جو احتمالی طور پر ہو سکتا ہے اور آپ اس کو بہت زور دیکر یقین کے مرتبے پر پہنچانا چاہتے ہیں۔

جغہ جناب آپ انگلستان کی کیا مثال دیتے ہیں! وہاں تہذیب کا قدم آئے ہوئے ابھی دن ہی کھٹے ہوئے ہیں۔ چار روز پہلے وہاں کی تاریخ کے صفحے اس طرح بالکل سادے تھے جس طرح کہ ہر قوم کے ابتدائے زمانہ کے درق سادے ہونے چاہیے۔ بدن رنگ جاتا تھا اور درخون کی چھال سے بدن چھپایا جاتا تھا۔ چھلیاں بھون بھون کھاتی جاتی تھیں اور ان ہی پر ان کی غذا موقوف تھی۔ وہاں یہ کیا؟ جو کچھ نہ تو ٹھوڑا ہے۔! جیسی بے پروگی وہاں ہے حد نہ کرے ایسی اور کہیں ہو۔ میں کسی طرح

۱۲ یہ ایک عیسائی طبیب تھا جن کو بارون رشید کی قدر دانی اور بے قصبی نے ایک اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا تھا۔

خیال نہیں کر سکتا کہ ایسی آزادی جان ہو وہاں کی عورتوں کے چال چلن میں اتنیک فرق آگیا
 ہو اور بعض محال اگر اس بے پردگی نے ابھی اپنا خراب اثر وہاں کی عورتوں میں نہیں پیدا
 کیا ہو تو بشرط زندگی دیکھ لیجئے گا کہ تھوڑے ہی دنوں میں وہاں بہت خرابیاں پیدا ہو گئیں
 ہم سنیں گے اور آپ خود ہی اپنی زبان سے کہیں گے کہ انگلستان جہد فحش ہوتا ہو
 ویسا دنیا کے پردے پر کہیں اور نہ ہو گا۔ ہمارا اس طرح کی بے حجابی اور شراب
 کی کثرت ہو وہاں کا احتسابی حافظ ہے، بیشک جس طرح پردے کی نسبت اس وقت
 یہاں بحث ہے اس طرح کا پردہ پہلے زمانے میں نہیں تھا۔ خود عرب کی جاہلیت کے
 زمانے کی تاریخ بہت صراحت کے ساتھ اس امر کو بتا رہی ہو کہ پہلے عورتیں بہت آزادی
 اور بے تکلفی کے ساتھ عام عیسویں سڑائیوں۔ بازاروں۔ سینے۔ ونگل اور مشاوروں میں
 شریک ہوتی تھیں لیکن جس طرح میں اس سے انکار نہیں کر سکتا اسی طرح آپ بھی
 اس امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ جس قسم کی بے پردگی اور آزادی پہلے کسی زمانہ میں تھی
 ویسی اُس کے بعد والے زمانہ میں نہ تھی اور اُس کے بعد اس سے کم۔ پھر اس سنگم۔ اور پھر
 اس سے اور بھی کم ہوتی گئی۔ غرض کہ ہر ایک آئیو الہ بعد کا زمانہ اپنے پہلے والے زمانہ سے
 زیادہ عورتوں کے پرے کا بندوبست کرنا گیا۔ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ بے پردگی
 کے زمانے میں سب عورتوں کے عادات اور اطوار خراب ہی تھے لیکن یہ پوچھتا
 ہوں کہ کیا یہ خاص قسم کی تبدیلی بلا وجہ اور بے سبب ہوتی آئی؟۔ نہیں یہ کہہ نہیں
 بلکہ جس طرح سے بے پردگی کے خراب نتائج دیکھے گئے اسی طرح ہر زمانے کے
 رفقاء مراسیم، عسلاخ اور ترمیم کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک حد پر پہنچ کر
 عورتوں اور مردوں کے طرز معاشرت میں ایک بدیہی طرز کا فرتق پیدا
 ہو گیا۔ میں آپ کے اس فرمانے کو تسلیم کرتا ہوں کہ پردے کے خیال کو ترقی سلام
 ہی کے مبارک زمانے سے ہوئی لیکن یہ نہیں کہ اسکی بسم اللہ اسی کے زمانہ سے ہوئی
 جناب! پردہ کہاں تک نہ تھا؟ تھوڑا بہت سب جگہ تھا۔ ہاں البتہ انگلستان کی طرح
 بے پردگی کہیں نہ تھی کسی ملک میں عورتیں مردوں کی طرح باہر نہیں پھرتی تھیں۔ وہ
 اس وقت تک گھر سے باہر قدم نہیں نکالتی تھیں جب تک کوئی شہرہ ضرورت
 ان کو باہر آنے جانے پر مجبور نہ کر دے۔ نہ یہی عبادت گاہوں میں جانا عزیت

اور افلاس میں رزق بہم کرنے کے لیے باہر نکلنا۔ خرید و فروخت کے لیے بازاروں میں آنا جانا یہی چند ایسی باتیں تھیں کہ چنگے سبب سے اُن کو مجبور ہو کر گھر سے باہر نکلنا پڑتا تھا وہ بھی بہت پرے اور اعیانہ کے ساتھ۔ اس طرح سے تین جس طرح انگلستان کی غارتگر دین و ایسان لیڈر۔ اپنے حسنِ جمال کے کرشمے دکھاتی ہوئی کوچہ و بازار میں ہوا دکھاتی ہوئی۔ سیر کرتی پھرتی ہیں۔ یونان والے جو علم و دانش کی وجہ سے سارے عالم میں مدوح اور ممتاز تھے۔ انھوں نے بھی پرے کی جانب قدیم زمانہ سے اپنی کسب قدر توجہ رکھی ہے۔ ملک ختا جو قدامت کے اعتبار سے بہت پرانا شہر کسا جاسکتا ہی وہاں کے لوگوں کے خیالات بھی اس جانب جہت قدیم سے رہے وہ کچھ میرے بیان کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ وہاں کی تاریخ اٹھا کر ملاحظہ فرمائیے۔ وہاں کے دانشمندان نے پہلے ہی زمانہ سے اسی پرے کے ایسے ایسے سند و دست اور انتظام کیے تھے کہ ساری دنیا میں کسین نہ ہوں گے۔ وہاں کے رسم و عادت اور عورتوں کے طرز معاشرت سے یہ امر بخوبی مستشرق ہو رہا ہے کہ پرے کا لحاظ ان لوگوں میں اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اور ان کے جلسہ اُن کی بلند بلند دیواریں اپنی زبانِ حال سے کہہ رہی ہیں کہ ہمارے احاطے کے اندر جو عورتیں رہتی ہیں انکو کوئی نہیں دیکھ سکتا اور نہ کسی

۴۰ عجیب کارکن صاحب اپنی تاریخِ مالک چین میں لکھتے ہیں کہ ملک ختا میں چین اور کارخانہ کے مکانات وغیرہ کی پشت پر شاہراہ کے پیچھے محاصرہ کی ہوتی ہے تاکہ راجہ یوں کے جائے اور لہر گریں سے آنکھیں لڑنے کی نوبت نہ پہنچے۔ مردانے اور زمانے مکانات کے ہر چار طرف ایک اونچی دیوار کھینچی رہتی ہے اور تین ڈیڑھ اسیان امیروں کے مکانات میں ہوتی ہیں۔ صدر دروازے پر اکثر سنگ مرمر کے دو شیر بنے ہوتے ہیں اور عسکر کی آرایش کا حال معلوم نہیں ہو اس لیے کہ صاحب نے نہ لکھا نہ لکھی بی بی کے کسی کو بھی وہاں داخل نہیں ہوتا۔ اسی تاریخ میں وہ ایک جگہ پر لکھتے ہیں کہ ایک دو دلہن لڑی اور لنگر پر مسافروں نے جو روایت کی ہو کہ انھوں نے پچھن میں تانی عورت کو برسرِ بازار ہتھ پٹے دیکھا ہو یہ اُن کی غلط فہمی تھی کہ انھوں نے تانا اور خاکی عورتوں میں تیسرے نہیں کیا کیونکہ خاص خانی مستورات گھر سے باہر نہیں نکلتی ہیں ۱۲۔

مرد کو دیکھ سکتی ہیں۔

چینی عورتوں کی نزاکت اور حسن کے باب میں آپ نے سنا ہوگا ان کے پاؤں کا چھوٹا ہونا ان کے حسن اور شرافت میں ایک بہت بڑا لازمی جز سمجھا جاتا ہے۔ لیکن شاید آپ کو اس امر پر غور کرنے کا موقع نہ ملا ہوگا کہ اس کی اصلی وجہ کیا ہے؟ عجب نہیں جو اسی پردے ہی میں وہاں کے حکمانے یہ حکمت رکھی ہو کہ عورتوں کا ہاتھ پاؤں نکالتا اچھی بات نہیں اگر بے بال و پر ہی رہیں تو مناسب ہے۔ ان کے زمانے مکانون کا حال کسی شخص کو معلوم نہیں ہو سکتا نہ غیر محرم شخص ان کے گھٹن کے اندر دم رکھنے پاتا ہے اور نہ ان کی عورتیں کسی کے گھر جانے پاتی ہیں۔ یہ سب باتیں منکر کون شخص کہہ سکتا ہے کہ پردے کا رواج اسلام سے پہلے کہیں مطلق نہ تھا۔ نہیں تھا۔ گو وہ کم ہی سہی۔ اور آئے دن کی پیدا ہونے والی حیرت انگیز اور طرح طرح کے فتنے اور فساد پردے کی ضرورتوں کو دکھا بھی رہے تھے۔ لیکن جمالت کی گھٹا

عہ ختانی امراء اور شرفاء میں یہ عام دستور ہے کہ لڑکی جب پیدا ہوتی ہے تو اس کے دونوں پاؤں پر دھچی پیٹ کے ہمیشہ باندھ رکھتے ہیں اور ولادت سے تازمانہ بلورج بلکہ جب تک کہ اس میں نوکی قوت باقی رہتی ہو اس وقت تک پی چھٹی رہتی ہے جس کی وجہ سے بعض بعض اوقات پاؤں پاک کر سٹ بھی جاتے ہیں لیکن ان کی بائیں ٹہیوں کا باندھنا موافق نہیں کرتیں اور یہی کہتی ہیں کہ جان جائے یا رہے مگر شرافت میں بٹہ نہ آئے۔ اس ترکیب سے جوان عورتوں کے پاؤں چار پانچ انگلی سے زیادہ نہیں بڑھنے پاتے ہیں۔ اور غیر سہارے چلنے پھرنے میں سخت معذور ہوتی ہیں۔

(تاریخ مالک چین)

گھنگھڑا تاریکی چاندون طرف چھائی ہوئی تھی اور کوئی اسکی طرف توجہ نہیں کرتا تھا۔ جب اسلام کا چمکتا ہوا آفتاب یشرب کی زمین سے نکلا اور اُس کی عالمگیر روشنی دور دور بھینکتی چلی تو بے پردگی کی خرابیاں ہر شخص پر ظاہر ہونے لگیں۔ اور اس کی طرف ایک خاص توجہ ہو چلی۔ اسلام منہرق اور اُفتیاز پیدا کرنے نہیں آیا ہے بلکہ ساری دنیا میں وہ اخوت کا رشتہ قائم کرتے آیا ہے لیکن وہ خوب جانتا تھا کہ عورتیں مایہ قنتہ و فساد ہیں۔ ان کا مردوں کے ساتھ اختلاط ان کے حسن و جمال کے کرشمے اور رنجی نیچین کر دینے والی نگاہیں اس کے اس کام میں بائرج اور خلل ہونگی جس کے لئے وہ عدم سے وجود میں آیا ہے۔ اور یہ کیا آپ فرماتے ہیں کہ نبی پر ہولی ورجن کا سایہ ہے اُمیر اس ازاد می کا خراب اثر نہیں پڑ سکتا؟ جناب! ازاد می وہ بُری چیز ہے کہ اچھے اچھوں کو خراب کر دیتی ہے اور بُری بُری عصمت مآب اور پارسا عورتوں کو وہ آوارہ طبیعت لوگ اپنی راہ پر لگا ہی لاتے ہیں جو کسین راہ گلی میں کیسکو آتے جاتے دیکھ کر ان کے حن پر مرٹھے ہیں۔ یہ ایک بڑے غضب کی بات ہے کہ صرف ایک فیچرل عصمت پر بھروسہ کر کے ناقابل اندیش عورتوں کو بالکل مطلق العنان کر دیتے ہیں اور ان کی حفاظت کا مطلق خیال نہیں کرتے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ ہونی ورجن کس طرح حفاظت کے ساتھ رکھی جاتی تھیں جو حقیقت میں اپنے لقب کی طرح عصمت مآب بھی تھیں اور جنگی پارسائی کی نسبت کوئی کسی طرح کا شک اور گمان بھی نہیں کر سکتا۔ آپ ذرا اپنے دین کی مقدس اور آسمانی کتاب کو تو ملاحظہ فرمائیے کہ جب ذکرِ نیا علیہ السلام حضرت مریم کو تنہا چھوڑ کر کہیں جاتے تھے تو باوجود اس اعتبار اور یقین کے ان کی کس طرح حفاظت کر کے جاتے تھے۔

بفرض محال اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ نیک اور عصمت مآب عورتوں کی پارسائی میں ان کا باہرہ آنا حبا ناخصل انداز نہیں ہو سکتا یہ تو فرمائیے کہ راد گلی میں اُن سے دو چار ہونے والے مردوں کی طبیعت کا آپ کیا بندہ بستی

اور انتظام کر سکتے ہیں؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی انکی طرف آنکھ اٹھا بھی نہیں دیکھے گا اور اگر دیکھے گا بھی تو پاک ہی نظر سے! نہیں۔ ہرگز نہیں اور یقیناً کسی کے پاس بھی اسکا جواب بجز ایک نفی کے کلمہ (نہیں) کے اور کچھ نہ ہوگا۔ پھر کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ زمانہ فقط اسی ہیسی حرکت کا نام ہے جو ایک خاص وضع پر ناجائز طریقے سے واقع ہو رہی ہیں آنکھ کی زنا بھی ہے کہ وہ کسی اجنبیہ عورت کی طرف غری نظریں دیکھے۔ پاؤں کی زنا بھی ہے کہ وہ برے ارادے سے غیبیہ عورت کی طرف جانے کے لیے آگے بڑھیں۔ ہاتھ کی یہ زنا ہے کہ وہ دل کی ایک ناجائز خواہش کے ساتھ کسی غیبیہ محرم عورت کی جانب اٹھیں۔ پھر انصاف سے کیے گا کہ ان خرابیوں کے پیدا کرنے اور ناکردہ گناہوں کو گنہگار بنانے کا اصلی کون باعث ہوا! وہی عورتوں کا یا ہر نکتہ جس کی نسبت اسوقت بحث ہے یا اور کچھ! بیشک اسلام نے بہت عاقبت اندیشی کے ساتھ پردے کے قواعد مرتب کئے اور آیت حجاب نے نازل ہو کر فقط چند ماٹھیں لوگوں کو ان قیودات سے مستثنیٰ کر دیا جسکی نسبت عادتاً بدگمانی کا احتمال بھی قوت خیالیہ میں کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتا تھا؟

جبریل بن مختشوعؓ ہاں یہ صحیح ہے کہ عورتوں کی آزادی اور بے پردگی کا نتیجہ کسی قدر ضرور بڑا معلوم ہوتا ہے۔ جہاں تک احتیاط ہو سکے اچھی بات ہے مگر جناب والا یہ ہو کیونکر سکتا ہے۔ بہت سی اسی قسم کی ضروری اتفاقی ضرورتیں پیش آجاتی ہیں کہ جسکی وجہ سے عورتوں کو خواہ مخواہ باہر نکلنا ہی پڑتا ہے؟

جھنڈ جناب۔ خدا ایسے دشوار کاموں کے کرنے پر تو کبھی اپنے بندوں کو مجبور نہیں کرتا جو انسان کے اختیار ہی سے باہر ہوں۔ ضرورت اور مجبوری تو بالکل حرام چیزوں کو بھی مباح کر دیتی ہے اسکا تذکرہ ہی کیا!؟

مارون رشیدؒ تو عند الضرورت عورتیں باہر آجاسکتی ہیں اور مردوں کی نوسائیلیٹین میں بھی شریک ہو سکتی ہیں۔ کیوں؟

جعفرؑ جی ہاں کیون نہیں۔ اس سے میں کسی طرح انکار نہیں کر سکتا ہوں۔ مگر وہی بہت احتیاط اور پردے کے ساتھ“

ہارون رشیدؑ ہاں ہاں بہت پردے اور احتیاط کے ساتھ نقاب مٹھ پر ڈال کر بادشاہ کے اس کئے پر جعفر کو کسی قدر سہجکا کر سکوت کرنا پڑا اور وہ کچھ غور میں آگیا اصل بات یہ تھی کہ اسوقت ہارون رشید علی روس اُلا شہاداس امر کو دکھانا چاہتا تھا کہ جعفر اور اسکی بہن عباسہ جی طرح پر شہستان عشرت میں شریک ہوئی تھیں وہ حیثیت بے پردگی کی حد میں داخل نہیں مگر جعفر بھی خوب سمجھ گیا تھا اور یہی ایک ایسی قوی وجہ تھی کہ وہ اپنی بے غرضی اور بے تعلقی ثابت کرنے کے لیے ہارون رشید سے اسوقت اس طرح مخالفت نہ بحث کر رہا تھا۔ مگر ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس کے حسن پرست دل کے پردوں کے اندر کیا کیا راز کی باتیں چھپی ہوئی ہیں مگر ہاں بظاہر وہ اپنی مخالف تقریر سے بادشاہ کو اس امر کا یقین دلانا چاہتا تھا کہ یہ شرکت اچھی نہیں اس موقع پر جب اس نے دیکھا کہ میں خود ہی اپنی زبان سے قائل ہوا جاتا ہوں تو اس نے زانو بدلا کر اپنی تقریر کا پہلو بھی بدلا اور اس طرح کہنے لگا ”ہاں ایسی حالت میں شاید کچھ ہرج نہ ہوگا۔ لیکن وہ ضرورت ہو بھی ضرورت کی طرح۔ یہ نہیں کہ فقط نام کی ضرورت ہو اور اصل میں کچھ نہیں ورنہ یہ امر زیادہ ثبوت اور دلیل کا محتاج نہیں ہے کہ عورتوں کی لگاؤ پیدا کرنے والی صورت اپنی ایک کہ باقی کشش کے ساتھ دیکھنے والی نظروں کے ساتھ ان کے دل کو بھی بے طرح جیس کر جاتی ہے۔ اس ضرورت کا اندازہ کچھ اسی گزرے ہوئے واقعہ سے خوب ہو سکتا ہے کہ اس احتیاط کی وجہ سے مردوں کی جماعت میں عورتوں کی وہ شرکت اُٹ نماز تک کے لیے بھی ناجائز کر دی گئی تھی اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جائز تھی“

منگھہ ہندو کی عبادت میں بے ادبی معاف اب تو یہ سرسبز یادتی ہی زیادتی معلوم ہوتی ہے بھلا پرنیشہ کی عبادت کے وقت ایسا کون ہوگا جو ایسے ویسے بیہودہ اور خراب خیال دل میں لائے گا۔

جعفرؑ حضرت آپ سے پاک نفس لوگوں کا تذکرہ ہی نہیں ہو لیکن سب تو اس طرح کے نہیں ہوتے۔ جنکی شہوانی قوت انکی اٹھتی ہوئی جوانی کی طرح

ابھی ترقیوں پر ہی اور وہ خدا خدا کر کے بہت مشکل کے ساتھ خانہ خدا کی طرف چلے گئے
انکے دلوں میں شیطانوں کے دلوں کے جوش دینے کے لیے اجنبیہ عورتوں کی زبان
موجودگی وہی سلوک کر جائیگی جو کسی قریم زمانہ میں ایک زہرہ تمثال عورت کا حسن
ان پاک نفس فرشتوں کے ساتھ کر گیا جو بڑے دعوے کے ساتھ دنیا میں آئے
تھے۔ آپ یقین کر لیجئے کہ اگر اس وقت سب نہیں تو دو چار کے وضو تو فری شکست
ہو جائیں گے اور ان کے وہ دل جو خدا سے وحدہ لا شریک کی عبادت میں بہت یکسو
کے ساتھ مشغول تھے اس طرح اوچاٹ ہو کر ان کی طرف متوجہ ہو جائینگے جس طرح ایک
چھماکے کی آواز منکر اکثر بے اختیاری کے ساتھ آنکھیں اٹھ جاتی ہیں۔ اس وقت مسجد میں
اُٹکا دے پاؤں آنا۔ انکا حجاب۔ اور گردن جھکا کر ان کا کھڑا ہونا اور انکے قبالا کی وہ
خمی جھکوائیں شرم و لحاظ نے اس وقت پیدا کر دیا ہو یہ سب باتیں دیکھنے والی نظر کو کیا
عجب ہی حواس سے زیادہ مزاج پائین جو صدائے قد قامت سے انکے کانوں کو طے
اور پھر ان کا دل شاید طاق ابرو کی زیارت میں اس سے زیادہ لگے جس قدر کہ محراب
عبادت میں سجدہ کرنے کی طرف مائل ہو۔“

ہارون رشیدؒ (بات کاٹ کر) اچھا جان اس طرح کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور بچان
سے ہر طرح کا اطمینان بھی ہو وہاں تو جانتے ہیں۔“
اب جعفر بجز بان کے اور کیا کہہ سکتا تھا پہلے وہ کچھ چپ ہوا اور پھر اس طرح کہنے لگا وہاں
اگر ایسا ہی اطمینان ہو تو خیر کچھ ہرج نہیں۔“

اس تقریر کے خاتمے پر تھوڑی دیر تک اور نشست رہی۔ سب لوگ جعفر کی حسن تقریر
کی تعریف کرتے رہے اور اسکے بیان پر عیش عیش کر گئے۔ بادشاہ بھی اسکی تاریخی و فنی
کی داد و تیار ہا پھر جلسہ برخواست ہوا۔ ہارون رشید ایدان خلافت کی طرف متوجہ
ہوا۔ اور سب اپنے اپنے مکان کو چل دیئے۔ اس پر نے کی بحث چھیڑنے سے ہارون رشید
کی جو خواہش تھی کہ اس وقت اس میں اسکو ایک طرح کی کامیابی ہوئی اور اس امر کہ اس نے
علامہ طور پر جو وہی جعفر کی زبان سے کہلا لیا کہ عند الفوت مستورات کا پر نے اور اختیار کے
ساتھ باہر نکلتا شرعاً جائز نہیں اور نہ رواجاً ممنوع ہی لیکن پھر بھی ضرورت کے مجبور
کر دینے والے معنی اس تعلیم کے حد تک نہیں پہنچتے تھے کہ شہستان عشرت کی صحبت

جعفر اور عباس کی بھی شرکت جائز ہو جائے۔ وہ دارالمنظر سے جانے کے بعد اسی سخت
انتظار میں مبتلا ہو گیا کہ میں اب کیا کروں! نہ تو اس سے یہ ممکن تھا کہ خلاف شرع کوئی کام کرے
اور نہ اس کا محبت کرنے والا دل کسی طرح اس امر کی اسکو اجازت دیتا تھا کہ جعفر کو
اس صحبت میں شریک نہ کرے۔

وہ دیر تک مجلسِ امین میں بیٹھا اسی میں اپنے دل سے بحث کرتا رہا اور بالآخر فلک
عربہ ساز نے ناصح مشفق بت کر اس کے ذہن کے سامنے وہی سب سامانِ لاکر پیش
کر دیے جو پردے اور احتیاط کے اعتبار سے بظاہر اچھے معلوم ہوتے تھے مگر جعفر
اور عباس کے حق میں اس تفرقہ اندازی سے کیسی طرح کم نہ تھے جو شاید کسی اعتبار
سے اگر کسی کو اچھے بھی معلوم ہوتے ہیں تو خیر کسی بدخواہ رقیب ہی کے ہاتھ سے ورنہ
انصاف کی بات تو یہ ہے کہ دو محبت کرنے والے کے درمیان میں وہ کھڑے دیکھ کر
بے اختیار کچھ کہنے کو جی چاہتا ہے۔

بارون رشید نے بہت غور کے ساتھ ہر ایک پہلو کو دیکھا اور گو اس کا دل کسی طرح اس
امر پر راضی نہیں ہوتا تھا مگر بالآخر جبراً قسم اس کو اس امر پر اپنا دل راضی
کر لیتا پڑا کہ ”آئندہ شہستان عشرت میں جعفر اور عباس کی شرکت
نہ ہو تو اچھا ہی“

عباس اور جعفر کے دل کی تو ہم کو ابھی خبر نہیں کہ اس اتفاقی افتاد سے انہی کیا حالت
ہوئی ہوگی مگر بھی ہمتورقیق القلب آدمی ہیں۔ اس واقعہ سے ہکو تو سخت صدمہ ہوا
اور جعفر اور بارون رشید کے باہمی ارتباط کو دیکھتے تو بظاہر یہ ایک بہت مشکل
بات معلوم ہوتی تھی اور کسی طرح اس امر کی امید ہی نہیں ہو سکتی تھی کہ ایسا ہو
بھی سکے گا لیکن اب تو چند روز سے بہت پابندی کے ساتھ اسی رائے پر
عملدرآمد ہو رہا ہے اور جعفر شہستان عشرت کی محبتوں میں کبھی بھی سے پیش
نہیں طلب کیا جاتا۔

ساتواں باب

چھپسٹر

مردہ ابے ذوق اسیری کہ نظر آتا ہے
وام خالی قفس مرغ گرفتار کے پاس

دو پہر تو اور دو پہر بھی روزِ حجبِ ان کی - اور وہ بھی گرمیوں کے دن کی معاذ اللہ دھوپ
کی طرح گرمی بھی قیامت کی پڑ رہی ہے اور آفتاب بھاگتے بھاگتے پناہ ڈھونڈتا ہوا
آپ ایسے مقام پر پہنچ گیا ہے کہ جو بلند ہی کے اعتبار سے آسمان کی ایک انتہائی
حد خیال کی جاتی ہے - آفتاب کی وہ العطش العطش پکاتی ہوئی کرنیں جگمگ اسوقت
گرہ زمہری کی سسڑی بھی سیراب نہ کی تڑپتی تھلائی ہوئی آگست پاس نبھانے کے
لیے سطح زمین پر مایہ بے آب کی طرح لوٹ جاتی ہیں اور ان کی یہ بھرا ہوا ہٹ اور
آفتاب کی تپش دیکھ دیکھ کر زمین کے وہ نمناک اجزاء جو ماندہ آسمانی کی طرح شبنم
کے فیاض ہاتھ ان سے رات اسکی عطا ہوئے تھے اس طرح جان بچائے ہوئے
میتھوں کے اندر چھپ چھپاتے چلے جاتے ہیں - ہر طرح بے ضرر روزہ داروں کا رات
کا کھانا یا پیا آفتاب کی صورت دیکھتے ہی خوف اور ہراس کے مارے ہمت و
استقلال بے سکر خداجانے کہاں چلا جاتا ہے - زمین تپ رہی ہو اور شعلے سی طرح
اس سے نکل رہے ہیں ہر طرح تپ و فراغ میں پھٹنے والے یا نصیب عشاق کے ہراس
کے ساتھ تپ رہے ہیں - باوجود اس کے کہ آفتاب کے ساتھ آفت ڈھاتے چل رہے
ہیں - خاک اور ریت ہی ہو اور بار - ایسی ہرمان نصیب عاشق کے پیمین دل کی طرح بگڑ بگڑ
اٹھتے ہیں اور دھواں دھار دھار گریز آواز کی طرح ہزاروں ارمان اور تمناؤں کو اپنی گود میں لپیٹ لیا
سیکی کے ساتھ تھک کر بیٹھ جاتے ہیں -

سارے بندہ زمین ایک قسم کا سناٹا ہے - بازاری سوتے پڑے ہیں مکانات بہر نفی
ہیں اور درو دیوار پر گرد و غبار کے ساتھ آداسی بھی چھائی ہوئی ہے - نہ کسی گھر سے
کوئی آدمی نکلتا ہے اور نہ کسی کی آواز ہی آتی ہے - آدمی تو آدمی مرغان ہوانی کے بھی
اسوقت کچھ ایسے پر چلے ہیں کہ تپش کے مارے بچا رہے اپنے اپنے مکانوں میں دیکھ
ہوئے بیٹھے ہیں اور کہیں ایک چڑیا نظر نہیں آتی - ہاں کسی طرف سے اگر کوئی
آواز آتی بھی ہے تو انھیں چیلوں کی جواسوقت کی بے انتہا پڑنیوالی گرمی سے
بیتاب ہو کر بعض بعض اوقات بے طرح چپلا اٹھتی ہیں - اور

اگر گھروں میں کوئی آنے جانے والا ہی تو آفتاب کی وہی تیز شعاعیں ہیں جو پستابا
 ڈھونڈھتی ہوئی گرمی گھبراہٹ کے ساتھ مکانون کے اندر گھسی جاتی ہیں۔
 امرا اور اغنیاتو اسوقت کی یہ حالت دیکھ کر سرداب اور تہ خانوں میں پہنچ گئے ہیں اور
 جسکو تنگدستی اور افلاس کی وجہ سے عیش و آرام کے سامان نصیب نہیں
 ہیں انھوں نے بھی اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کر دیے ہیں اور پلوں کے
 چپ بیٹھ رہے ہیں۔

وہ شاہزادی عباسہ جو اسوقت اپنی کوٹھی کے تہ خانے میں تشریف رکھتی ہو جس کے
 بھولے بھالے نازک اور پاک دل کو حسن اتفاق سے ابھی ابھی عشق کا کچھ یونی سا
 مزلا تھا اور جسکو ابتلاہی سے عدوئے فلک نے بہت ہار دینے والی وہ مصیبتیں دینی
 شروع کر دیں جو بہت عرصے اور دل بڑھانے کے بعد عادی کرتے کرتے رفتہ رفتہ آگے
 چل کر دینی چاہتے تھیں۔

شبستان عشرت کی وہ صحبتیں جن میں پہلے کبھی جعفر کی موجودگی اسکے محبت کرنے والے
 دل کی تسلی اور ولد ہی کی باعث ہو جاتی تھیں اب چند روز سے وہی اسکے حق میں قید
 تنہائی ہو گئی ہیں کہ اسکی بے حظی وہاں سے چلے آئیے بعد بھی پھرون اسکے دل سے
 نہیں جاتی۔

گو موسمی گرمی سے محفوظ رہنے کے لیے یہاں بہت اچھا انتظام کر لیا گیا ہے نہجانی
 کی وہ بلند چھت جیسے اوپر والے مکانون کے متعدد طبقے اپنا سایہ کیے ہوئے ہیں ان آفتابی
 شعاعوں کو یہاں نہیں پہنچنے دیتے جو گرم ہو ہو کے بہت تیزی کے ساتھ سایہ ڈھونڈتی
 ہوئی ہر محظوظ مقام پر پہنچ رہی ہیں اور اگر اشکال کے بہت درجے طے کر کے یہاں پہنچنے
 بھی پاتی ہیں تو ٹھنڈی روشنی تبرک جو یہاں کی حالت اور کیفیت دکھانے میں آگے
 کو پوری مدد دیتی ہیں۔

یہ مربع شکل کا ایک وسیع اور خوشنما سرداب ہی جسکی چھت ایک قسم کی مسخ دھاردار
 ریشمی کپڑے سے منڈھی ہوئی ہے اور سنگ مرمر کی دیواروں پر بہت نفاست اور سادگی
 کے ساتھ ہری ہری سلیں بنی ہوئی ہیں جنہیں اس امر کا مطلق امتیاز نہیں ہوتا کہ یہ ہر
 رنگ کے پتھر چڑے گئے ہیں یا فقط پینے کا کام ہی۔ جا بجا مختلف پھولوں کے گلہ سے رکھے ہوئے

ہیں جنھوں نے ہمیت اجتماعی ملکہ میان بھی پوری وہی کیفیت پیدا کر دی ہے جس کی پھر لے پھلے اور سرشار و ابھرنے میں ہوتی چاہیے اور خشکی کے اعتبار سے تو یہ مکان اس تپش اور گرمی کا پورا جواب معلوم ہوتا ہے جو اپنا زور و شور دکھاتی ہوئی باہر پڑ رہی ہے پتکھا کھنچ رہا ہے اور اس کی حرکت میان کی مقبلس اور پھری ہوئی ہوا کو جذبش دے کر اس طرح لطیف کر رہی ہے جس طرح پھیپھڑوں کی قدرتی حرکت قلب کے آئیو الے خون کو صاف کر کر کے زندگی بخش اور روح افزا چیز بناتی ہے۔

گو موسیٰ حدت اور گرمی کے کم کرنے کے لئے یہ سب ہر طرح کی راحت اور آرام کے سامان موجود ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جو عشق کی اس آگ کو کچھ بھی فرو کر سکے جو عباس کے کانوں میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ شعلے مار رہی ہے۔ وہ پلنگ پر پڑی ہوئی ہے اور دل کی پھینکی سے کچھ عجیب اضطراب کے ساتھ کروٹیں لے رہی ہے کہ ہم سے تو اچھے اچھے کر دیکھا بھی نہیں جاتا۔ چہرہ بالکل آترا ہوا ہے اور اسکی رنگت انھیں پھولوں کی طرح سے آوری ہوئی ہے جو اسوقت کی حد سے بڑھی ہوئی گرمیاں اور آج کل کی ناموافق چلتی ہوئیں دیکھ کر دل کی پرمردگی کے ساتھ یوں بظاہر دیکھنے میں بھی مر جھا کر رہ گئی ہوں۔ سوسن سر ہانے چپ کھڑی ہو۔ ہاتھ میں چھو رہو۔ گیس رانی کر رہی ہے اور عباسہ اپنے غمگین دل کے ساتھ ان باتوں میں مشغول ہے مٹھا جانے کیا معاملہ ہے کہ جفت دس پندرہ روز سے شہستان عشرت میں نہیں آتے ہیں۔ میں روز اسکی امید پر بڑے شوق سے جاتی ہوں کہ کل نہیں آئے تو آج آئیں گے مگر ہر روز اس حسرت و حرمان کے ساتھ وہاں سے پلٹتا پڑتا ہے کہ خدا کی قسم پھر کبھی اس طرف بھولے سے بھی رُخ کرنے کو دل نہیں چاہتا لیکن خدا سمجھے ان حضرت دل کو کہ یہ پھر بھی نہیں مانتے اور کشان کشان لے ہی جاتے ہیں نہیں معلوم کیا ہو گیا ہے کہ جعفر کے بغیر دیکھے اس کجبت کو چہن ہی نہیں پڑتا۔ آخر جعفر کا نام تو مدتوں سے سنتی تھی اب یہ کیا معاملہ ہے۔ آہ۔ عباسہ تجھ کو نہیں معلوم۔ یہ حضرت عشق کی عنایتیں ہیں۔ اب بتیہ دیکھ کہیں صبر آسکتا ہے!!۔ کہیں میرے اس دلی حبت کے اثر نے تو غماز بن کر انکو میرے حال سے خوبدار نہیں کر دیا ہے جو اس طرح شہستان عشرت میں

آنا جانا بالکل ترک کر دیا اور اس طرح دماغ کی لی۔ ورنہ آخر اس کے معنی ہیں۔ خیر اور جو چاہے کچھ ہو مگر خدا کرے انکا مزاج اچھا ہو۔ ہاے کیا مشکل کی بات ہو کہ میں کسی سے کچھ دریافت بھی نہیں کر سکتی۔ یہ سوسن میری بہت رازدار ہے۔ لاؤ اسی سے تو پوچھیں شاید کچھ اسی کو معلوم ہو یہاں تو کوئی اور اس وقت ہی بھی نہیں ہے۔“

عباسہ اپنے غمگین دل سے یہ اجازت پا کر سوسن کی طرف متوجہ ہوئی اور اس طرح پوچھنے لگی ”کیون سوسن! تم کو کچھ معلوم ہے آجکل وزارت پناہ کمان ہیں؟ دس ہندہ روز سے شہستان عشرت میں آئے نہیں۔ یہاں ہیں بھی کہ نہیں؟“

سوسن نے جی حضور میں کیون نہیں آج ہی صبح کو دربار میں تشریف لائے تھے میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔“

عباسہ ”پھر شہستان عشرت میں کیون نہیں آتے! اسکی وجہ؟“

سوسن نے ہان بکھو خود ہی تعجب تھا کہ ہے یہ کیا بات۔ مگر زبان سے کچھ کہ نہیں سکتی تھی۔ لیکن ہاں ایک بات تو ضرور ہی بادشاہ سلامت نے اندرون انکلو یا دہی تو نہیں فرمایا۔ یوں خود وہ پہلے بھی کہیں نہیں آتے تھے۔“

عباسہ نے ہان یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ بلا طلب وہ کبھی نہیں آتے تھے مگر دریافت طلب بھی تو یہی بات ہے کہ بھائی جان نے ان کو بلایا کیون نہیں (اپنے دل میں) کہیں بھائی جان میری دزدیدہ لگا ہی دیکھ دیکھ کر کچھ تلخیوں میں تازہ تو نہیں گئے! خدا نخواستہ انکو کچھ اور شک تو نہیں ہو گیا! میں تو اسی اندیشہ سے اپنی طرف آنکھ بھر کر دیکھتی بھی رہتی اور اگر کبھی دیکھتی بھی تھی تو نظر بچا بچا کر۔ وہ بھی نقاب کی آڑ سے۔ مگر حق یہ ہے کہ محبت بھری آنکھ کہیں چھپائے چھپتی ہے۔ تو بہ۔ بیشک بھائی جان کچھ نہ کچھ میری طرف سے ٹھٹھک گئے ہیں ورنہ شہستان عشرت میں بغیر جعفر کے وہ کبھی نہ بیٹھتے۔ میں کہتی تھی عباسہ دیکھ یہ بات اچھی نہیں مگر تو نے ایک نہ مانی افسوس! آخر اسکا یہ نتیجہ ہوا نا!! (دانت کے نیچے انگلی دبا کر) ہی ہی خدا نہ کرے اگر بھائی جان کچھ سمجھ گئے ہوں گے تو اپنے دل میں کیا کہتے ہوں گے۔ (سوسن سے) کیون سوسن! آخر تمہارے ذہن میں بھی کوئی بات آتی ہے۔ یہ جعفر شہستان عشرت میں اب کیون نہیں بلائے جاتے بھائی جان کو تو

انکے ساتھ بڑی محبت تھی۔ یہ کیا رنگی ایسی کیا بات ہو گئی؟
 سوسن: ”تھوڑے سکوت کے بعد (بہری اور توجھ کو کچھ نہیں معلوم مگر ان ایک بات
 تو میں نے ضرور سنی ہے شاید ابھی حال میں ایک رات کہیں دو عورتیں اپنے گھر میں
 بیٹھی ہوئی وزارت پناہ اور حضور عالی کی شبستان عشرت میں شرکت کے متعلق کچھ
 باتیں کر رہی تھیں کہ اتفاق سے اسی وقت امیر المومنین کا اس طرف گزر ہوا اور وہ سب کی
 باتیں بادشاہ سلامت نے سن لیں۔ شاید یہ وجہ ہو تو ہو۔ ہاں میں نے یہ بھی سنا تھا کہ
 وزارت پناہ بھی اس وقت ہمارے تھے اور شاید اسکے بعد کچھ اسکی تقشیر بھی کی گئی تھی مگر
 کچھ پتہ نہیں چلا۔ یہ وہ باتیں تھیں کہ سوسن کی زبان سے نکل کر مستم بنی ہوئی اسی طرح
 عباس کے سینے میں دلزدہ ہو گئیں جس طرح جحفہ کے حسن و جمال کی شعاں کسی قادرِ انداز کا
 تیر بنکر اسکی آنکھوں کی راہ سے اُترتی ہوئی کلیجہ میں پہنچ گئی تھیں۔ دل کی اُلجھن
 سے کچھ تجاوات اُٹھے جو شرم و حیا سے پہلے کچھ عرقِ ندامت بنکر تن بدن سے
 نکل پڑے اور کچھ طبیعت کے انقباض سے وہیں دل کے اندر گھٹکر رہ گئے جو تھوڑی
 دیر کے بعد آہ کے ساتھ مٹھ سے نکلے۔ حیا۔ ندامت۔ رنج اور افسوس یہ مختلف
 کیفیتیں اس کے ایک بیچارے اور پھر نازک دل پر بلائے ناگہانی کی طرح ٹوٹ پڑیں
 دل بارغم سے بیٹھ گیا مگر دل کی اُلجھن نے نہ مامدست گرد نہ اُٹھا کر بچا دیا اور یہ گھبراہٹ کے
 لہجے میں اس طرح سوسن سے کہنے لگی: ”ہے ہے یہ کیا غضب ہوا۔ میری سوسن بتا تو
 سہی یہ کب کا تذکرہ ہے۔“

سوسن: ”یہی حضور کوئی پندرہ سولہ روز ہوئے ہونگے۔“
 عباس: ”بس بس بیشک یہی وجہ ہوئی ہوگی۔ پندرہ سولہ ہی روز سے تو وہ آتے بھی نہیں
 ہیں۔ ہاں تو وہ عورتیں میرا اور جحفہ کا کیا تذکرہ کرتی تھیں۔“
 سوسن: ”کچھ نہیں حضور بس یہی کہ شبستان عشرت کی صحبتوں میں شامزادی صاحبہ بھی
 تشریف لاتی ہیں اور وزارت پناہ بھی شریک ہوتے ہیں۔“
 عباس: ”آہ۔ آپ یہ خبر ایسی طشت از بام ہو گئی کہ گھر گھر سارے شہر میں
 اس کے چرچے ہونے لگے۔ میں اسی دن کے لیے بھائی جان سے کہتی تھی مگر
 افسوس! اُنھوں نے میرا کہنا نہ مانا نہ مانا اور مجھ کو اس طرح بدنام کیا۔“

ہاں تو کیا تذکرہ کرتی تھیں کہ ہم اور جعفر شہستان عشتہر میں شریک ہوتے ہیں کچھ اور بھی کہا تھا؟

سوسن: ”جی ہاں حضور میں نے تو اس قدر سنا تھا اور مجھے کچھ یاد نہیں آتا۔“
عباسہ: ”(تھوڑے سکوت کے بعد) اور وہ تھیں کون عورتیں! کچھ معلوم ہی؟“
اس سوال کے جواب دینے میں سوسن کو کسی قدر غور و زامل کرنا پڑا اور اسی کے ساتھ اس کے چہرے پر ایک قسم کا تنہی بھی پیدا ہو گیا جس نے عباسہ کے دل میں فوراً اس امر کا شک پیدا کر دیا کہ یہ جانتی ہی مگر چھپاتی ہے اور پھر اس طرح سے کہنے لگی: ”کیون سوسن تم چپ کیسی ہو رہی ہو۔ بتاتی نہیں ہو وہ کون عورتیں تھیں؟“

سوسن: ”(کچھ سکوت کے بعد) حضور عالیٰ نجلو اسکی کیا خبر۔ میں کیا جانوں!“
عباسہ: ”اگر یہی بات تھی تو اس میں اس قدر پس و پیش کرنے کی تھو کیا ضرورت تھی۔! پہلے ہی کہہ دیا ہوتا۔ اچھا اگر تلو نہیں معلوم ہی تو تم کسی شخص کا نام بتا دو جس سے تم نے یہ باتیں سنی تھیں۔ مگر یہ باتیں میرے ذہن میں کچھ اچھی طرح سے نہیں آتیں کہ جس شخص کو اس وقت کی باتیں اور اس کے بعد کی کارروائیاں سب معلوم ہوں اور وہ ان عورتوں کے نام سے واقف نہ ہو۔ تعجب کی بات ہے۔“

عباسہ کا یہ کہنا تھا کہ سوسن کو چپ لگ گئی۔ کچھ کہتے نہ بن پڑا اور بالآخر بڑی مجبوری کے ساتھ یہ کہنا ہی پڑا: ”بیوی اصل بات یہ ہے کہ میں ان عورتوں کو جانتی ہوں مگر کہتے ہوئے ڈرتی ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی میری وجہ سے بلا میں پھنس جائے۔ ہاں اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔“

عباسہ: ”ہاں ہاں تم شوق سے کہو۔ اس میں ڈرنے کی کون بات ہے؟“
سوسن: ”(تھر تھراتی ہوئی آواز میں) حضور عالیٰ اوھر کر رخ کے بازار کی دکھن طرف ایک شخص رہتے ہیں۔ قاسم نام ہے۔ انھیں کی بیٹیاں اس رات کو آپس میں بیٹھی ہوئی وہ باتیں کرتی تھیں۔“

عباسہ: ”(حیرت کے لب و لہجے میں) قاسم! یہ کون قاسم ہے۔ تم اسکو جانتی ہو؟“
سوسن: ”جی ہاں وہ تو بیچارے ایک غریب آدمی ہیں جسے ان سے دور کی کچھ

رشتہ داری بھی ہے اسی وجہ سے کہتے ہوئے اور بھی ڈرتی ہوں۔“
عباسؑ نے نہیں نہیں! سپین ڈرنے کی کوئی بات نہیں جو تم اس طرح سے بدحواس بنی جاتی
ہو۔ معاذ اللہ۔ مگر مان ایک بات کی تجھ کو تم سے ضرور شکایت ہو کہ تم کو یہ بات معلوم تھی اور
تھے دیدہ و دانستہ مجھ سے چھپائی۔“

سو سنؑ حضور مالک ہیں۔ خطا تو بیشک لونڈی سے ہو گئی مگر حضور کل ہی تو تجھ کو
اسکی خبر ملی بھی۔ یہ کہ ایک رشتہ دار قریب رہتے ہیں نا۔ ”سمعیل“ خنکے بیان میں
کبھی کبھی حضور سے اجازت لیکر جاتی ہوں۔ اتفاق سے کل بھی میں اُنکے گھر گئی تھی اُنکے
بیٹے کے ساتھ قاسم کی چھوٹی لڑکی منسوب ہے ابھی دو تین روزہ ہوئے کہ وہ اپنے
میکے سے آئی تھی اور اُسی کے ساتھ اُسکی بڑی بہن بھی۔ بس اُنھیں نے باتوں باتوں میں
یہ تذکرہ بھی کیا ورنہ میں کیا جانتی۔“

عباسؑ نے بس کچھ اور تو نہیں کہتی تھیں؟

سو سنؑ حضور اور تو تجھ کو کچھ یاد نہیں آتا یا ان شاید یہ بھی کہتی تھیں کہ اُس وقت
بادشاہ سلامت نے مسٹر کو بھی اُنکے گھر حال دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا۔“
عباسؑ اہا۔ یہ کیسے۔ اُس وقت مسرور بھی بھیجا گیا تھا۔ اللہ اکبر۔ مگر خدا کی قسم بھائی جان
بھی بڑے بدگمان ہیں۔ معاذ اللہ (اپنے دل سے) خدا جانے اور کیا کیا واقعے گزریے
ہوں گے۔ اس کبخت کو کیا خبر۔ اس نے جو سنا ہو گا وہ بھی بھول گئی ہوگی (تھوڑی
دیر خاموش رہ کر) سو سنؑ! اگر تم اس وقت ایک بات کر تین تو بہت
اچھا ہوتا۔“

سو سنؑ (ہاتھ جوڑ کر) ارشاد۔ لونڈی کو کسی بات میں عذر نہ ہو سکتا ہو۔
آپ فرمائیں۔“

عباسؑ بس میں اسے قید رہا ہتی ہوں کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے تم ان دونوں بہنوں
کو میکے پاس لے آتیں تو میکے کے دل کی یہ غلش نکل جاتی۔ اُن سے یہ سب
باتیں اچھی طرح معلوم ہو جائیں گی۔“

سو سنؑ (کسی قدر سست آواز میں) حضور ان کا آنا تو کسی قدر مشکل معلوم ہوتا ہو
مگر میں اُن سے کہوں گی ضرور۔“

عباسہ بہ نہیں۔ یہ بین ایک نہیں جانتی۔ تم ابھی جا کر مہین سوار کر لاؤ۔ جاؤ۔ میری سوسن۔ بین تھادی بڑی احسانت۔ ہونگی۔

سوسن۔ تو حضور اسی وقت! بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ میرے قریب کی اگر کوئی رشتہ دار ہو تو یہ بھی ممکن تھا۔ غصہ کی بو بٹھپون پر میرا کیا زور۔ ذرا حضور عالی غور تو فرمائیں۔

عباسہ بہ نہیں تم ہماری طرف سے کہنا کہ ایک ضروری کام ہے حضور ہی دیر کے لیے تکلیف کیجیے۔ اگر وہ اس طرح چلی آئیں گی تو سوسن تم یقین کر لینا کہ میں انکی بہت مشکور ہونگی اور اگر وہ نہ آئیں تو تم خوب جانتی ہو کہ ابھی میرے ایک اشارے کے ساتھ وہ ہاتھ باندھے میرے سامنے کھڑی ہونگی۔ اور پھر میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ مسوقت میں اُن سے کس طرح پیش آؤں گی۔

عباسہ نے ان کلمات کو کچھ اس طرح تیور بدل کر زبان سے کہنا کہ سوسن کا نپ گئی اور گواہ سپر بھی کچھ جیلے ہمارے کیے مگر ایک نہ چلی اور بالآخر اسکو فوراً واپس آنے کا وعدہ کر کے اس کام کے لیے جانا پڑا۔

اب سوسن تو اسماعیل کے مکان کی طرف جاتی رہے اور عباس کو تنہا پارک میں دل پریشان کرنے والے مختلف خیالات نے چاروں طرف سے آکر گھیر لیا ہے۔ جو اب تک بات چیت کرنے کی وجہ سے بخودی کے عالم میں ہاتھ پیر ہاتھ رکھے ہوئے اپنی اپنی جگہ پر چپ بیٹھے تھے۔ ایک طرف سے ہارون رشید کے مشکوک ہو جانے کا خیال اپنا ہیبت ناک اثر پیدا کرتا ہوا چلا۔ ایک طرف سے ناحق ناحق کی اپنی رسوائی کا خیال آیا۔ کہیں آغا ز کا رہی میں یہ بدشگونیاں دیکھ کر خوف سے دل کانپ گیا۔ اور کہیں دل میں یہ کھٹکنا پیدا ہوا کہ دیکھو اب اس شہر کے بعد جعفر میرے دامن الفت میں گرفتار بھی ہوتا ہو کہ نہیں۔

دل پر ایک قسم کی گرمی اوٹھی جس نے موسمی حرارت میں مل کر اور گرمی بڑھادی۔ منہ سے نکلنے والی سزا میں اپنے دامن کے ہوا دے دے کر آتش غم کو تیز کرنے لگیں اور اس کے نازک دل کی وہی صحت ہو گئی جو اس وقت کی دھوپ میں مرجھائے ہوئے پھولوں کی ہوگی۔ چہرہ پر اور اسی کی طرح سپیدی

چھاگئی اور نشاط و مسرت کی طرح مٹھ پھیر کر جانے والا خونِ صدمہ غم اور دل کی افسردگی سے دل کے اندر بجایا اس طرح جھک رہا گیا جس طرح اُن لنگ غنچوں کے اوراق میں تنہاؤں کے خون ہو جانے سے سسج سسج دھتے پڑ جاتے ہوں جو ابھی کھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ مڑھ گئے۔

اس کے وہ مٹا جو ابھی کنسی کی وجہ سے کچھ جانتے نہ تھے اس کے دل کی یہ حالت دیکھ کر ایک قدرتی محبت سے بے اختیار ہو کر رو دیئے طبیعتِ دل کے ہاتھ سے نڈھال ہو کر بیٹھ گئی اور یہ پلنگ برلیٹ کر اس طرح اپنے دل سے کٹنے لگی۔ وہ عباس سے لیجے پہلی ہی بسم اللہ غلط ہوئی۔ پائے جھک اٹھوں نے بیٹھے انکو ابھی دیکھ بھی نہ پایا۔ دل کو دل کی خبر بھی نہیں ہوئی تھی کہ عیب جوئی ہونے لگی بس اب کیا امید کرنی چاہیے۔ بھائی جان کی طبیعت کچھ مشکوک ہو گئی ہوگی۔ وہ حضرت بھی اپنی راہ چلنے جا رہے اور جھکوا بھی بجائے خود احتیاط کرنی پڑے گی۔ خدا جانتے بھائی جان نے ایسی کیا کیا باتیں سنی ہیں جو اُن کو اس قدر شک گزرا کہ اس دن جعفر کو شہستانِ عشرت میں طلب ہی نہیں کیا۔ وہ جو زمین بھی ابھی نہیں آئین ورنہ اچھی طرح سے سب حال معلوم ہو جاتا۔ کبھی تو سوکسن بھی

جا کر مر رہی۔

یہ خبر سے غضب کی بات ہو کہ اُمر اور حکام کو کسی حکم دینے کے وقت اس امر کا مطلق خیال نہیں رہتا کہ اُس کا ہونا کہاں تک پہنچ رہی اور کہاں تک مشکل۔ اون کے نزدیک وہ اس طرح سہل ہو جس طرح اُنکا زبان سے فقط کہتا اور اس کی تعمیل بھی وہ اس طرح جلدی چاہتے ہیں جس طرح جلدی سے اٹھوں نے کہ دیا۔

گویا سو سن کے ان عورتوں کے ہاتھ تے میں اس وقت کا سیانی ہو گئی ہو گی کہ انصاف کی بات یہ ہو کہ جس کام کے لیے وہ اس وقت بھیجی گئی تھی وہ کیسے قدر ضرورت تھا۔

اس نے اسمعیل کے گھر پہنچ کر سب کو بہت سمجھایا ڈرایا بھی اور دلاسا بھی دیا اور بالآخر جس طرح ممکن ہوا غصہ اور احمدری کو سوار کر کے لے چلی۔ یہ دونوں بہنیں ایک فینس میں سوار ہیں۔ سوکسن دوسری سواری میں رہی

ہوش اس سب کے اُٹے ہوئے ہیں۔ دل دھڑک رہا ہے اور قدم قدم پر یہی کھٹکا بڑھتا جاتا ہے کہ دیکھ کیسی گذرتی ہو مگر باوجود ان سب باتوں کے رضیہ کی قدرتی شوخی اب بھی اس کے ایک طرح پر نہیں بیٹھتی۔ کبھی اُدھر پردہ اٹھا دیتی ہے۔ کبھی اُدھر۔ کبھی جھک کر احمدی کے کان میں یہ کہتی ہے: ”کیون باجی کیا کہو گی؟“ کبھی پردہ کی راہ سے باہر جھانکنے لگتی ہے اور احمدی خفا ہو ہو کر کہتی ہے: ”تو بہ بن تمھارے مزاج میں بھی کس قدر شوخی ہے۔ معاذ اللہ چپ قرار ہے بیٹھا ہی نہیں جاتا۔ پردہ کھولے ہی دیتی ہیں اتنا نہیں ہانپتیں کہ کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا؟“ مگر یہ ایک نہیں سنتی۔ احمدی کے بگڑنے سے اگر کسی وقت یہ چُپ بیٹھ بھی رہتی ہے تو دم بھر کے بعد پھر وہی پہلی حرکتیں شروع کر دیتی ہے۔ یہ اُسی طرح پردہ اٹھانے جھانک رہی تھی اور چلنے والی ہو اُن اپنی گرمیاں دکھاتی ہوئی اُدھر اُدھر سے آکر اس کے پیائے چرے کی بلائیں لے رہی تھیں کہ سامنے سے ایک آنے والے شخص کی اتفاق سے اس کے گورے گورے چہرہ پر نظر پڑ گئی اور رضیہ نے ایک ادا کے ساتھ منہ پھیر کر جلدی سے پردہ چھڑ دیا۔

اس شخص کی ظاہری حیثیت اور اس وقت کی اس کی پیادہ روی بتا رہی ہے کہ جو م انسان میں سے یہ کوئی معمولی شخص ہے مگر ہاں صورتِ شکل سے جو ان طرح اور معلوم ہوتا ہے۔ نظر سے محفوظ رکھنے کے لیے قدرتی اقتضا سے اس کے چہرے کے آس پاس سینہ بھی نکل رہا ہے اور جوانی اس کے تناسب اعضا کو دیکھ دیکھ کر بڑے جوش کے ساتھ اپنی اُمنگ کی بھار دکھا رہی ہے۔

یہ رضیہ کے حسن و دلکش کی جھلک دیکھتے ہی پہلے تو کچھ ٹھٹھکا مگر پھر یوں دو چار قدم اُسی طرح چلا جیسا کہ آ رہا تھا لیکن پھر خود بخود اس کی رفتار میں ایک قسم کی سستی آچلی۔ کئی مرتبہ مُڑ مُڑ کر اسطرح کو دیکھا اور پھر خدا جانے چلتے چلتے اس کے دل میں کیا خیال آ گیا کہ یہ ٹھہرا اور ٹھہر کر اُسی طرح کو چلا جیسا کہ یہ سوارِ یان چار ہی تھیں۔

تھوڑی دیر تک تو یہ اُسی طرح آہستہ آہستہ پیچھے چلا گیا مگر جب شاہی کمپوٹرنے ان آنے والی سوارِ یوں کو اپنے احاطے میں لے لیا تو خدا جانے

اس آنے والے شخص کے دل پر کیا گزری کہ یہ سرکڑ کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔
خیر اسکو تو اب ہم اسی حال میں چھوڑتے ہیں اور اگے چل کر دیکھتے ہیں کہ شائردی
عباسہ کس حال میں ہو وہ اُسی طرح سوسن کے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہو اور
ہر ایک آنے والے خیال اس کے دل میں ہر ایک قسم کی الجھن پیدا کر رہے ہیں کہ
سوسن پہونچی اور عباسہ اُس کو دور سے آتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگی "اُپا سوسن
آگئیں اور انکو بھی لائیں؟"

سوسن "جی ہاں حضور۔ وہ بھی حاضر ہیں۔ مگر جناب عالی الونڈی کی عزت آبرو
اب حضور ہی کے ہاتھ ہی۔ حکم ہو تو حاضر کروں"
عباسہ "ہاں ہاں جلد بلاؤ۔ پوچھنا ہی کیا ہے۔ میں تو اسی انتظار میں
بیٹھی تھی؟"

یہ حکم پاتے ہی سوسن تنہا نے سے نکلی اور پھر اس کے بعد چوہلیں اُدھی تو سوسن
کے ساتھ ساتھ وہی دو عورتیں آتی ہوئی نظر آئیں جگے لینے کے لیے وہ کسی تھی۔ انتشار
اور گھب ایٹ سے اُن کے چہرے کا رنگ اُنکے ہوش و حواس کی طرح اُٹا ہٹا
تھا اور دل کی اختلاجی حرکت سے انکا سارا بدن بیکیطیح کانپ رہا تھا انھوں نے آتے
ہی شاہی دابہ لحاظ کے ساتھ سر تسلیم خم کیا۔

شائردی نے بھی بہت کشادہ پیشانی سے اُنکو بیٹھنے کی اجازت دی اور پھر
سوسن کی طرف متوجہ ہو کر اس طرح کہنے لگی "یہی تمھاری سچ بہن!۔ انکی تمہے کچھ
خاطر مدارات نہیں کی؟"

جسکے ادا کے شکریہ کے لیے یہ دونوں عورتیں کھڑی ہو گئیں۔ آداب تسلیمات بجا لائیں اور
سوسن ترقی جاوہ اقبال کی دعائیں دیکر اس طرح کہنے لگی "جی ہاں یہی۔ جو اس طرف بیٹھی
ہیں داہنی طرف۔ اور وہ انکی بڑی بہن ہیں؟"

عباسہ "ماشاء اللہ بہت خوش حلیہ معلوم ہوتی ہیں۔ انکا نام کیا ہے؟"
سوسن "ابا تھہ کے اشارے سے بتا کر حضور انکا نام تو رضیہ ہے اور انکا احمدی کہتے ہیں
عباسہ "ہاں بہن احمدی اور رضیہ!۔ اپنے اسوقت آپکو ایسے تکلیف دی ہو کہ اب ہر بات
کر کے ذرا اُس رات کا واقعہ تو بیان کر دیجیے جہیں شاہی خادم مسرور دریافت حال کیلئے

آپ کے گھر گیا تھا۔ مگر دیکھیے سچ سچ۔ آپ کو خدا کی قسم“

آج دونوں کے ہوش و حواس باختہ ہیں اور ہیبت کے مارے جان کی طرح خون بھی رگون کے اندر جا کر چھپ رہا ہے مگر ہائے اود اللہ قدرتی حسن بھی کیا چیز ہے خون کی وجہ سے چہرہ کی سُرخ کی کم ہو جانے سے رضیہ کا سُرخ رنگ ہلکا ہو کر اسوقت کچھ اور بھی کھل گیا ہے۔ چپ بیٹھی ہے اور کنیان مار مار کر اشارے ہی اشارے ہیں احمدی سے کہہ رہی ہے ”ہن تم بیان کر دو مجھے نہیں کہا جاتا“ اور احمدی ہر کہ چپ بیٹھی ہوئی کنیان کھا رہی ہے اور نظر بچا بچا کر آنکھ کے اشارے سے کسی وقت اسکو منع بھی کر دیتی ہے کہ دیکھو رضیہ تمھاری یہ حرکتیں شاہی آداب کے بالکل خلاف ہیں مگر یہ ایک نہیں مانتی۔ عباس بھی نظر بچا بچا کر ان دونوں کی یہ کیفیت دیکھ رہی ہے اور جب اسکو کسی طرف سے اُس کے سوال کا جواب نہیں ملتا ہے تو وہ سو سن سے مخاطب ہو کر کہتی ہے ”سو سن! یہ تو کچھ جواب ہی نہیں دیتیں تجھیں پوچھو“

سو سن (ان دونوں سے مخاطب ہو کر) اسے ہے تو تم اسقدر شرمائی کیوں جاتی ہو سستی نہیں ہو حضور عالی کیا ارشاد فرماتی ہیں۔ احمدی ۹“

احمدی (چھٹی ہنس سے) رضیہ تمھیں ہونے یہ تذکرہ چھپڑا تھا تمھیں بیان بھی کرو“

رضیہ (بہت پست آواز میں) نہیں آپا جانی۔ میں تیرا بانی گئی۔ آپ بیان کر دیجیے“

احمدی (شاہزادی کی طرف رخ کر کے) حضور عالی اصل واقعہ یہ تھا کہ ان دونوں ایک ہمارے خالو زاد بھائی باہر سے آئے تھے وہ کہیں ایک دن انکے دیکھنے کے لیے انکی سسرال گئے مگر ہمارے بھائی صاحب ذرا متشرع آدمی ہیں انھوں نے انکو پردہ کرنے پر مجبور کیا۔ یہ بات ان کے کسی قریب خلاف گزری۔ اسی کی شکایت یہ ایک رات مجھے کر رہی تھیں۔ میں ان کو سمجھاتی تھی کہ بن پردہ کوئی چسپ نہ بن ہے تم اسکا خیال نہ کرو مگر یہ مجھے اُلجھے لگیں اور تختیں کرتے کرتے کہیں کی ایک سُنی بستانی یہ بات کہنے لگیں

رضیہ نے ایک مرتبہ پھر احمدی کی نظر بچا کر اس غرض سے باہر کی طرف دیکھا کہ دیکھوں اب بھی وہ شخص چلا گیا یا نہیں مگر استغفر اللہ جو ادب ساتھ چھوڑنے والا تھا وہ اسی طرح ساتھ ساتھ چلا آتا تھا۔ رضیہ کو دیکھ کر حیرت ہوئی اور دل ہی دل میں اس طرح کہنے لگی کہ خداوند! یہ کیا معاملہ ہے۔ یہ شخص کیوں میرے ساتھ چلا آتا ہے۔ کیا مطلب۔ کہیں اسے مجھ کو دیکھ تو نہیں لیا ہے۔ یہ باتیں ابھی ختم بھی نہیں ہوئے پائی تھیں کہ قہقہے سے دیکھی اور یہ دونوں برسوں سواری سے اتر کر اپنے گھر میں داخل ہو گئیں۔ انکے دیکھتے ہی سب چھوٹے بڑوں کا انتشار رُخ ہوا اور یہ دونوں بھی خدا کا شکر بجالائیں۔

سواریوں کے اتر جانے کے بعد پتہ آد کو بھی اس امر کا موقع مل گیا کہ وہ کہا روئے ذریعہ سے اس امر کا پتہ لگانے کہ یہ کس کا مکان ہے کون عورتیں ہیں اور اس وقت کس کی گئی تھیں۔ مگر تاہم اسکو یہ کسی طرح نہ معلوم ہوا کہ یہ کیوں شاہزادی عباسہ کے حضور میں طلب کی گئیں اور وہ دونوں کون عورتیں ہیں جن میں ایک کے تیر نظر کا نشانہ بن گیا لیکن ہاں فقط ایک اس بات سے اسکو کیسے قدر امید ہوئی کہ یہ سوسن کو اچھی طرح جانتا تھا۔

وہاں سے آنے کے بعد تھوڑی دیر تک تو یہ سب عورتیں ایک ہی جگہ بیٹھی ہیں شاہزادی عباسہ کے حسن اخلاق اور شاہی مکانات کے ساز و سامان کی باتیں ہوتی رہیں لیکن جب سوسن رخصت ہو گئی تو رضیہ کو بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ معلوم نہیں وہ شخص اب بھی چلا گیا یا نہیں جسکے رفع شک اور اسکے اطمینان حاصل کرنے کے لیے شام کا وہ ٹھنڈا ٹھنڈا وقت بھی اب آگیا تھا جہاں ہر طبقہ کے لوگ بالاخانوں اور کھلے مقاموں میں چلے جاتے ہیں۔ رضیہ بھی اٹھی اور کوسٹے پر جا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ گویا ان کی یادوں کی بلندی پر وہ داری کے لیے کافی تھی مگر رضیہ کے اچک اچک کر دیکھنے کو اپنی بے زبانی کی وجہ سے کسی طرح منع نہیں کر سکتی تھی۔ چاروں طرف اسکی جاننے والی نظر جاتے جاتے ایک بار اسی مکان کے دروازے کی جانب پہنچی اور اسی طرف سے تھوڑے فاصلے سے جو آدمی کو ٹپتے ہوئے دیکھ کر یہ سخت تعجب میں آگئی اور تعجب ہو کر اس طرح اپنے دل سے کہنے لگی کہ کیا یہ کوئی مجنون آدمی تو نہیں ہے آخر اس کے ساتھ ساتھ آنے کی وجہ کیا ہے اور اب تک خیر سے یہیں چکر لگا رہا ہے۔ میں نہ مانوں کچھ دال میں منہ نہ

کالا ہے۔ مونے کو کچھ اور تو سودا نہیں ہوا ہی تھا۔ ان کروں ایڑی چوٹی پر محسوس کچھ اور ہی شک گذرتا ہی۔ یہ آدمی کچھ اچھا نہیں ہو۔ اس کی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں کس بُری طرح گھور رہا تھا اور میں جانتی ہوں کہ اس وقت جاتے ہوئے بھی اسے بھلو دیکھا تھا۔ ایسی حالت میں اب میرا زیادہ ٹھہرنا یہاں مناسب نہیں ہو۔ کوئی اور دیکھ لے گا تو مفت مفت بدنامی ہوگی۔“

رضیہ انھیں خیالات میں ڈوبی ہوئی ہو اور کبھی آنکھ اٹھا کر اس طرف نہ دیکھ بھی لیتی ہو مگر افسوس ہے کہ میں اس موقع پر جواد کی وہ شتاق آنکھیں نظارہ سے محروم ہیں جو چاروں طرف کیسکو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اب تھک گئی تھیں یا جو اس دورِ نادیشی کے خیال سے اپنے دل پر چبکیے ہوئے نیچے جھکی ہوئی تھیں کہ دیکھنے والے نگاہوں میں کہیں تاثر نہ جائیں۔ رضیہ اسی طرح حیرت کی نظر سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی کہ اتفاق سے جواد کی نظر بھی ایک مرتبہ اس طرف پڑ گئی اور اس غیرت خورشید رضیہ کی نگلی ہوئی گرون کوٹھے کی دیوار سے نظر آئی جسکو دیکھ کر آفتاب بھی غیرت کے مارے اس وقت زمین کے ساتھ طباقوں میں گڑا جاتا تھا جواد کی آنکھ کا ادھر اٹھنا تھا اور ادھر رضیہ کا سر جھکا کر بیٹھ جانا تھا جس کے کرنے پر رضیہ تو فقط نیک نیتی اور قدرتی حیا کی وجہ سے مجبور ہو گئی تھی مگر ہائے محبت کا خدا بھلا کرے کہ عاشق مزاج جواد نے اپنے خیال میں اس کی اس حرکت کو ناواوا پر محمول کر لیا۔ اس کی وہ لپٹائی ہوئی نگاہیں جو اسکو پہچانتے کے بعد ابھی اس پیارے پیارے چہرہ کی بلائیں بھی نہیں لینے پائیں تھیں کچھ کھٹ افسوس ملتی ہوئی پھر آئیں اور آنکھوں کے سامنے آکر اپنی نارسائی طالع پر بے اختیار رو دیں۔ رضیہ کو پرودہ کرتے ہی اس آفتاب نے بھی مغربی پساروں سے سر ٹکرا کر بہت رنج اور افسوس کے ساتھ اپنا منہ چھمالیا جو اس وقت رضیہ کے چہرہ کی چمک دمک بڑے شوق اور حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ دراندازی کرنے کے لیے رقیب روسیہ کی طرح مغرب کی طرف سے کچھ سیاہی بڑھتی اور جواد کی آنکھ میں ساری دنیا تاریک ہو گئی۔ یہ بہت آنکھیں بھاڑ بھاڑ کر دیکھا کیا لیکن پھر اس وقت رضیہ کی پیاری صورت دیکھنی کسی طرح نصیب نہ ہوئی۔ ناامید ہی نے

کوئے جانان چھوڑنے پر مجبور کیا شوق نے ہاتھ پاؤں پھیلائے۔ حضرت دل بکڑے اور مصلحت وقت نے کل بچھڑا جانے کا سبق پڑھا کر منتیں کرتی ہوئی (سکواسکی راہ پر چلی۔

نوان باب

جمنہ
یارِ بہودل کی خیر کہیں ٹھہر کچھ آجکل
ہو کھات میں نگاہِ سنگم لگی ہوئی

شام ہوئی ہو اور اسکی تاریکی کسی مہجین حسین کی زلف سیہ نام کا خیال بلکہ کسی ہجران نصیب عاشق کے دل کے ساتھ چھڑ کر نہ کے لیے چلی ہو۔ پھل کھلے ہیں اور انھوں نے اپنی طرح طرح کی خوشبوئیں ہر طرف پھیلانے جانے والی ہوا کے سپر کر دی ہیں کہ سونگھنے والے آدمی اس ذریعہ سے مست اور بخود ہو کر اس طرح انجی تازگی اور خوشبوئیں کے نادرہ مشتاق بن جائیں جس طرح سے اس کے پڑانے جا بنا زار جان نثار عاشق خدا دل بانگے رنگ اور پور پر روز ازل سے مرے ہیں عجیب سہانا وقت ہو۔ کہیں تو بازار میں بالا خانوں پر سبز چھڑ رہا ہو۔ تعلیم ہو رہی ہو اور خوش گلو گانے والیوں کی سریلی اور ٹپٹ آواز میں دور دور پہونچ کر سننے والوں کو نادرہ ہزار جان سے عاشق اور فریفتہ کر کے اپنی راہ پر لگالاتی ہیں۔ اور کسی طرف مسجدوں سے خداے وحدہ لا شریک کی عبادت یاد دلانے کے لیے بڑی عظمت اور جلال کے ساتھ اللہ اکبر کی صدا میں بلند ہوئی ہیں۔ جا بجا شمع اور چراغ روشن ہو گئے ہیں اور ایسے حسن عالم سوز کی کیفیت دیکھ دیکھ کر خدا جانے پیار سے پروانوں کے دل پر ایسی کیا بن گئی ہو کہ چاروں طرف سے گھبراتے ہوئے دور سے چلے آتے ہیں اور حلقہ بازہ کرتے پھرتے ہیں۔ مشرق کی طرف سے مانتاب بھی نکلیں اور اسکی سنہری سنہری شعاعیں اپنا پھیل کر نکالتی ہوئی اپنی کہنی کشش کے ذریعہ سے ہر چیز کی ان اصلی رطوبات کو باہر کی طرف زبردستی کھینچ لیتی ہیں جو بہت حفاظت کے ساتھ رکوں کے اندر چھپا چھپا کر رکھی گئی تھیں۔ غرض کہ دینا کی ہر ایک وہ چیزیں جس کو کچھ بھی اپنے حسن پر ناز ہو اس وقت رات میں اپنی اپنی و نذر ب صورتوں کو کچھ عجیب انداز سے دکھا دکھا کر دیکھنے والوں

کی نظر دین کے ساتھ لگاؤ میں پیدا کر رہی ہیں۔ اور اہل دل سوچناں سے
 خریدار ہو کر اپنا اپنا بیقرار دل اپنے ہاتھ میں لیے شوق کے مارے ایک دوسرے پر
 ٹوٹے پڑتے ہیں۔ جعفر کو ملکی معاملات اور انتظامی جھگڑوں سے اس وقت فرصت ملی ہی
 اپنے مکان میں بیٹھا ہو اور اسی قسم کے خیالات کے بعد دیکھے اسکے ذہن کے سامنے
 آرہے ہیں جو بے شغلی اور بیکاری کے عالم میں انسان کے پاس انکڑا ہاتھ ہیں اتفاق
 سے انھیں خیالات کے سلسلے میں شانزدہویں عباس کا بھی خیال آگیا اور یہ ایک ٹھنڈی
 سانس بھر کر کہنے لگا: افسوس! اسکے دیکھنے کی حسرت ہی حسرت رہ گئی۔
 حسن اتفاق سے رسائی تو وہاں تک اچھی طور سے ہو گئی تھی مگر فلک کی دراندازی اور
 اپنی قسمت کی خوبی کو کیا کہیے۔ اس نے بڑی ہی تڑپائی کر دی۔ سب پنا بنایا یا بھیل بگڑ گیا
 سنتے ہیں عباس نے بہت ہی پیاری صورت پائی ہو! افسوس!! اچھی طرح
 دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا۔ ہائے اُس کے گورے گورے چہرہ پر وہ سیاہی
 نقاب کیسی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ اُف! رنگ بچھڑا نکلتا تھا اور پھر بعض بعض
 اوقات اُن کا چھپ چھپ کر میری طرف دیکھ لینا تو خدا کی قسم تم ہی ڈھادیتا تھا۔
 مگر وہ اب مجھ کو اس قسم کے خیالات سے مطلب! وہ بات کہ ان دور گئی۔ بہت
 دور۔ لیکن میں تو اللہ امیر المؤمنین کا قایل ہو گیا۔ ذرا سی بات سنکر اس قدر
 بدگمان ہوئے کہ پھر شبستانِ عشرت میں کبھی جیسے سے بھی مجھ کو یاد نہیں کیا۔
 خدا کی قسم مان گیا۔ لیکن نہیں۔ انکو میری طرف سے ایسی بدگمانی ہو نہیں سکتی۔ اُس
 روز دار المناظرہ میں انکا طرزِ تقریر نہیں دیکھتے تھے۔ وہ تو رہ کر اسی امر پر زور دیتے
 تھے کہ پروردگار نے ان کی چندان ضرورت نہیں مگر میری آئے شامت کہ میں اُس
 دن بالکل اُن کے خلاف ہی پر آمادہ ہو گیا ورنہ وہ کبھی ایسا نہ کرتے۔
 افسوس۔ اپنی راہ میں میں نے خود ہی کانٹے بوسیئے۔ چراغِ غضب ہو گیا۔ ہا۔
 لیکن ہاں ایک بات ہی اگر میری تقریر سے ذرا بھی اُمید نہ لگاؤ یا اجابا تو
 بادشاہ سلامت بالکل مشکوک ہو جاتے اور سب لوگ بھی اپنے دل میں ہی
 کہتے کہ جعفر کو عباس سے کچھ نہ کچھ ضرور تعلق ہو گیا ہے۔ بڑی بدنامی کی
 بات تھی۔ گو میری طبیعت کو اُن سے کچھ بھی زیادہ تعلق نہ تھا مگر ایک بات تو ضرور

ہو چلی تھی کہ اُن کے خیال اور اُن کے تذکرہ میں میرا دل کچھ بہت بے ملتا تھا۔ اور غیر
 اُس وقت کا تذکرہ جاتے دیکھتے۔ اب اس وقت کیا ہو۔ دیکھتے نا کتنی دیر سے
 اُنھیں کی باتیں کر رہا ہوں اور ایک فقط اُنھیں کے مسلسل خیالات کس طرح
 ذہن میں چلے آتے ہیں۔ اُن کی پناہ۔ مگر اب یہ دل دکھانے والے
 خیالات ہیں۔ بالکل حسرت پیدا کرنے والے۔ اب ان سے قطع تعلق کرنا
 چاہیے کچھ اور باتیں کروں۔ اور اب تو مجھ کو اُن کے خلق میں بھی کلام ہو۔
 آپ دیکھتے ہیں کتنے روز رہے ہوتے ہیں کہ میں شہستان عشرت میں نہیں گیا۔
 اور اُن سے یہ بھی نہ کہ کبھی اس کی وجہ تو مجھ سے دریافت کرتیں۔ ایسے شخص
 کا خیال ہی کیا۔ لا حول ولاقوۃ۔ مگر وانشاء آپ بھی عجیب چیز ہیں۔ اُن کو
 اس کے دریافت کرنے کا موقع ہی کیا تھا۔ ایسی ابھی اُن سے ملاقات ہی
 کیا تھی۔ پھر وہ شاہزادی۔ آپ اُن کی سرکار کے وزیر۔ وہ عورت۔
 آپ مرد اپنی اپنی عزت آبرو کا ہر شخص کو خیال ہوتا ہے۔ اور جب انہی
 کہ اُن کو کسی اور ذریعہ سے اس کی وجہ بھی معلوم ہو گئی ہو۔ پھر
 اسی قسم کے خیالات جھڑ کے دل میں آ رہے تھے۔ حیدر خان بارگاہ
 علیحدہ دست بستہ حاضر تھے۔ عاشق مزاج جو ابھی موجود تھا کہ
 ایک خادم نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور عالی سوسن آئی ہیں اور حضور میں
 بارپا ہونا چاہتی ہیں۔
 جھڑ (تعجب کے لیے) (کون سوسن؟)
 وہی خادم حضور عالی یہی شاہزادی صاحبہ کی پیش خدمتوں
 میں ہیں نا۔
 جھڑ ہاں ہاں معلوم ہوا۔ اچھا بلاؤ (دل میں) یہ کیوں آئی کیا وجہ! اور
 تو شاید کبھی اس سے پہلے آئی بھی نہ تھی۔
 ان خیالات کا سلسلہ اپنی حد پر پہنچ کر ابھی منقطع بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ
 سوسن نے حاضر ہو کر حیران حیرت کیا اور تودب کھڑی ہو گئی۔ جھڑ
 نے پہلے حیرت اور تعجب کی نظر سے اس کی طرف دیکھا اور

اس طرح کہنے لگا کہ کیون سو سن! خیریت تو ہی۔ خلاف معمول آج اس وقت
کہاں آئیں؟

سو سن! (ہاتھ جوڑ کر) جی ہاں حضور کے اقبال سے سب خیریت ہی۔ پندرہ سولہ
روز سے شہستان عشرت میں حضور رونق افروز نہیں ہوئے تھے اسوجہ سے سرکار
نے آپ کے پاس لونڈی کو شب بھر استغفار مزاج کے واسطے بھیجا ہی

جعفرؑ یہ کون سرکار! شاہزادی صاحبہ؟

سو سن! جی ہاں حضور۔ جناب شاہزادی صاحبہ

جعفرؑ یہ اُنکی عنایت۔ خداوندی جو اپنے خادموں کے باب میں اس قدر تھوڑی
تھوڑی سی باتوں کا بھی خیال رکھتی ہیں۔ اللہ اُن کو صحیح و سلامت رکھے۔ واہ کیا
اخلاق ہی۔ سبحان اللہ! اپنے دل میں (خداوند! یہ کیا معاملہ ہے۔ ابھی
ابھی تو اپنے دل سے میں اُنکی شکایت کر رہا تھا اور فوراً ہی اُنھوں نے اسکو رخصت
بھی کر دیا۔ میں نے تو کسی کے سامنے اُن کا تذکرہ بھی نہیں کیا تھا خیر کہنا تو دوسری بات
ہی۔ میں تو ابھی اُن باتوں کو دل سے زبان تک بھی نہیں لایا تھا۔ ورنہ حسیب
یہ شک بھی گذر سکتا تھا کہ شاید کسی نے اُن سے کہہ دیا ہو گا اور ابھی چند منٹ پہلے
کا تو یہ واقعہ ہی۔ اتنی دیر میں تو وہاں تک کوئی جا بھی نہیں سکتا۔ تو شاید یہ
ایک اتفاقی امر ہو گا۔ مگر کچھ ہو اس سے یمن و رخصت ہو تا ہے کہ اُن کو
مسیح کے ساتھ کس قدر تعلق ہی۔ مگر آہ۔ اب کیا ہو سکتا ہی! کاش پہلے اسکا
علم ہو جاتا تو خیر ایک بات بھی تھی۔ مگر نہیں تو بہ۔ وہ تو میری حمد و ثناء و ملی نعمت
ہیں۔ اُن کے باب میں میں کوئی برا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لاسکتا۔
استغفر اللہ! (سو سن سے مخاطب ہو کر) ہاں۔ جناب شاہزادی صاحبہ کا
مزاج تو اچھا ہی؟

سو سن! حضور۔ اچھی کیا ہیں۔ منت نہی روز شکایتیں ہی رہتی ہیں اور آج کل تو
بالکل ہی صغیف ہو گئی ہیں

جعفرؑ ہا! (تعجب کے لہجے میں) یہ کب سے؟ کچھ معلوم نہیں تھا پھر کچھ
علاج بھی کیا جاتا ہی؟

سوسنؒ جی ہاں یکیم طبیب تو ہر وقت ہی حاضر رہتے ہیں مگر جب وہ دوا بھی تو نوش فرمائیں۔ کسی نے جب کچھ دل میں لگیا تو بہت کہنے سننے سے جبراً قہراً ایک آدھ گھنٹہ نوش فرمائی ورنہ دونوں وقت دوا آتی ہی اور یونہی اٹھا اٹھا کر پھینک دی جاتی ہو۔“

جعفرؒ پھر یہ تو بہت بُری بات ہے۔ مرض کو تو کم نہیں سمجھنا چاہیے۔“
 سوسنؒ جی ہاں حضورؐ صحیح فرماتے ہیں مگر مشکل تو یہ ہے کہ آنکھ سمجھائے کون وہ کیسا کہنا سنتی بھی ہیں۔ حضورؐ کو تو معلوم ہی ہو گا جس قسم کا اُنکا مزاج واقع ہوا ہو۔“
 جعفرؒ اور سوسنؒ میں تو یہ باتیں ہو رہی ہیں اور چوڑا دلیلیہ کھڑا ہوا ایک گھبراہٹ کے عالم میں اپنے دل سے کہہ رہا ہےؒ لا حول ولا قوۃ۔ یہ کہان کی مثل باتیں نکالی ہیں جنکا نہ کہیں سوسنؒ نہ پاؤں۔ کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتیں۔ اتفاق سے سوسنؒ اسوقت آگئی تھی۔ مجھ پہ چانتان کے کچھ حالات معلوم ہو جاتے مگر جب ان سے فرصت ملے۔ خدا کی قسم کیسا پیارا پیارا بھولا نقشہ پایا ہو بس یہی دل چاہتا ہے کہ ہر وقت دیکھا ہی کرو۔ سوسنؒ اس وقت ساتھ تھی وہ سب حال جانتی ہوگی اور عجب نہیں جو اسی کے ذریعہ سے اچھی طرح میری دمان سانی بھی ہو جائے۔ کچھ دے دلا کر اس کو اپنے قابو میں کر لوں گا اور وہ تو مجھ کو اچھی طرح جانتی بھی ہے۔ ضرور ہونچا دے گی۔ بس پھر کیا ہی یار چن کھتا ہے رلاوی۔ مزے ہیں۔ مزے۔ مگر کہیں سرکار کی باتوں سے جلدی اسنچا رہا کو رہا تھی بھی تو ملے۔ معاذ اللہ کتنی دیر ہو گئی اور اُن کو اپنے مزاج پر ہی کی پڑی ہے۔ تو یہ۔ بیفائدہ بیفائدہ کی باتیں ہو رہی ہیں اور یہاں جان پر برن گئی ہے۔ اسکی حسب یہی نہیں۔“

یہ اسی فکر میں بیٹھا ہوا تھا کہ سوسنؒ نے خدا خدا کر کے اجازت طلب کی اور جعفرؒ نے اس کے جواب میں کہاؒ اچھا جاؤ۔ میری طرف سے ادب تسلیمات عرض کرنا اور کہہ دینا کہ میں حضورؐ کے اقبال سے اچھا ہوں۔ قصہ تھا کہ ادا کے شکر یہ اور استغفار مزاج کے لیے خود ہی حاضر ہوتا مگر جن مصلحتوں سے شبستانِ عشرت میں میں آنا چاہتا پسند نہیں کرتا اُنھیں وجوہ سے خاص

ورنہ دولت پر بھی اپنی ماضی میری کسی قدر نامناسب سمجھتا ہوں معاف
 فرمائیں۔
 جعفر کی اس تقریر سے سوسن کو اسوقت بہت الجھن ہوئی مگر رعب و اب
 کے مارے اسکو اس امر کی کسی طرح جرأت نہ پڑی کہ وہ کچھ بھی اسکی وجہ دریافت
 کرے۔ اوسے سلام کیا اور رخصت ہو کر ایوان خلافت کی طرف چلی۔ اور اسی کے
 پیچھے پیچھے جواد بھی۔ سوسن ابھی اس مکان کے احاطہ سے باہر بھی نہیں نکلنے پائی تھی
 کہ جواد نے آگے بڑھ کر کہا: "بواسوسن"
 سوسن: "(آواز بچان کر) کون! جواد؟"
 جواد: "جی ہاں۔ میں ہوں جواد۔ بندگی عرض ہو"
 سوسن: "بندگی۔ اچھے رہے۔ تم تو اب کبھی نظر ہی نہیں آتے۔ کہان
 اچکل رہتے ہو"
 جواد: "کیا عرض کروں۔ کسی وقت دم مارنے کی فرصت تو ملتی نہیں۔ آپ کیا اب
 جاتی ہیں؟ اور تنہا! چلیے میں ساقیہ چلوں"
 سوسن: "نہیں بیٹا۔ تم سلامت رہو کیون تکلیف اٹھاؤ گے۔ میں چلی جاؤ گی۔ کچھ دور
 تو ہو نہیں۔ یہیں دو قدم بڑھنا چاہئے"
 جواد: "نہیں نہیں میں ضرور رات چلوں گا۔ تکلیف کیا ہو چلیے بھی آپ تو تکلف
 کرتی ہیں" اور بائیں کرتا ہوا ساقیہ ماتہ چلا۔
 پہلے تو کچھ ادھر ادھر کر۔ باتیں ہیں۔ سوسن کو لگایا اور اس طرح کہنے لگا: "کیوں! بواسوسن آج
 آپ سہ پہر کو کہان لگتی تھیں؟"
 سوسن: "(اپنے دل میں) اس کو کس طرح معلوم ہو گیا (جواد سے) کہ میں نہیں۔
 اس شخص میرے ایک عزیز رہتے ہیں۔ انھیں کہے گھر گئی تھی۔ تم کو کس طرح
 معلوم ہوا؟"
 جواد: "میں نے آپ کو اسوقت جانتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور ہاں آپ کے ساتھ ساتھ
 اسوقت دوسری فینس پر کون تھا؟"
 سوسن: "پچھتا کوئی نہیں۔ وہ بھی میری ایک عزیز و اقربا تھیں۔ رشتے میں نند ہوتی ہیں"

کہ بادشاہ پر وہ ہر جگہ اگر ایسی ہی ضروری چیز ہوتا تو ہمارے بادشاہ سلامت جناب شاہزادی صاحب کے سامنے وزارت پناہ کو شہستان عشرت میں آنے کی کیوں اجازت دیتے ایسے کہا وہ نہیں۔ بہن ایسا کبھی نہ ہوگا۔ بس حضور اس قدر باتوں کے بعد بہن دونوں کی آنکھ لگ گئی مگر بھی تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ مسٹر پہنچے اور انھیں کے بیان سے یہ حال بھی معلوم ہوا کہ بادشاہ سلامت ہمارے اس وقت کی سب باتیں خود اپنے کانوں سے سُن گئے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی ہم سے دریافت کیا تھا کہ وہ خبر تم نے کس سے سنی ہو؟ مگر حضور ہر ایک کی بات کسی کو یاد تو رہتی نہیں ہو۔ جو ہم بتاتے خدا جانے کس سے سنا تھا کس سے نہیں۔ بس حضور عالی اصل واقعہ اس قدر تھا پھر اسکے بعد ہم سے کوئی باز پرس نہیں ہوئی۔ اور ہوتی کیونکہ اگر ہم خطا دار ہوتے تو البتہ جو ہوتا وہ تھوڑا تھا۔

احمدی کے اس بیان سے عباسہ بعض بعض جگہ بہت الجھی۔ اعتراض بھی کیے اور حاجا مغالطے بھی دیئے مگر احمدی نے ہر ایک پہلو بچا کر اپنی صاف تقریر سے عباسہ کو اس امر کا پورا یقین دلادیا کہ جو کچھ یہ کہتی ہو وہ سچ ہو اور امیر المومنین نے بھی اس قدر خفیہ تحقیقات اور کسی وجہ سے نہیں کی بلکہ فقط اپنے رفعت شک کے لیے احتیاطاً مسٹر کو بھیج دیا ہوگا ورنہ خدا نخواستہ اور کوئی بات نہ تھی۔

یہ ایک ایسا خیال تھا کہ جس نے تسلیان دے دے کر اسکے بگڑے ہوئے مزاج کو سنبھالا اور یہ بھی مصلحت وقت دیکھ کر ان آنے والی عورتوں سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے میں مشغول ہو گئی۔

رضیہ تو پہلے شرابا کر باتیں کیا کی مگر جب کسی قدر حجاب اور لحاظ ٹوٹ گیا تو پھر کیا تھا اسکی بچرل شوخی اپنی بہار دکھانے لگی اور اسکی وجہ سے عباسہ کو تھوڑی دیر اپنا علمکین دل ہلانے کے لیے ایک اچھا ذریعہ مل گیا۔ گویہ نہیں چاہتی کہ احمدی اور رضیہ ابھی دو چار دن اپنے گھر جائیں مگر سو سن کی بجا جنت اور خوشامد نہ طرزاہار نے اسکو مجبور ہی کر دیا۔ دونوں کی بہت خاطر داری کی اور بالآخر کچھ انعام اگر ام و دیگر دونوں کو رخصت کر دیا احمدی اور رضیہ رخصت ہو گئی ہیں اور عباسہ چپ ایک سکوت کے عالم میں بیٹھی ہو گو واقعی حالات کے معلوم ہو جانے سے پہلے کی نسبت اب کسی قدر اسکے انتشار میں

کئی ہو گئی ہو مگر اب بھی رہا سما جعفر رہا ہی وہ اس خم اور چبچ سے کسی طرح کم نہیں جو ستم زدہ عشاق کے دل اور حسینوں کی پر شکن زلفوں میں ہونا چاہیے۔ وحشت زدہ اور مضطرب دل اپنی بچینی اور سینے کی وسعت سے تنگ آ کر مٹھ کو آتا ہو اور ایک حسرت کے ساتھ اپنے دل سے یہ باتیں ہو رہی ہیں مگر افسوس! پہلے ہی پہل کیسی ناکامیابی ہوئی با۔ واللہ دل ٹوٹ گیا۔ بہت ہست ہو گئی مگر خیر یہ بھی غنیمت ہو کہ ابھی نیا نیا معاملہ تھا ورنہ لگے چکر لگ کر ایسا اتفاق پیش آتا تو معاذ اللہ دل کا سینہ ان مشکل ہی ٹر جاتا (ٹھنڈی سانس لیکر مگر اب تو سہل نہیں معلوم ہوتا۔ خدا جانے جعفر نے مجھے کیسا جاو کر دیا ہو کہ میری طبیعت میرے اختیار سے اسی طرح باہر نہ ہوتی جاتی ہو جس طرح جعفر کا ملنا۔“

وہ یہ باتیں تھیں جو ایک بچہ جی کے عالم میں عباس اپنے خرمین سے کرنے لگی اور اسکے بعد اسکی نچرل عصمت اسکی بھری ہوئی طبیعت کی طرح جوش میں آئی اور یہ اسطرح اپنے دل سے کہنے لگی ”عباس تو یہ کہ تو یہ۔ یہ تو کیسی بے حیائی کی باتیں کرتی ہے!۔ سٹرن تو نہیں ہو گئی ہو! اچھ۔ کیسا جعفر۔ کیسی محبت۔ عورتوں کو مردوں کی محبت سے کیا کام!۔ استغفر اللہ“ پھر طبیعت کا رنگ بدلتا ہو اور یہ کروٹیں لیکر ایک حسرت کے ساتھ کہتی ہو ”کچھ نہیں۔ یہ سب بھائی جان کی ہمرہائی اور رعایت ہو۔ بڑا سلوک میرے ساتھ کیا۔ آہ نہ وہ اسطرح جعفر کو میرے سامنے آنے کی اجازت دیتے۔ اور نہ کبھی میرے دل کی یہ حالت ہوتی۔ حقیقت میں بے پروگی بری چیز ہو۔ بڑی سخت مصیبت میں آدمی پھنس جاتا ہو۔ ورنہ بھلا جگہ ان باتوں سے کیا سروکار تھا (پہلو بدل کر) اُٹھ۔ پھر اب جو کچھ چاہے ہو۔ اب تو میرا دل میرے قابو میں نہیں ہو مگر افسوس! میری اس کیفیت کی جعفر کو اب تک مطلق خبر بھی نہیں اور نہ ہی معلوم کرانگہ بھی میرے ساتھ کچھ محبت ہو یا نہیں (خود ہی) مگر نہ تو کیا معنی! محبت بھی کوئی ایسی چیز کہ ایک طرف سے ہو اور دوسری طرف سے نہ ہو۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا گو میرے برابر نہ ہی مگر کچھ توضیح دے ہو گی۔ لیکن اس کا علم یقینی طور پر کہ اسطرح ہو سکتا ہے؟ اسکی کوئی تدبیر تو ضرور ہونا چاہیے (تھوڑی دیر غور کر کے) تو کیا کسی طریقے سے دریافت کروں؟ (جھجک کر) ہو ہی۔ نہیں نہیں۔ میری تو یہ جو کوئی سنے گا کیا کہے گا!۔ اور وہ خود اپنے دل میں کیا کہیں گے!۔ ذری ہی بات میں۔“

میری پارسائی اور عصمت سب خاک میں بلجائیگی !!!۔ بُری بات ہے۔ ہا۔ بالکل شرع کے خلاف۔ مگر نہیں کہنے کے بھی تو بہار طرب ہیں۔ اسطرح سے کہا کیوں جائے جسے سننے والے کو شک گذرے۔ لاؤ بسم اللہ کر کے کسی کو بھیجوں بھی۔ ذرا اُن کا دل تو ضرور ٹھٹھلنا چاہیے اس میں ہرج ہی کی کون بات ہے۔

عباسہ آب اسی فکر میں بیٹھی ہوئی ہو اور احتیاط کے خیال سے اس کے ہر ایک پہلو پر نظر دوڑا رہی ہو۔

ابھوان باب

جی! اور کیا !!

بنا کر اپنا دیوانہ الگ بچکر چلے جانا
ترے دامن سے لینا ہو بہین بدلا کر پانکا

وہ وقت ہے حسین آفتاب اپنے کسی دستانِ معشوق سے ملنے کے لیے سارا آسمان ڈھونڈتے ڈھونڈتے دن بھر کے بعد سطحِ زمین سے بالکل قریب ہو جاتا ہے اور اسکی تجسس کرنے والی کرین مشتاق نگاہوں کی طرح بے اختیار ہو کر گرہ بڑتی ہیں اور جب وہاں بھی نہیں پاتیں تو دیکھنے کے لیے اونچے اونچے درخت اور بلند مکانوں کی منڈیروں پر چڑھ جاتی ہیں اور جھللا جھللا کر ایک حسرت کے ساتھ چاروں طرف دیکھنے لگتی ہیں خدا جانے اسوقت اس نے دیکھتے ہی دیکھتے کیا دیکھ لیا ہو کہ خوشی کے مارے تو اس غیر کے چامے میں پھولا نہیں سما تا اور قوطط سے خون کی جھلیاں اس کے چہرے پر نمودار ہوتی آتی ہیں۔ سنہری سنہری کرین پورپ والی لیڈر کے بھورے بھورے اور لائے لائے بالوں کے دل میں پیچ و تاب پیدا کرتی آسمان سے زمین پر آتی ہیں اور زمین پر لوٹنے والے سایہ کو اپنے حسنِ عالم سوز کا والد و شہید بنا کر کچھ ایسا بے اختیار اور خود رفتہ کر دیتی ہیں کہ سایہ تو دوست شوق پھیلائے پیچھے دوڑتا چلا جاتا ہو اور وہ کرین کیسی پھری ہوئی نگاہ کی طرح ناز وادا کے ساتھ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتیں۔ وہ منہ بند کلیاں جو اس سے پہلے آفتاب کی تپش اور حدت دیکھ کر سر جھکائے دم بخود بیٹھی تھیں انھوں نے بھی اب چلتی ہوئی ہوا کی زبانی

اسوقت کی دلچسپی کی اڑتی ہوئی خبر سن کر اپنے قدرتی بندوبست کا آئینہ منہ سے سرکا دیا
 ہو اور اسوقت کی سینہ زبانی دیکھ رہی ہیں۔ دیکھ دیکھ کر مسکراتے پتلے ہی سے رہی تھیں مگر
 دیکھتے اب تو کوئی دم میں ان کے ہونٹوں پر بے اختیار ہنسی آیا ہی چاہتی ہو اور کھلکھلا کر
 ہنسی ہی پڑتی ہیں۔ طرح طرح کے چھوٹوں کی بھینسی بھینسی خوشبوئیں چاروں طرف سے
 آ رہی ہیں اور ان کے جان بشار عاشق عنادل مست اور بیخود ہو ہو کر چھوٹوں کے شگفتہ
 چہرہ کی بلانین لے رہے ہیں۔ ہوا کی گرمی کا درجہ اب بہت کم ہو گیا ہو اور اس کے ساتھ
 اس کی وہ قیامت خیز رفتار بھی سست ہو گئی ہو جنکو خود بخود اسی کی بڑھی ہوئی گرمی نے
 غصے کی حرارت تک کسی شعلہ پر کے مزاج کی طرح تیز کر دیا تھا اور اب بھی اپنے
 سابق کے جوش و خروش کی تپ دیتے والی گرمی جس تند رہو امین باقی رہ گئی
 ہو اس کے مٹانے کے لیے ہر طرف سے کون پر پانی پھڑکا جا رہا ہے اور آقا بانی
 شعاعوں کے گھر سے باہر نکالنے کے لیے ان مکانوں کے بند دروازے کھول دیے
 گئے ہیں جتنے اندر انھوں نے اپنا عمل دخل کر کے گرم حمام کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔
 ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا امین اپنا فرحت بخشش اثر دیتی ہوئی بہت نزاکت کے ساتھ
 آہستہ آہستہ چل رہی ہیں اور ان کی یہ دلبری کی رفتار دیکھ کر دنیا کی
 ہر ایک چیز میں نئی قسم کی طاقت اور قوت آتی جاتی ہے اور وہ سایہ جو بے بسی اور
 بیکسی کے عالم میں ابھی ٹھوڑی دیر پہلے دوپہر کی پس دیوار پڑا تھا جو اپنی سایہ بخشنے والی
 چیز کے قدموں کے نیچے خاک میں پڑا ہوا لوٹ رہا تھا اور ضعف کے مارے
 ایک قدم چلنے کی بھی اس کو طاقت نہ تھی اب وہ جلد بلند تیزی کے ساتھ اس طرح
 آگے بڑھتا جاتا ہو جس طرح کسی ایسے نادان عاشق کو چلنا چاہیے جو کسی وعدہ فراموش
 کے چھوٹے وعدہ پر یقین لاکر عین وقت پر شوق میں بھرا ہوا حباب رہا ہو۔
 ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا امین کھائے اور اس وقت کی قدرتی دلچسپیاں دیکھنے کے
 لیے ہر طبقے کے لوگ اس طرح کھڑے ہیں جس طرح رگوں کے
 اندر رہنے والا خون اور اسی کے ساتھ روح عویشی کی حالت میں اندر سے باہر نکل آتی
 ہو۔ شکر اور کھلے کھلے مقاموں پر بہت چسل چسل معلوم ہوتی ہے اور
 جنکو امارت یا اسی طرح کی کسی اور مجبور کر دینے والی وجہ سے اگر اس کا موقع

نہیں ملا ہی تو وہ بھی اسوقت کی دفعہ بیان دیکھنے کے لیے سرداب اور تہ جنازون کو
چھوڑ کر بالا خانوں کی چھتوں پر پہنچ گئے ہیں۔ مگر اسوقت کی دلچسپی نے ہر چیز پر اپنا
اثر اچھی طرح کر دیا ہے۔ ہوا اٹھکھیلیوں کے ساتھ چل رہی ہے۔ بازار رونق پر ہیں اور
آدمی ادھر ادھر سٹروں پر ٹہل رہے ہیں۔ مگر خدا جانے اس شخص کو کیا ہو رہی جو ایک
سکوت کے عالم میں سر جھکائے چپ بیٹھا ہے۔ دیکھا ہے آپ نے اسکو چپ مانا بھی؟
وہی شخص ہے جو سوسن وغیرہ کی سواری جاتے وقت راہ پٹے پٹے پٹا پڑا تھا اور بالآخر
جب کچھ زور نہ چلا تو بایوس ہو کر ایک جگہ بیٹھ گیا تھا۔ آہا تو یہ کیسے آپ بھی رہے؟
ماشاء اللہ بڑے عاشق مزاج آدمی ہیں۔ یہ شخص وزیر السلطنت جعفر کا ایک خاص ملازم
ہے۔ اسکو جو اذیت ہے اور یہ رخصتہ کی پیپ اری صورت کو اس وقت اس کے جانے کی
حالت میں دیکھ کر دفعہ کچھ ایسا والہ اور شیدا ہو گیا تھا کہ ایک ایک اس کا دل
بے اختیار ہو کر اس کے قابو سے اسی طرح باہر ہو گیا تھا جس طرح کوئی مشتوق باغیاں پانی
کے وقت چل چلا کر اپنے رشتہ کے آشوش شوق سے نکل جاتا ہو جسرت۔ انتظار
اور شوق دیدیہ سب باتیں دامن گرفتہ نقش قدم کی طرح اسی رنگ پر اسکو اسوقت سے
ایک لکھ چھلے ہوئے ہیں اور چشم انتظار شاہی کمونڈ کی طرف لگی ہوئی ہے۔ دل میں کسی کی
ایک نظر بھر کر دیکھ لینے کی تمنا ہے اور بیٹھے بیٹھے آپ ہی آپ یہ باتیں ہو رہی ہیں مگر خداوند
دم بھر میں کیا ہو گیا۔ یہ میرے دل کی کیا حالت ہوئی جاتی ہے۔ یہ کون سا ترکہ دل
وایمان تھا کہ جو دیکھتے ہی دیکھتے اس طرح دل چھین کر لے گیا۔ ہاتے کچھ نہیں معلوم
کون تھا کون نہیں۔ کبھی طبیعت بھی آتی کہہ سرائی۔ جس کا پتہ نہیں انسان
نہیں۔ مگر شاہی مکانات کی طرف جانے اور شاہی فینس کے ہونے
سے تو معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ کوئی شاہی خاندان سے ہو لیکن اگر
ایسا ہوتا تو اور بھی غضب ہوتا۔ بھلا وہاں تو میں کیا میرے فرشتے بھی نہیں
پہنچ سکتے مگر نہیں۔ شاہی خاندان سے نہ ہو گا ورنہ کچھ ترکہ احتشام سواری
کے ساتھ ضرور ہوتا۔ اور آپ تک وہ سواریاں اس طرف واپس بھی نہیں آئیں۔
ورنہ شاید کچھ پست چل جاتا۔ کیسے ہوئے بھی اب تو کوئی تہن چار گھنٹے ہوئے
مگر اٹھ!۔ اب میں یہاں سے بغیر تہہ لگائے کب اٹھتا ہوں۔ لیکن حقیقت میں

کیا خدا دا جنس پایا ہے۔ آف۔ اس ہلاکی صورت تو نہ کبھی آنکھوں سے دیکھی نہ کانوں سے سنی۔ پھر کیا کھل گیا۔ معلوم ہوا بدلی سے چمکتا ہوا آفتاب نکل آیا۔ اور ہائے کس دادا سے مجھے چھپا لیا۔ آہ۔ مار ڈالا۔

یہ انھیں خیالات میں بیٹھا تھا اور چشم منتظر سے روح باصرہ کے نکلنے والے تار ہائے شعاعی برقی تار کی طرح دور دور دوڑ رہے تھے کہ سامنے والی سڑک سے پھر وہی سویا بیان بھڑا ہوئیں جنگی راہ یہ عرصے سے بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا اور راہ انتظار میں تھک تھک کر گر گڑنے والی لنگا پن اٹھ اٹھ کر خوشخبری دینے کے لیے خوش خوش دڑپن، حواس ظاہری نے حواس باطنی کو خبر دی۔ دماغ نے دل کو اور دل نے نفس ناطقہ کو اعصاب کی ایک اہترادی حرکت کے ذریعے سے اطلاع دی کہ ”ہاں مبارک“ کلیجہ خوشی سے اوچھل پڑا اور یہ اٹھ کر دہن ٹپٹے لگا۔

رفیقہ اور احمدی دونوں فینس پسوار ہیں اور سواری اسطرح کو چسپی آتی ہی۔ رہ رہ کر احمدی سٹ ہزار دی عجاوبہ کے حسن اخلاق اور اوصاف کی تعریف کرتی ہے اور رفیقہ بیٹھے بیٹھے وہی اپنی شوخی کی حرکتیں کر رہی ہے جو جوش جوانی یا خون کی طرح اس کے ہر رگ و پی میں بڑے جوش خروش کے ساتھ جوش مار رہی تھیں گو باہر جھانکنے کے لیے اکثر اسکا دل چاہتا تھا اور اسی کے ساتھ فینس کھونے کے لیے اس کے ہاتھ بھی کبھی کبھی اٹھ جاتے ہیں مگر پھر اسوقت کے آنے جانے والے آدمیوں کی کثرت اور احمدی کے دم بدم منع کرنے کی مجبوری اسکو روکتی ہی اور یہ خود ہی اپنا بڑھنے والا ہاتھ کھینچ کر رہ جاتی ہی لیکن پھر بھی چلبیلے دل کہیں ان مجبوریوں سے مانتے ہیں۔ ایک مرتبہ اخذہ کر کے اس نے گرمی کی شکایت کی۔ دوپٹے کا آٹھل منہ پر دو چار بار جھلا اور پھر فینس کا بھڑا ہوا پاٹ ہاتھ سے فوراً سر کا کر باہر کا تاشا دیکھنے لگی۔ چھٹکا اوپر سے پڑا ہوا تھا جو بہت پردہ پوشی کے ساتھ اسکا حال چھپائے ہوئے تھا اور باہر سے کوئی شخص یہ خیال نہیں کر سکتا کہ اندر سے کوئی جھانک رہا ہی۔ جو آد اسی جگہ پر ابھی ٹپل رہا تھا کہ رفیقہ کی سواری برابر آئی۔ آنکھوں نے کچھ اس کے دل سے کہا اور دل نے اپنی بیکسی پٹینڈی سانس لی۔

عشاق کی آہیں تو اکثر بے اثر ہوتی ہیں مگر اتفاقاً جب کسی پُرد دل سے ایک اخطا پ

کی حالت میں نکل جاتی ہیں تو کچھ نہ کچھ وہ اپنا اثر دکھا ہی جاتی ہیں۔ خدا جانے جو آدمی اس وقت کی آہ میں کس قسم کی کمر بانی قوت تھی کہ اسے تیز ہوا اور آندھی کا جھونکا یا کسی بے صبر عاشق کا دست شوق بکریٹھنے کے اس حصّہ کو ایک مرتبہ ذرا اٹھا ہی دیا جو فینس کی کھڑکی کے سامنے پڑا تھا۔ مگر اسی کے ساتھ جلدی سے وہ پیارا چہرہ بھی پھیر لیا گیا جو کھلی ہوئی کھڑکی کے کسی قدر سامنے تھا اور وہ پٹ بھی بند کر لیا جو نظر کو اندر سے باہر آنے جانے کا کسی قدر موقع دے رہا تھا مگر اس جلدی میں بھی ایک بار آنکھیں لڑ ہی گئیں اور جو آدمی دیکھتے ہی دیکھتے کلیہ تمام کر رہ گیا۔ دید و دل میں اشارے ہی اشارے سے کچھ باتیں ہوئیں پہلے ایک نے دوسرے کا شکریہ ادا کیا اور پھر کچھ شکوے شکایت بھی ہونے لگے رضیہ کی حرکتیں دیکھ کر احمدمی تو پہلے ہی غصّہ میں بھری ہوئی بیٹھی تھی لیکن اس وقت اس کو کیا رگ جھجھک کر سر ہٹاتے دیکھ کر اس طرح کہنے لگی "کیون کیا ہوا؟ اچھی طرح سیر کر لیجئے نا۔ پھر ایسا موقع کیوں ملے لگا۔ خدا ایسی بے چارے کے ساتھ کسی کر کبھی نہ لیجائے معاذ اللہ پریشان کر دیا۔ اچھا صبر کرو۔ رضیہ! اگر تمہاری یہ حرکتیں مکان پر جا کر انا بجان اور بجاتی جان سے نہ کہی ہوں تو میرا نام احمدی نہیں"۔

رضیہ نے نہیں آپا جاتی میں صدقے کی قربان گئی آپ کسی سے کیسے گاہنیں۔ اب ایسی خطا نہ ہوگی کیا کوئی دیکھتا ہو۔ اپنی اپنی راہ سب چلے جاتے ہیں۔

احمدی "غصّہ کے لیے میں) کوئی نہیں دیکھتا ہی؟ اچھا نشی۔ مگر تم تو دیکھتی ہو۔ باتم بھی نہیں۔ پھر یہ کس شرع میں جائز ہی اور یہ بھی نشی۔ اچھا پھر تم نے کیا رگ کی اس طرح کھڑکی کیون بند کر لی۔ جواب دو؟"

رضیہ "آپا جاتی میں کیا کروں۔ اس وقت ہوا سے پردہ اٹھ گیا تھا اور ایک مواحنہ غارت کرے آنکھیں بھاڑ پھاڑ کر میری طرف دیکھنے لگا۔ میں۔۔۔ تیرے جلدی سے فینس بند کرنی اور کیا کرتی؟"

احمدی "تم نے بہت بُرا کیا اور فینس کھول دی ہوئی۔ اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ بلا آبرو جاتی۔ جاتی۔ اچھی طرح سیر تو ہو جاتی۔ شرم نہیں آتی۔ بے حیا کہیں کی۔ دیکھو تو میں اور کیا کیا لگا کر کہتی ہوں؟"

رضیہ "ہاتھ جوڑ کر) نہیں میری آپا جاتی اب ایسی حرکت کبھی نہ ہوگی خطا ہو گئی۔"

اسکے بعد تھوڑی دیر کے لیے تو پھر امن چین ہو جاتا ہی مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد پھر اسکا ہاتھ
 قبضے کی کھڑکی طرف جاتا ہی اور احمدی چین باہر دھوکہ دیکھ لیتی ہی اور پھر اس کا ہاتھ
 ٹوک جاتا ہی۔ پھر گرمی کا عذر کیا جاتا ہی اور نظر بچا کر کھڑکی ذرا کھول دی جاتی ہی تھوڑی سی
 ٹھنڈی ہوا بین چین چین کر آتی ہیں اور یہ ابا ابا کر کے کھڑکی کی طرف جھک جاتی ہی اور پھر ایک
 سوراخ کی راہ سے دیکھا جاتا ہی۔

جو اداسیہ کی طرح اب تک ساتھ چلا آتا ہی اور رہ رہ کر اس امید پر اس طرف دیکھ لیتا
 ہی کہ شاید پھر کمین وہی پیاری صورت دیکھنے کو اٹھائے جس نے بڑی قادر اندازی
 کے ساتھ ایک ہی تیز نظر میں مربع دل کا نشانہ اوڑا دیا۔ مگر اب یہ بات کمان کمان تھی
 رضیتہ کوئی آوارہ مزاج عورت نہ تھی جو اس امر کو بالطبع جان نہ رکھتی کہ کوئی غیر مرد اسکو
 بڑی نظر سے دیکھے مگر ہاں اسکی کسنی نشوونما اور قدرتی چلبلا پن ہی دو باتیں ایسی
 وہ چین تھیں جو ناقابل اندیشی کے ساتھ اسکو اس طرح کی حرکتوں پر مجبور کر دیتی تھیں۔
 وہ اپنی آنکھ سے کسی غیر شخص کو قصداً دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن ہاں اسکی وہ عمدہ و نظر
 جسکو کھڑکی دیواروں سے باہر نکلتا نصیب نہیں ہوا تھا۔ یہاں کی وسیع ٹرکین اور کھلا میدان
 دیکھ کر ضرور اس امر کی مشتاق تھی کہ پرسے ہی پرسے میں یہاں کا لطف تماشا اٹھائے
 وہ اس طرح دیکھتی بھالتی چلی جاتی تھی کہ ایک مرتبہ پھر جو اداسکی نظر کے سامنے آگیا اور اسنے
 دیکھتے ہی کہا کہ ”پھر یہ کوئی شخص ساتھ ساتھ چلا آتا ہی۔ کون ہی؟ اور دیکھ بھی
 باسی طرف رہا ہی“

دل کا اسقدر اشارہ پاتے ہی باطنی حواس غور میں آگئے اور جس مشترک نے اپنے
 محفوظ خزانہ سے وہی صورت ملا کر اس کے ذہن کے سامنے پیش کر دی جسکو اسنے پہلی
 بار دیکھ کر قبضے بند کر لی تھی۔

تھوڑی دیر تک تو وہ خاموش بیٹھی رہی مگر بہت احتیاط کے ساتھ پھر دیکھا اور
 پھر وہی معاملہ سامنے آیا جو کئی بار پیش آیا تھا۔ پھر سر ہٹا لیا اور دل ہی دل میں
 اس شخص کو برا بھلا کہنے لگی جسکو جانتی تو نہ تھی مگر ہاں اتنی ہی دیر میں
 اس کو کئی بار دیکھنے کا البتہ اتفاق ہوا تھا وہ اپنے انھیں خیالات
 میں غلطان چپان تھی کہ اس کا مکان آگیا اور اب

جو آد کا یہ سنتا تھا اور ایک حسرت اور افسوس کے ساتھ اُس کی اُن گل امیدوں کا دل کپڑے کے رچا ناقص جو ابھی ابھی اس کے دل میں خوش خوش ادھر ادھر اتراتی ہوئی پھر رہی تھیں۔

یہ وہ تمنا نہ تھی جس کو رضیہ کے حن و جال نے اس کے دل میں پیسا کر دیا تھا۔ آہ۔ وہ کہیں کم ہونے والے تھے۔! وہ تو ہر لمحے کے قلم کے کھینچے ہوئے نقوش تھے جو لوح دل پر ساعت بہ ساعت اُبھرتے ہی آتے تھے مگر ہاں یہ وہ تمنا تھی جس کو اس کی قوت خیالیہ نے سوسن کی عنایت و دہر دی کا ابھی امید دار بنایا تھا اور خلی طوف سے اس وقت صاف جوباب بھی مل گیا۔ اس کے محبت کرنے والے ذل نے بدگمانی سے اچھی طرح اس کو اس امر کا یقین دلادیا کہ جب دونوں آپس میں نہ بھاوج ہیں تو پھر اس کے ذریعے سے مطلب نکلنا معلوم ہے۔! بس یہی ایک ایسا افسوس والا خیال تھا جس نے اس کے دل کو سخت صدمہ پہونچایا اور یہ فوراً کچھ اس طرح خاموش ہو کر رہ گیا کہ وہ سب خیالات جو الفاظ کا جامہ پہن کر ابھی اس کی زبان سے بڑے شوق کے ساتھ باہر نکلنے کا قصد کر رہے تھے اب ٹھٹھک کر سب اپنی اپنی جگہ پر رہ گئے اور گویا یہ معلوم ہوا کہ اب زبان کو اندر حرکت کرنے کی بالکل اجازت نہیں ہو اور نہ شاید وہ قدرتی طور پر اس غرض کے لیے پیدا کی گئی ہو مگر پھر ایک گھبراہٹ کے اس خیال نے کہ مبادا میرا اس طرح پوچھنا اور پوچھتے پوچھتے ہی کیسا رنگی اس طرح کا بجا سکوت اس کی طبیعت میں شک پیدا کر کے کسی اور خرابی کا باعث نہ ہو جائے اسوجہ سے اس نے اپنے دل کو سینھا لایا اور پھر اس طرح کہنے لگا کہ تو کیا وہ شائردی صاحب کے حضور میں پہلے سے آتی جاتی ہیں یا آج ہی گئی تھیں؟

جو آد کے پہلے سوال اور اس کے بعد اس کے طول طویل سکوت سے گوسوس اپنی دل میں کیسے قدر کھٹکی مگر تاہم وہ اس کو ایک امر اتفاقی امر پر محمول کر کے اس طرح جواب میں کہنے لگی کہ نہیں آج پہلے پہل گئی تھیں۔ شائردی صاحب نے طلب فرمایا تھا۔

جو آد کیوں کچھ کام نہ کیا ہوں ہی؟ اور اسی کے ساتھ اس کے دل میں ایک خوشی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہ اس جوش کو بہت ضبط کر کے اس طرح

کتابی ہو شاہزادی صاحب تو ان سے ملکر بہت خوش ہوئی ہونگی ۹
 سو سن ۲۰ بان کیون نہیں۔ خدا سلامت رکھے۔ ہماری شاہزادی صاحب کے حسن خلق
 اور مزاج کو کون نہیں جانتا ۱۰

جواو۔ بان! بان! شک کیون نہیں اور بن سے ملی تھیں وہ بھی تو خدا کے فضل سے ایسی
 تھیں کہ ان سے ملکر شاہزادی صاحب کا دل خوش تھا ۱۱
 سو سن ۲۱ (کسی شاہزادہ پر زور دیکر بان! بان! اس میں شک ہی کی کون سی بات ہو آئی
 نہیں سوچ پاس میں ابھی ہیں پھر اسکا کہنا ہی کیا ۱۲

جواو ۱۳ (اپنے دل سے) اُف! کوئی میسر دل سے پہچھے ۱۴
 اس کے دل کا بیڑا ہوا جو اسکی زبان پر بے موقع زور ڈالکر ملت آواز میں اسی قسم
 کے کچھ اور کلمات بھی نکلیے مانا جاتا تھا کہ خیال کیے پھر کچھ خیال آگیا اور یہ اپنی بھتیجی ہوئی
 زبان کے اس طرح روک کر کہنے لگا ۱۵ اور بان آپ کے بھائی کا نام کیا ہی۔ میں نے
 انکو نہیں دیکھا ۱۶

سو سن ۲۲ بان کیا تعجب ہو نہ دیکھا ہوگا۔ وہ ذرا باہر کتے جاتے بھی کم ہیں۔ ابراہیم نام جو ۱۷
 جواو ۱۸ (ذرا غور کر کے) میں نہیں جانتا۔ خیر ہونگے کوئی۔ کیا آپ کے بھائی ہیں۔
 کیون برا سو سن ۱۹

سو سن ۲۰ نہیں چھپے۔ وہ بھی دور کے رشتے سے ۲۱
 اس تقریر کے بعد جواو کے دل میں ایک سنسناہٹ یا اختلاجی حرکت پیدا ہوتی ہے۔
 اور ایک بے اختیاری کے ساتھ کہ جبکہ یہ ضبط نہیں کر سکتا یہ پُر حشرت کلمہ اسکی زبان سے
 نکل ہی جاتا ہے نہ آہ کیا اچھے نصیب ہیں جواہر ایس کو ایسی ہوئی ملی ۲۲

اور اس کے بعد کچھ ایسے سچ اور افسوس میں بھی آجاتا ہے کہ خود بخود تھوڑی دیر کے
 لیے اسکی چلتی ہوئی زبان رگ جاتی ہے اور پھر یہ بالکل دم بخود ہو جاتا ہے۔ گویا
 اس کے ساتھ یہ اپنے اخصاء راز میں بھی کوشش کرتا ہے مگر کچھ تو اس کا دہی آخری
 فقرہ اُسکا غائب بن گیا ہے جو بے اختیاری کی حالت میں اسکی زبان سے نکل گیا
 تھا اور کچھ دیکھنے والا اس کے چہرے کے ان خطوط کو دیکھ کر اس کے اندرونی کیفیت
 سے آگاہ ہو جاتا ہے جو عشق اور محبت کی وجہ سے اس نے اُداس چہرے

نمایان ہو گئے تھے اور جو اس وقت کی پھٹکی ہوئی چاندنی میں اچھی اچھی طرح پڑھے بھی جاتے تھے سو سن دیکھتے ہی تار لگی۔ فوراً اس کے چہرے کا رنگ بدلا۔ آنکھ بھری نقشہ بگڑا اور وہ سب آثار اس کے چہرے پر نمایان ہو گئے جو ایسے موقع پر انتقام لینے کی حالت میں غصے کی وجہ سے ہو جانا چاہیے مگر جو اذ کے ہوش و حواس اس وقت اس قدر کہاں بجا تھے کہ وہ ان کو دیکھ کر اس کی اندرونی کیفیت کو محسوس کر سکتا۔ سو سن نے پڑے ضبط کے ساتھ اپنے اس جوش کو روکا جو ہر شخص کے غم میں ایسے اوقات پر رشتہ اور قربت کی وجہ سے ہو جانا چاہیے۔ اور بہت نرمی اور ملامت کے ساتھ اس طرح پوچھنے لگی بے ہان سچ بات ہی مگر کیا تم نے انکو اپنی آنکھوں دیکھا ہی جو اس طرح کہتے ہو ؟

جو آؤ ایک جوش کی حالت میں ہاں ہاں میں نے دیکھا تھا۔ انھیں آنکھوں سے آہ انھیں آنکھوں سے دیکھا تھا۔ آج ہی تو جب وہ شانہ ادبی صاحب کے پاس گئی تھیں اور اس وقت بھی جب وہاں سے واپس آئی تھیں۔ گراہ بہت ہی بری وہ گھڑی تھی جس میں میری آنکھوں نے میسر ساتھ یہ دشمنی کی۔ اس جگہ کو جڑانے اپنی بھڑائی ہوئی آواز میں بہت مشکل سے جگہ جگہ کر ادا کیا اور جب شہت گریہ نے بالکل اس کو بے قابو کر دیا تو زبان بھی ایک سکتے کے عالم میں آکر اس کا حال دیکھنے لگی اور یہ بے اختیار رہ کر سو سن کے پاؤں پر گر پڑا۔

سو سن ۛ ہین! ہین! یہ کیا! اچھے شہی تو نہیں ہو گیا ہی۔ میں کہتی تھی آج یہ کیسا میسر حال پر عنایت ہو کہ ساتھ ساتھ چلے آتے ہین۔ یہ کیسے۔ اب حال کھلاواہ اچھے ملے۔ اور بگڑ کر بڑبڑاتی ہوئی اپنی راہ چل دی۔

جو اذ کے رنج و غم میں پیچودی کا بہت بڑا حصہ ملا ہوا تھا جس نے اس کو سبقت چھین دے حرکت کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ اسی رنج و غم اور سکوت میں وہیں بیٹھا رہا مگر پھر چار ہو کر اٹھا اور اپنی حالت اور باتوں پر افسوس سن کر رہا۔ وہاں پہنچا جس کو اس طرح بے موقع اشارہ و کنایہ میں بھی ابھی کسی کے ساتھ جھگڑے سے نہیں نکالنا چاہیے تھا۔

جغفر اپنے گھر میں بیٹھا ہوا ہی۔ سو سن سنس کو کچھ بتانے کے لیے کچھ عرصہ ہو گیا ہی

مگر آپ تک اس کے دل کی وہی حالت ہو جو سوسن کے سامنے تھی نہیں بلکہ کچھ اُس سے بھی زیادہ۔ اسوقت تو یک بیک سوسن کے آجانے کا تپیر اور اچھٹھا اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ اسکو اپنا خیال دوسری طرف لیجانے کا بھی بالکل موقع نہ تھا مگر یان آپ اس ہجرت میں کچھ کمی ہو چلی ہے اور آنے والے خیال حسن و عشق کے رنگ میں ڈوبے ہوئے اس کے دل میں ایک نئی کیفیت پیدا کرتے چلے آتے ہیں جو اس سے پہلے اسکی طبیعت میں تھی۔

گو سوسن کے اسوقت آنے اور اسکی معمولی باتوں سے بظاہر کسی قسم کا لگاؤ نہیں پایا جاتا تھا کہ خواہ مخواہ جعفر کے دل میں کسی قسم کا خیال پیدا کرنے کا باعث سمجھا جاتا۔ مگر مائے واہد حسینوں کی تو ہر بات غضب کی ہوتی ہے۔ اُن کے معمولی اشائے اور کنایہ بھی اپنی دلبری کی صفت کے ساتھ وہ ستم ڈھادیتے ہیں کہ الامان الحفظ۔ عباس کے استخبار مزاج کے لئے سوسن کو بھیجا اور شہستان عشرت میں اسکی عارم شرکت کی وجہ دریافت کرنا اور وہ بھی رسم زمانہ اور ظاہری کے طور پر نہیں بلکہ اس طریقے کے جس کے ہر پہلو میں خلوص محبت کی ہزاروں دلفریب صورتیں چھپی ہوئی کھڑی تھیں یہ کچھ ایسی دل بھالنے والی باتیں تھیں کہ جعفر نے پاو جو اپنے غفلت۔ استقلال مزاجی اور خوداری کے اپنے دل کو کسی قدر بقیابو پایا۔ عباس کی وہ خیالی صورت جسکا نقشہ اس کے حس مشترک میں ابھی کچھ پورن سا کھینچا پایا تھا اسوقت قوت شہرہ کے زور سے اسکی آنکھوں کے سامنے کچھ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ یہ ایک مرتبہ اپنی لچائی ہوئی لٹ سے دیکھ کر بہت پراسوس لہجے میں کہنے لگا کہ آہ محکمہ نہیں معلوم تھا کہ عباس کو میرے ساتھ اس قدر تعلق ہی ورنہ میں اسقدر پروردہ کا اہتمام کیوں کرتا آہ میں نے اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا۔ اپنے حق میں اپنے ہاتھ سے کسی نے ایسا نہ کیا ہو گا۔ شہستان عشرت میں بار بار اس کا دیکھنا بیشک اسی بنا پر ہو گا۔ اور عجب نہیں جو یہی رنج و غم ان کے اسقدر ضعف اور علالت کا باعث بھی ہوا ہو۔ افسوس صد افسوس! اچھے سے بڑی غلطی ہوئی۔

یہ کچھ ایسی موثر باتیں تھیں کہ گو کسی اور کے کانوں تک تو پہنچنے نہیں پائیں مگر ہاں جس شخص کی زبان سے نکل رہی تھیں اس کے دل پر ان کا پورا اثر

پڑ گیا۔ ایک اختلا جی کیفیت قلب میں پیدا ہوئی اور یہ سہ تمام کچھ اس طرح سکوت میں آگیا کہ گویا کسی بُرے امراہم میں غور کر رہا ہو۔ اس غور میں جو بالکل بیخودی کی حالت سے مشابہ تھا اور جس میں ہوش و حواس سے کچھ کام نہیں لیا جاتا تھا سترہ سترے رنگ کی ٹٹھنی ہوئی چنگاریاں معلوم ہوئیں جو پہلے کچھ ایسی دلفریب اور خوشنما معلوم ہوتی تھیں کہ بے اختیار تماشا ہی دیکھنے کو جی چاہتا تھا اور پھر ذرا ہی دیر میں وہ ایسی بد نما اور بیہیت ناک معلوم ہوتی تھیں کہ دیکھنے والے کا دور ہی سے سارا بدن خوف اور اندیشے سے کانپ جاتا ہو۔ رو میں کھٹکے ہو جاتے ہیں اور وہ بے اختیار آنکھیں بند کرنے پر مجبور ہو جاتا ہو۔ مگر آہ۔ ابھی اچھی طرح نہیں جانتا تھا کہ یہ کیا ہو۔ یہ اس کی عاقبت اندیش عقل کے تقرفات تھے کہ جو خانہ خراب عشق کے بُرے نتائج کی ڈراونی صورتیں پہلے ہی دکھا رہی تھی۔ اور وہ اس آتش عشق کے شعلے تھے کہ اس کے خرمن صبر و قرار کو خاک سیاہ کرنے کے لیے آہستہ آہستہ اس طرف کو بڑھ چلے آتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عباسہ کا پیام جھٹکے دل کے ساتھ اس وقت بی طرح لگاؤ میں کر رہا تھا وہ استنجا ر مزاج کا کلمہ تنہا جو اس کے پاس کھلا بھیجا گیا تھا وہ دل کا نسخہ کرنے والا جاوہ تھا یا محب کا موثر عمل جو اس پر پورے طور پر عمل گیا جس طرح کسی قاور انداز کا تیسر۔ وہ تیر جو بالکل دل میں ترازو ہو گیا ہو۔ آہ جو کاتے کی طرح دل میں کھٹک رہا ہو۔ نہیں جسکی غلط فہم بھر بھی چپٹی لینے دیتی ہو۔ وہ اپنے دل کو برا بھلا بھی کہتا تھا۔ سمجھنا تا بھی تھا۔ مگر نہ اس کا دل ہی وابستہ اور ہر حالی تھا اور نہ محبت ہی ایسی محبت تھی جو عارضی طور پر کج ہی ہو گئی ہو۔ بلکہ ایک عرصے کی چھپی ہوئی محبت تھی جو تپ دق کی طرح اندر ہی اندر اپنا کام کر رہی تھی۔ اور اسے وہ اس سے غافل تھا

اس کے دل کا میلان طبیعت کا تعلق گواہی کہ تھا مگر پھر بھی جبکہ رخصتا وہ بہت مضبوطی کے ساتھ تھا جس کے کم کرنے کے لیے کم سے کم اس قدر زمانہ کی تو ضرورت تھی جن میں اب تک اس نے نشو و نما پایا۔

اب اس کے دل کا اکثر یہی تقاضا تھا کہ وہ عباسہ کی پیاری صورت کو کسی طرح

ایک مرتبہ دیکھتا کہ وہ آپ اسکی کس طرح امید ہو سکتی تھی سبستانِ عشق میں کس نے جانے کی وجہ سے آپ یہ ایک بہت مشکل امر ہو گیا تھا اور اگر بظاہر کسی قدر آسان بھی تھا تو اسکے اندیشہ مانے دور و دراز نے اسکو دستِ قدر و شوار کر دیا تھا جس قدر کسی بے نام و نشان معشوق کا ملنا خیال کیا جا سکتا ہے آپ اس کے دل میں وہ نئی نئی خواہشیں پیدا ہوتی جاتی ہیں جو یوں تو شائبہ کبھی نہ پیدا ہو تیں مگر مجبوری کی حالت میں انسان کی جلی حرص سے خواہ مخواہ پیدا ہی ہو جاتی ہیں مگر شہسب ہی کہنا امید ہی اسکے قابلِ قدر شوق کا مطلق لحاظ اور پاس نہیں کرتی ہے اور وہ سب منت اس کے زبردست ہاتھوں سے حرفِ غلط کی طرح مٹائے جاتے ہیں جتنا نقشہ اسکا پاکبازانہ شوق بنا رہا تھا۔

دسواں باب

اچھے پھنے

مجھے شمعِ دوہزم میں دل کو دیکھوں
گر جی ہو کوئی شوقِ بعض سے نکل کر

جو واقعات اس سے پہلے والے باب میں گذرے انہر ایک سرسری نظر و ڈرانے سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اب جعفر اور عباس کی وہ اچھین شاید کسی قدر کم ہو گئی ہوگی جو اس کی ظاہری بیگانگی اور لاعلمی کی وجہ سے دونوں طرف دونوں میں پیدا تھی۔ مگر نہیں واقعی حالات کے اعتبار سے یہ ایک بالکل خلاف واقع امر تھا۔ عموماً کے فقط ایک مرتبہ آنے جانے اور اس دور کے سوال و جواب نے بالکل آئینہ فکر ایک کو دوسرے کے دل میں حال سے مطلع کر دیا اور وہی واقعیت قول قرار اور عباد و بچان کی متاثر مقام بن کر چھپی ہدی محبت کے اوجھار سے اور ترقی دینے کی باعث ہو گئی ہے جعفر کا حال تو ابھی ہم دکھائے ہیں مگر اسے آپ ہم اپلو کچھ عباس کی بھی کیفیت دکھائیں۔

عباس نے جسوقت سے سوسن کی ربانی اپنے اسی سوال کو جواب سنا ہے جسکو سے استغفار مزاج کے پردے میں کھلا بھیجا تھا۔ اسوقت سے اسکی حالت بدلتی رہی ہے۔

جسکا اندازہ کسی قدر اس امر سے ہو سکتا ہے کہ جب جفر کے پاک اور مضبوط دل کی باوجود
 اُن طرح طرح کے خیالات اور اندیشوں کے یہ حالت ہو گئی جو اپنی ہیئت تک صورت
 دکھ دکھ کر ہر وقت اس کو ڈراتے تھے تو عباسہ کی کیا حالت ہو گئی!۔
 اس کے دل میں تو جعفر کی محبت بہت مضبوطی کے ساتھ قبضہ کیے ہوئے تھی۔
 آہ اسکا دل تو محبت سے اسی طرح بھرا ہوا تھا جس طرح کوئی بھرا ہوا ہوا اور فقط
 چھڑنے ہی کی دیر ہو جس کے لینے وہی سو سن کا ایک مرتبہ کا جانا کافی ہو گیا۔ ولین
 کچھ اور ہی کیفیت پیدا ہو گئی۔ محبت کی وہ دہنی ہوئی آگ جھٹک اٹھی جس میں سے
 کچھ تھوڑا تھوڑا دھواں تو پہلے ہی نکل رہا تھا مگر ہاں ناچرخہ کاری کی وجہ سے
 وہ عشق اور محبت کی آگ یقینی طور پر نہیں سمجھی جاتی تھی۔ روز بروز جعفر کی محبت
 اس کے دل میں جگہ کرنے لگی اور اس کی بدیہی نشانیاں اور انداز سے بھر
 ابھر کر اسکے چہرے کی نازک اور شفاف جلد سے نمایاں ہونے لگے جس پر عشق
 نے اپنا رخسار غوانی پوڈ پھیر دیا تھا۔ گو اس پر بھی اس نے انظارِ راز میں کامیابی
 کے ساتھ اس قدر کوشش کی کہ دیکھنے والے کو بجز ایک قسم کے معمولی ضعف
 اور غفلت کے اور کچھ اس کے چہرہ سے معلوم نہیں ہو سکتا تھا مگر تاہم سو سن اسکے
 حالات سے کسی قدر آگاہ ہو گئی تھی اور وہی اُن نازک حالتوں میں کسی تندر
 اسکی ہمارا درموش بھی نہ جاتی تھی جب وہ خفا ہو کر اپنے دل سے بھی کچھ کہنا نہیں
 چاہتی تھی۔

اسی میں کوئی شک نہیں کہ عباسہ کی مجبوری کی حالت ایک مضمت مزاج آدمی کو
 بہت بڑے افسوس کے ساتھ زلادینے والی حالت تھی۔ وہ ایک بہت بڑی
 نازک مزاج اور با اختیار مشاعرہ آدمی تھی۔ بڑے بڑے سلاطین اور شاہزادے
 اسکو اپنی بیاد میں بیوی بنانے کی فکر میں سرگردان اور پریشان تھے مگر عباسہ کو
 اسکے غور حسن نے آج تک اسکو ناخدا رکھا تھا فقط ایک اس جگہ پر تو اس کو
 اپنے اپنے دل سے کچھ ہاتھوں سے مجبور ہو جانا پڑا تھا۔ اسکا بڑھا ہوا شوق اس کے
 دل کا تقاضا اس کو بار بار اس امر پر مجبور کرتا تھا کہ وہ اپنے دل کی حالت کسی
 ذریعہ سے جفر کے کاغذوں تک پہنچاتی مگر اسکی عصمت مافی اسکی پاریسائی اور اسکی

قدرتی جانے بجز اس دن کے جس میں اس نے استعجازِ مزاج کے لیے ایک بار سوسن کو اسکے پاس بھیجا تھا پھر کبھی اس کی حیرت نہیں لائی کہ وہ کچھ بھی اس باب میں اپنی طرف سے تحریک کرے۔

ایک روز شام ہو رہی تھی اور عباس اپنے بالا خانے پر بیٹھی ہوئی بڑے افسوس کے ساتھ اپنے انہین خیالات پر غور کر رہی تھی جو عیدگی کے اعتبار سے اُن گھونگر والے بالوں سے مشابہت رکھتے تھے جو اس کے سر پر تھکے ہوئے بڑے غور کے ساتھ اس وقت بھی بن کی لے رہے تھے۔ دل کے اضطرابِ طبیعت کی انہین اور اس کے ضبط سے گھر گھر کر اُدھنے والے بخارات جو اس کے چہرے پر پسینہ بنا کر نکل آئے تھے اُن کے خشک کرنے کے لیے اس وقت کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔ اس وقت کی یہی سی دھوپ اسکے چہرے کو اوداس دیکھ دیکھ کر بڑی ہمدردی اور افسوس کے ساتھ زبرد ہو گئی تھی اور آفتاب کے روشن کرہ میں بود و باش رکھنے والی مخلوق خانہِ مغرب میں جھکی ہوئی اس کے حصولِ مطلب کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی کہ ایک خواص حاضر ہوئی اور آدابِ تسلیمات بجا کر اس طرح کہنے لگی ”حضور عالی۔ بادشاہ سلامت آپ کو یاد فرماتے ہیں“

عباس ”کیون خیر تو ہے؟“ یہ خلاف معمول اس وقت کسی طلبی!“

وہی خواص ”جی ہاں حضور کے اقبال سے سب خیریت ہو مگر لونڈی کو معلوم نہیں کیا وجہ ہے۔ شبستانِ عشرت میں اس وقت تنہا تشریف رکھتے تھے۔ ارشاد فرمایا کہ جب کہ شاہزادی صاحب کو بلا لاؤ“

عباس ”تنہا!۔ اور کوئی نہیں؟“ (اپنے دل سے) معلوم نہیں کس نے بلاتے ہیں۔ کیا بات ہو (اسی خواص سے) اچھا ذریٰ غمزدہ۔ چلتی ہوں۔ ناز تو پڑھ لو۔ مغرب کا وقت آگیا ہے۔ وہاں باتوں میں دیر ہو جائے گی“

یہ کہہ کر وضو کے لیے پانی مانگا۔ خلوصِ قلب سے نماز ادا کی اور نہایت تفریح اور زاری سے وہی دعائیں مانگیں جو دردِ دل کے دور ہونے کے لیے اکثر اوقات یہ مانگا کرتی تھی۔

دعائیں اپنے اس طویل طویل سلسلے کو ابھی ختم ہی نہیں کرنے پائی تھیں جس میں عباد کو ایک خاص حکم

دلچسپی تھی اور یا جو در اجابت تک پہنچنے کا قصد بھی رکھتی تھیں کہ ایک دوسری خواص نے حاضر ہو کر وہی کچھ عرض کیا جو پہلی خواص نے۔

گو عباسہ کا دل اب عرصہ سے کہیں آنے جانے کو نہیں چاہتا تھا مگر کچھ عجیب اتفاق کی بات تھی کہ خلاف معمول آج اسوقت آپ ہی آپ اس کے دل میں کچھ اس قسم کی خفیف خوشی پائی گئی جو بالکل اسکو نا آشنا سی معلوم ہوئی یا وہ اسکو اسوجہ سے اسوقت پہچان نہیں سکتی تھی کہ آج بہت عرصے کے بعد اسکی صورت دیکھنے میں آئی تھی۔

وہ جلدی جلدی اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر اور پھر اسطرح کو متوجہ ہوئی جہاں با رشید اسوقت تشریف رکھتا تھا۔

اسکو آتے دیکھ کر نیچے اسوقت کو بہت سہانا بنا دیا تھا۔ شام کی چلنے والی ہواؤں نے اسکی نزاکت رقتار نے دیکھ کر اپنی تیزی کو کم کر دیا تھا۔

اسکی زلف سیاہ کا عکس آسمان پر پڑ رہا تھا اور ایک قسم کی ہلکی سیابھی چاروں طرف پھیل رہی تھی جسکا اثر درختوں پر پڑ کر ایسی ہری ہری پٹیوں کو سبزی کو گہرے رنگ میں رنگ رہا تھا۔ شاخیں خوشی سے جھوم رہی تھیں اور بیر لینے والی چڑیاں انہر بیٹھ بیٹھ کر فرط طرب سے چہچہا رہی تھیں۔

عباس نے جو وقت شبستان عشرت کے احاطہ میں تدم رکھا اس کا دل بے اختیاری کے ساتھ اوچھل پڑا۔ گو وہ اپنے قلب کی یہ حالت دیکھ کر اس امر کا تو امتیاز اچھی طرح نہ کر سکی کہ قلب کی یہ حرکت کسی ہونے والی خوشی کی وجہ سے ہو یا کسی آنے والے غم کے سبب سے۔ مگر ہاں ایک بار اس کی آنکھوں کے نیچے ہو ہو نقشہ تو غم پر پھر گیا جو پہلے کبھی جھٹکے آنے جانے کے زمانے میں شبستان عشرت کا دیکھا جاتا تھا۔ بے ساختہ اسکی زبان سے آہ نکلی اور اگر سامنے سے ہارون رشید کی اسطرح آنیوالی نگاہ اس کو ہوشیار کر کے سنبھال نہ لیتی تو قریب ہی تھا کہ اس کے دل کی سنسناہٹ اسکو بے اختیار کر کے وہیں گرا دے۔

ہارون رشید شبستان عشرت کے بالاحسانے پر اس وقت رونق افروز تھا۔ خواصین علیحدہ مودب کھڑی تھیں۔ ایک سکوت کا عالم تھا۔

اس کے چہرے پر بے انتہا غور اور فکر کے آثار نمایاں تھے اور اس طرف کو اسکی لڑائی تھی
مگرا میں بتا رہی تھیں کہ یہ شاید عباسہ ہی کے آنے کا منتظر بیٹھا ہو۔
عباسہ اگر ایک نیم تخت پر بیٹھ گئی اور معمولی مزاج پر سی کے اس طرح گفتگو کا سلسلہ
شروع ہوا۔

ہارون رشیدؒ باجی آجکل میں نکو بہت ضعیف پاتا ہوں۔ شبستانِ عشرت کا
آنا بھی تیسے بہت کم کر دیا ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے؟

عباسہؒ جی ہاں آپ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ آج کل فصلِ حدت کس درجہ بڑھی ہوئی ہے۔
بالکل غذائین ہوتی۔ دل پر ہر وقت گرمی سی رہتی ہے۔ بس اسی وجہ سے شاید کچھ ضعیف
ہو گیا ہو گا۔ درہ یون تو آپ کے اقبال سے اچھی ہوں۔ مگر میں دیکھتی ہوں کہ حضور عالی کا غیر تو
کچھ مجھ سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

ہارون رشیدؒ ہاں تمہارا خیال صحیح ہے لیکن تم جانتی ہو اسکی جہ کیا ہے؟

عباسہؒ (گھبرا کر) نہیں۔ مجھے نہیں معلوم ہے۔ غیر تو ہی اس فرمائیے؟

ہارون رشیدؒ یہ تو تم بھی اچھی طرح جانتی ہو اور سب لوگ بھی خوب جانتے ہیں
کہ جھنڈ کے ساتھ جھکو کس درجہ محبت ہے۔ بیشک اگر وہ محبت جو جھکو تمہارے ساتھ
ہے اگر کچھ بڑھی ہوئی نہ ہوتی تو میں بہت یقین کے ساتھ کہہ سکتا تھا کہ دنیا میں اس سے
زیادہ کسی کو کبھی کسی کے ساتھ محبت نہیں ہو سکتی جو مجھے جھنڈ سے ہے۔ شبستانِ عشرت
میں اسکی آمد و رفت کو میں نے خود ہی موقوف کیا اگر خدا علیہ ہی کہہ دے تو وہ شریک
محبت نہیں ہوئے اس لئے اس سے پھر بھی نفہ و سرو کا لطف نہیں ملا اور نہ ملے گا
اور بھی ایک ایسا قوی سبب ہے کہ جب جھکو اسکا خیال آجاتا ہے تو طبیعت منقبض ہو جاتی
تو اور کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

آہ یہ وہ باتیں تھیں۔ یہ وہ افسوس پیدا کرنے والا تذکرہ تھا جو عباسہ کے
کانون کو تو کچھ اچھا معلوم ہوتا تھا مگر اس کے دل میں ایک قسم کی حسرت پیدا کر رہا
تھا۔ ان باتوں کے جواب میں موقوف کے اعتبار سے اور نیز ہارون رشید کے خیال
سے جو باتیں اس وقت اس کے ذہن میں آتی ہیں وہ اس کی دلی خواہش
اور شوق سے کچھ ایسی جھنڈان میں کہ وہ دل سے زبان تک لاتے ہوئے

ہزاروں جگہ پس و پیش کرتی ہو۔ آہ۔ اس کے دل کا چور۔ اسکی خلقی جیا اسکوان باتوں کے کہنے کی کیس طرح اجازت بھی نہیں دیتی تھی اور بغیر کچھ کے اسوقت چپ رہنے کا محفل بھی نہیں تھا۔ بالآخر اس کو وہی کہنا پڑا جسکو وہ کہنا تو چاہتی تھی مگر ہاں شرارتی تھی یعنی وہ اس طرح کہنے لگی "میں نہیں جانتی یہ کونسی ایسی مشکل بات ہو چکا آپ کو اسقدر امتیاز ہو۔ وزیر اسطنت کے ساتھ اگر حضور کو ایسی ہی خصوصیت ہو تو وہ کیوں نہیں بلائے جاتے کون منع ہو؟"

بارون ریشید "کون منع ہو آہ اگر کوئی منع کرنے والا نہ ہو تو تم خیال کر سکتی ہو کہ میں اسکو نہ بلاتا۔ تمکو سخت تعجب ہو گا جب میں یہ بتاؤں گا کہ اس کا منع کرنے والا کون ہو۔ اس کی منع کرنے والی تم ہو۔ تم اس کا مطلب یہ نہیں ہو کہ تم نے کیا یا تمہارے کہنے سے میں نے ان کا آنا جانا موقوف کیا ہو نہیں بلکہ تمہاری وجہ سے۔"

عجاس سمجھ تو رہا تھا جان آپ نے تو اسوقت مجھ کو پریشان کر دیا خدا جانے کیا کیا خیالات اسوقت میرے دل میں آگئے تھے۔ معاذ اللہ۔ ہوشش اڑ گئے۔ اچھا۔ اگر میری ہی وجہ سے آپ ان کو نہیں بلاتے ہیں تو میں نہ آیا کروں گی۔ بس۔ ان کو بلایا کیجیے۔ اور اب تو یوں ہی میں بہت کم خاصہ ہوتی ہوں۔"

بارون ریشید "باجی۔ کیا تم خیال کر سکتی ہو کہ تمہاری عدم شرکت میں شہستان عشر میری نظر میں شہستان عشرت معلوم ہو گا۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ایسی حالت میں تو مجھ کو اس سے بھی زیادہ بے لطفی اٹھانی پڑے گی جتنی کہ اب؟"

عجاس نے (ہمت غور کے بعد) چہرہ اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ میں نے تو آپ کی خوشی کے لیے یہاں تک پہنچائی کہ اگر آپ بھی اس بے پردگی کے ساتھ بھی آتی جاتی تھی۔ یہ تو بڑی مشکل ہوئی۔ پھر اسکی کوئی تدبیر؟"

بارون ریشید "ہاں ایک تدبیر سیکھ دو میں اتنی ہی بشرطیکہ تم بھی اسکو پسند نہ کرو۔"

عجاس نے (حیرت کے لمحے میں) میں کیا اور میری پسندی کیا۔ مگر آپ فرمائی ہیں

مین بھی سن لوں گی“

بارون رشیدؒ بان مین کتاہوں مگر وہ اسوقت علائقہ کئے کی نہیں ہے۔
 (خواہنوں کی طرف اشارہ کر کے) تم سب جاؤ اسوقت کسی کی ضرورت نہیں ہے“
 اور وہ سب حکم پاتے ہی اسی طرح ادھر ادھر ہو گئیں جس طرح حیت کے مارے
 عباسہ کے ہوش و حواس اس کے پاس سے رخصت ہو گئے تھے۔ دونوں
 نے اپنے نیم تختوں کو احتیاطاً قریب کر لیا اور بہت دبی زبان سے کچھ باتیں
 ہونے لگیں۔ ہوا کی رفتار اس وقت بہت شست تھی۔ اس نے اپنے ستائے کو
 کم کر کے بڑے شوق کے ساتھ اپنے کان آواز پر لگا دیئے تھے مگر اسوقت بہ باتیں
 کچھ اس آہستگی کے ساتھ ہو رہی تھیں کہ اس کے سننے کے لیے ہر چیز کی سماعت
 اپنے عجز کا اعتراف کر رہی تھی۔ بارون رشید کے آہستہ آہستہ جھیش کرتے ہوئے
 ہونٹھ بتا رہے تھے کہ جو باتیں اسوقت اُن سے نکل رہی ہیں ان پر ان کو خیر سے
 خود ہی اس قدر حیرت ہوتی جاتی ہے کہ اچھی طرح ذہ حرکت بھی نہیں کر سکتے۔ باتیں
 گو عباسہ سے ہو رہی ہیں۔ مگر اس کی آنکھیں عباسہ کی طرف نہیں
 ہیں بلکہ وہ ایک دوسری طرف کو پھری ہوئی اس امر کو ظاہر کر رہی ہیں کہ جو باتیں
 اس وقت بارون رشید کر رہا ہے وہ عباسہ کے سامنے بالمشافہ
 نہیں کتا چاہتا ہے اور نہ کہہ سکتا ہے مگر کوئی شدید ضرورت اس کو
 اس وقت اس کہنے پر مجبور کر رہی ہے۔ عباسہ کا سر جھکا ہوا تھا۔
 چہرے پر شرم اور حیا کا قدرتی زرد رنگ اوڑا ہوا نظر آتا تھا۔ شرم اور
 غیرت سے اس کی خلقی حیا کے جوش کھانے والے اجڑا پسینا بن بنکر نکل رہے
 تھے۔ آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اور اس کی شرمائی ہوئی نظر کچھ اس طرح آنکھوں
 سے ٹک ٹک کر باہر نکل رہی تھی کہ جو سطح زمین تک پہنچنے بھی نہیں
 پاتی تھی کہ پھر شرمناک آنکھوں مین پلٹ جاتی تھی اس کی آنکھیں کسی طرح ادھر
 نہیں اٹھتی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارے دنیا کے حسینوں
 کی آنکھ مین جس قدر حیا ہونی چاہیے وہ سب سمٹ کر اس وقت اسی کی
 اُن بڑی بڑی آنکھوں مین آگئی ہے جو اس وقت بار شرم اور حیا کی وجہ سے

اچھی طرح کھل نہیں سکتی تھیں۔ اس کے چہرے کی صاف جلد کے نیچے بعض بعض اوقات خوش کی خبر دینے والی خون کی سرخ سرخ جھلکیاں بھی نمودار ہو جاتی ہیں لیکن قیام اس سے زیادہ نہیں ہوتا جس قدر کہ حسنین کی نظر عنایت یا ان کے جھوٹے وعدوں کا ہونا چاہیے۔

ہارون رشید تو اسی طرح آہستہ آہستہ باتیں کر رہا ہو مگر عباسہ سپیکر تصویر یا ثبت بنی ہوئی چُپ بیٹھی ہو اور زبان سے ایک حرف بھی نہیں نکالتی۔ آہ۔ اگر اس وقت کوئی سخت دل کئے والا اس پر بیجاں قالب کا اطلاق کرتا تو شاید اس کے دیکھنے والوں کو کسی قدر گھبرا دینے کے لیے اس کا کتا کافی ہو جاتا۔ اگر وہ ٹھٹھٹھی ٹھنڈی سانسین نہ لیتی ہوتی اور اس کے چہرے پر چمک مکٹ باقی ہوتی جو زندگی میں پائی جاتی ہو۔

بیشک وہ مسکوت سمجھی جاتی اگر اس وقت اس کے تکیہ لگا کر بیٹھنے کی ہیئت لگتی اس کی با اختیار نشست پر دلالت نہ کر جاتی۔ اس پر جمود و شخص کا ذکر و اطلاق ہو جاتا اگر کسی کسی وقت اس کا ہاتھ اس کے دھڑکنے والے دل کے سنبھالنے کے لیے اس کے سینے کی طرف نہ اٹھ جاتا۔ عباسہ اسی طرح چپ بیٹھی ہوئی ہارون رشید کی گفتگو سن رہی تھی کہ یکبارگی باتیں کرتے کرتے ہارون رشید کے چہرے کی طرف دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ جسٹس میں اس وقت گفتگو کر رہا تھا اس میں شاید کسی قدر اس کو کامیابی ہوئی ہو کیونکہ اس وقت اس کے ہونٹھوں پر کچھ یوں ہنسی سم کی کیفیت پیدا ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہو چکے تھے اس نے فوراً ایک خواص کو پکارا اور وزیر السلطنت جعفر کے لانے کا حکم دیا اور پھر عباسہ سے کچھ باتیں شروع کر دیں۔ چونکہ ان باتوں میں بھی عباسہ کی جیا اور شرم کی وہی پہلی سی حالت تھی اس وجہ سے خیال کیا جاسکتا ہو کہ یہ بھی شاید اسی قسم کی باتیں ہیں جو پہلے ہو رہی تھیں مگر نہیں معلوم یہ کس قسم کی باتیں ہیں جو اس قدر احتیاط کے ساتھ کی جاتی ہیں اور کون سی ایسی قومی وجہ ہو

کہ جس نے عباسہ سی بائیں کرنے والی عورت کی تیس زبان پر ایسی ہرکوت لگا دی ہو کہ وہ چپ بیٹھی ہو اور بات بھی نہیں کر سکتی! لیکن ہاں اس درمیان میں جعفر کی طبی غور کرنے والے شخص کو اس امر کا یقین دلا سکتی ہو کہ عجیب نہیں جو اس کو بھی ان باتوں سے کچھ تعلق ہو۔

تھوڑی دیر ہی میں جعفر کے آنے کی اطلاع ہوئی اور عباسہ کی شہم اور جیسا بے باوجود اس بڑھے ہوئے شوق اور تمنا نے ملاقات کے جو وہ جعفر کے ساتھ رکھتی تھی اس کو وہاں سے اٹھ جانے پر آمادہ کر دیا۔ وہ سلام کر کے جانا ہی چاہتی تھی کہ ہارون رشید نے کہا: "نہیں۔ تم یہیں بیٹھی ہو۔ شکار ان سے پہلے عینہ ہی ملنا چاہیے" اور یہ لکڑاٹھ کھڑا ہوا اور اسی شہستان عشرت کے نیچے والے کمرے میں جا کر جعفر کے ملاقات کی جعفر آداب قیامت بجالایا اور پھر معمولی باتوں کے بعد اس طرح گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔

ہارون رشید یہ کہتے اس معاملے میں آپ نے غور کر لیا ہے؟ جعفر بھی ہاں۔ غور تو میں اسی وقت سے کر رہا ہوں جب سے آج حضور نے خبر دیا تھا۔ مگر حضور میری عقل کچھ اس معاملہ میں کام نہیں کرتی ہے۔ ہوش و حواس بالکل اڑے ہوئے ہیں اور میں کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ مجھ کو اس معاملے میں کیا کرنا چاہیے۔ خدا ہاں، والا سے آج تک میں نے کسی امر میں غور نہیں کیا اس امر کا کرنا ایک ایسا مشکل امر معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی جان و دینا تو سہل سمجھتا ہوں اور اس کو مشکل۔ آہ بالکل مشکل نہیں ہو سکتا۔

اس وقت جعفر کے چہرے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ کسی سخت انتشار میں مبتلا ہے۔ اس کا چہرہ بالکل غلین تھا۔ اودا سی چھانی ہوئی تھی اور اس کی زبان سے جو کلمات اس وقت نکلے تھے وہ اس کے انتہائی درجہ کے اضطراب اور مجبوری کی خبر دیتے والے تھے۔

گویا کلمات جعفر نے بہت گھبراہٹ کر کے اور ان میں بے ادبی کا کہیں لگاؤ بھی نہیں تھا لیکن ہارون رشید کے چہرے کے دیکھنے

سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاہ جعفر کی یہ تقریر اس کے مزاج کے بالکل خلاف ہوئی۔ اس کے چہرے پر روزِ معمول سے زائد کچھ عسری بڑھنے لگی۔ اور چہین ابرو کسی زلف پریشان کی طرح جل کھا کر کچھ اس کے اندر بینی مزاج کا خاکہ ڈھالنے لگی۔ سب لوگوں کو سخت حیرت ہو گئی کہ یہ کیا معاملہ ہو گیا۔ ایسے سوال کیسے جواب دیں۔ وہ کون سی ایسی بات ہو کہ جعفر نے جس سے اس طرح انکار کرتا ہو اور یہ کیوں اس کا انکار جعفر کے مزاج کے اس قدر خلاف گذر رہا ہو؟ لیکن اگر آپ فقط انھیں باتوں پر غور کریں جو آپ کے کانوں تک پہنچی ہیں تو کیا عجب ہو کہ ان سب تعجب خیز باتوں کی اصل وجہ بھی آپ کے ذہن میں آجائے۔

ہارون الرشید کو جعفر اور عباس کے ساتھ جس قدر خصوصیت ہو اس کا امانتاً نہ آپ پہلے ہی کہہ چکے ہوں گے اور اسی اعتبار سے آپ یہ یہ بھی خوب سمجھ سکتے ہیں کہ شہستان عشرت میں جعفر نے شریک کرنے کا اس کو کس قدر صدمہ ہو گا اس نے پردے کے خیال اور شرعی مانعت کی وجہ سے گو جعفر کو بلانا جب راقم موقوف تو کر دیتا تھا لیکن وہ عیش و عشرت کی محبتیں اس بدن سے اس کی نظر و دل میں بے لطف اور سوئی ہو گئی تھیں اور اس کا دل کسی طرح اس امر پر راضی نہیں ہوتا تھا کہ وہ بغیر جعفر کے ایک لحظہ بھی وہاں بیٹھ سکے۔ وہ اس دن سے آج تک اسی فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح اس کی کوئی تدبیر نکلے۔ لیکن اس کی کیا تدبیر تھی! بنا کامیابی ہمیشہ اس کی اس آرزو کا خون کرنے کے لیے اپنی صورت بدل بدل کر اس کے سامنے آیا کی اور کبھی کوئی ایسی صورت اس کے ذہن میں نہیں آئی کہ یہ سوہان روح رنج اور غم اسکے دل سے جاتا۔ بالآخر بہت مجبوری کے ساتھ اس نے اس امر کا حکم تصدیق کر لیا کہ وہ جعفر کے ساتھ عباس کا عقد کر دے تاکہ اس ذریعے سے بے پردگی کی وہ حسرت بھی جاتی رہے جس نے شہری تازیانہ

بنکر شہستان عشرت سے جعفر کو تھوڑے دنوں کے لیے نکال دیا تھا اور وہ باہمی بات چیت اور دیکھ بھال بھی شرعی طور پر جایز ہو جائے چلنے نہ ہونے سے اب تک ان دونوں پر ایک خوشی کا عالم طاری رہتا تھا۔

ہارون رشید نے آج ہی صبح کے وقت جعفر سے اپنے اس قصہ کو ظاہر کیا تھا اور اس کو اس امر کی قوی امید بھی تھی کہ یقیناً بطیب خاطر یہ منظور بھی کر لیا جائے گا۔ لیکن جعفر کی دوراندیشیوں نے اس کے خیال کے خلاف آج صبح کو بھی ثابت کرنا چاہا تھا اور اس وقت بھی اس کے انکار سے کچھ اس طرح کا معاملہ پیش آتا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر یہ کیوں؟

یہ ایک ایسا دور از وہم و قیاس اور مشکل سوال ہے کہ جس کا جواب ابھی خود ہجو بھی نہیں معلوم ہی اور شاید اس راز سربستہ کے کھلنے کے لیے ابھی تھوڑی دیر سے کوا انتظار کرنا پڑے گا مگر ہاں اتنا ہم خیال کر سکتے ہیں کہ اس انکار کی ضرورت کوئی ایسی ہی قوی وجہ ہوگی کہ جعفر اس طرح مجبور ہو گیا ورنہ عشاق کو اس سے نیا دہ سچی اور پائدار خوشی میسر کمان آسکتی ہی۔ انہی تو ساری عمر اسی حسرت اور آرزو میں کٹ جاتی ہی اور یہ دن دیکھنا بھی نصیب ہی نہیں ہوتا۔

ہارون رشید اور جعفر سے اب تک جس قدر باتیں یہاں ہوئی تھیں وہ علانیہ طور پر خا صوں کی موجودگی میں ہوئی تھیں مگر اب کچھ رنگ بدلتا ہوا نظر آتا ہے اور تجلیہ کی باتیں شروع ہوا چاہتی ہیں اور عجیب نہیں وہ باتیں بھی کچھ اسی عقد کے متعلق ہوں جو بہت سرگوشی کے ساتھ ابھی ہارون رشید اور عباس میں ہو رہی تھیں۔ ہارون رشید نے جعفر کو اور قریب آنے کا اشارہ کیا اور اسی کے ساتھ خود بھی اسکی طرف کچھ اس طرح جھک گیا جس طرح سے کوئی کان میں بات کہنے کے لیے جھک جاتا ہو۔ ہائیں نہ خواہیں اپنے بادشاہ کا مکینوں کا خط دریافت کر کے خود ہی وہاں سے علیحدہ ہو گئیں اور ہارون رشید جعفر سے مخاطب ہو کر اس طرح کہنے لگا یہ آخر تمہارے اس انکار کی وجہ کیا ہی! کیا تم اس نسبت میں کمی قسم کی اپنی تو بہن سمجھتے ہو؟

جعفر (ہاتھ جوڑ کر) نہیں۔ نہیں۔ تو بہ۔ تو بہ۔ یہ کیا حضو فرماتے ہیں ایسے نصیب کے بوجھ میں؟

میکر لیے تو اس سے زیادہ فخر کی کوئی بات نہیں ہو سکتی لیکن حضورؐ تو فرمایا کہ ابتدا
آونیش سے اسوقت تک کسی بادشاہ نے اپنی بہن بیٹی کا عقد کسی نوکر جا کر غلام کے ساتھ کیا
ہو؟ ایک عجیب گرجہ فقط اپنے قدردان بادشاہ کی عنایت سے آج وزارت کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہو
کیس طرح ایک بہن ہاشمید شاہزادی کا نوج بن سکتا ہو؟ ہرگز نہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہینا میں
کسی کسریٰ کسی قیصر نے ایسی نسبت بھی جائز نہ رکھی ہوگی؟

ہارون رشیدؒ میں نہیں سمجھتا کہ تمہاری ان باتوں سے غرض کیا ہو بالفرض اگر اس میں کسی قسم کی
ذلت اور رسوائی ہو تو ایسی ہارون رشید کی جوان سب کو اپنے نوکر قرار کر کے اس بات کی اہلی
آپ ہی تم سے خواہش بھی کرتا ہوں۔ پھر تم کو اس بات کا پتہ پیش ہو اور یہ ماننا کہ آپ عجمی لاصل ہیں مگر جب
یہ نسبت فقط اسی غرض سے جائز رکھی جاتی ہے کہ شہستان حضرت میں تمہاری اور عباس کی آزادانہ
نشست پردہ کی حجت سے شرعاً ناجائز نہ ٹھہرے اور تم انکو اور وہ تمہیں جائز طور دیکھ سکیں تو پھر
اس میں کوئی ہرج کی بات ہو۔ ہاں خاندان بنی ہاشم پر اس وقت کسی قسم کا عیب آ سکتا تھا
جب تمہارا ان طریقوں پر کچھ عمل بھی جائز رکھا جاتا اور تم سے میں ہونا چاہیے؟

جھگڑا (اپنے دل میں) صبح کی گفتگو کا اب جا کر مطلب نکلا۔ اسوقت اشارے سے کہنا یہ میں ہی کہا
گیا تھا میں اب حیرت نہیں معلوم ہوتی۔ بڑا غضب ہوا۔ افسوس! (ہارون رشید سے) آہ یہی
تو وہ بات ہے جو آج صبح سے کانٹے کی طرح میری دل میں کھسکتی ہے (بے اختیار ہارون رشید کے پاؤں پر
گر کر) امیر محمدؒ بادشاہ۔ امیر غزوات و مراتب کے بڑھانے والے آقا۔ امیر المؤمنین جعفر
آپ کا خاندان و غلام ہو اسکو آسمان پر پہنچا کر زمین پر نہ کر لیے۔ اس نے آج تک کوئی خطا نہیں کی ہے
لیکن خدا نخواستہ شاید اب وہ اپنی شوخی سے تمہارے گناہ کا رخطاوار اور زندہ در گاہ ہوا چاہتا ہے۔ اس
بڑا اگر دوست ہیں تو ہزار دشمن بھی ہیں۔ سیکڑوں اب اس پر اتمام لگائے جائیں گے ہتھانہ باندھے
جائیں گے اور پھر دیکھے کیا ہو؟ ہارون رشید نے جلدی سے اسکا سر اٹھایا اور چھاتی سے لگا کر
اس طرح کہنے لگا وہ نہیں نہیں جعفر یہ تم کو کیا ہو گیا ہے تمہارے اسوقت کیسے خیالات ہیں تمہاری یہ خیالات
عادت باتیں تمکو اسوقت تمہارے خیال کے صحیح ہونے میں شک لاتی ہیں۔ خیر یہ تمہارا مزاج تھا چھوٹا ہو؟
جھگڑا وہ نہیں حضور میں آپ کے اقبال سے اچھا ہوں اور اس بات کا بھی خدا مان غالی کرتا نہیں دلائی ہوں
کہ میں جو کچھ عرض کیا اسکو مجھ کو سب کی طرف سے سمجھا چکا ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو پردہ عنایت سے نقل کر کے زمین
چلی آتی ہیں گو میں خوب جانتا ہوں کہ حضور کا ہمتا اس امر میں بالکل خالص و محض ہے کہ میں کیوں نہ ہو خود

میکر دلیں برے خیالات چلا آئے ہیں۔ آہ۔ بہت ڈراؤنی صورتیں میری آنکھوں کے سامنے چھری ہیں۔
 ہارون رشید بنیں یہ تمہارے خیالات بالکل غلط ہیں۔ ان باتوں کو تم اپنے دل سے نکال دو جو کچھ کسی کا
 کہنا اثر نہیں کر سکتا۔ میں نے تمکو ایسا ہی متاثر کیا ہے جب اس کا قصد کیا۔
 یہ باتیں جس لب لہجہ میں ہارون رشید کی زبان سے نکل رہی تھیں وہ تیار تھا کہ ہارون رشید جو کچھ کہتا
 ہو وہ سب سچے اور صاف نل سے کہتا ہو اور اسکی بنا بالکل غلط اور محبت پر مبنی ہو۔ اسنے اپنی تقریر ختم
 کرنے کے بعد معامہ کر کو بلایا اور اسکے کان میں کچھ اس آہستگی سے کہا کہ جسفر کے کان حیرت زدہ ہو رہے
 اور سر وڑھتا اچھا، اگر کہ باہر چلا گیا۔ ابھی دو منٹ بھی نہیں گزرے پائے تھے کہ سر اسطرح سے پھر
 آتا ہوا نظر آیا مگر اب اس کے ساتھ تین اور آدمی ہیں جنہیں نام تو ہم کسی کا بھی نہیں جانتے ہیں مگر ان سب
 ان کو خلیفہ کے پاس بے تکلفی کے ساتھ بیٹھے ہوئے اکثر دیکھا ہے۔ انہوں نے قریب اگر آداب تسلیمات عرض
 کیا اور اجازت پانے کے بعد کرسیوں پر بیٹھ گئے تھوڑی دیر تک تو یہاں ایک منٹ کم سا سکوت برپا رہا لیکن
 پھر ہارون رشید نے متوجہ ہو کر اسطرح کہنے لگا یہ آپ لوگوں کے خلوص اور محبت پر اعتبار کر کے ایک
 بہت بڑے راز کی بات آپ پر اسوقت ظاہر کی جاتی ہے۔ لیکن قبل اسکے کہ وہ اسطرح علانیہ طور پر کہی جائے
 یہ بھی کم دینا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ اسکے انفرادین اس معمولی کوشش سے کام لیں
 جسکا خیال احباب کے سامنے اور تخلیق کی صحبتوں میں بعض اوقات انسان کو نہیں رہتا بلکہ وہ دل
 کے بیرون میں اس احتیاط سے چھپائی جائے کہ دل سے زبان تک لانے کی بھی نوبت نہ آئے۔
 اس کے جواب میں ان سنے ٹالے لوگوں کی زبان سے ایسا بہت اچھا، کی صدا آئی اور پھر وہ سب
 خاموش ہو کر اس امر کے انتظار میں بیٹھ رہے کہ دیکھیے آٹ کیا حکم ہوتا ہے ایسی کیا بات ہے۔ شاہی
 زبان کو پھر ایک بار چمیش ہوئی اور یہ الفاظ دلون پر اپنا رعب جھاتے ہوئے نکلے یہ چونکہ جسفر شرعی نہایت
 کی وجہ سے شاہزادی عباسہ کے سامنے نہیں آسکتے ہیں اسوجہ سے اینجانبہ مقصد ہی کہ ان دونوں
 کا باہم عقد کر دینا چاہیے تاکہ یہ پرے کا جھگڑا باقی نہ رہے۔

اس تقریر نے سنے والے کے کانوں کو تعجب اور حیرت کا بالکل بھریا اور وہ کسی بات کے کہنے سمجھنے کی قابلیت
 نہیں رکھتے تھے مگر بھی شاہی رعب نے اس کے جواب میں وہی وہ نہایت مناسب بہت بہتر معقول
 انکی زبان سے نکلوا دیئے جو ایسے ادب اور لحاظ کے موقع پر اکثر لکھا جاتے ہیں جسٹھ ٹپ تھا۔ سر جھکا ہوا تھا۔
 اور گورائے متفکر چہرے کا دمدم بدلتا ہوا رنگ بتلا رہا تھا کہ اسطرح اسوقت اسکے مختلف خیالات کا دریا
 بھی اسکے دلیں جوش مار رہا ہو مگر میں کچھ تو اسکی بخودی اور کچھ بادشاہ کے خواہجہ کا اندیشہ یا کسی اور ہی بات

نے اُنکی زبان کو بالکل قابو کر دیا تھا اور اب یہی زبان موجودہ حالت کے دیکھنے کے ساتھ اسکا نتیجہ بھی دیکھ کر بالکل چپکائی گئی تھی۔
 ہارون رشید کو اسکی بھینسی کی حالت دیکھ رہا تھا لیکن شہنشاہ عسرت میں جعفر کے شریک کرنے کی تمنا اس کے
 محبت کرنے والے دل میں اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ وہ کسی طرح اپنی طبیعت کے خلاف نہیں کر سکتا تھا
 وہ سب لوگوں کو دہریں چھوڑ کر اٹھا اور بالا خانہ کی طرف چل دیا۔ سب حاضرین حیرت میں تھے کہ اتنی
 یہ کیا ماجرا ہو مگر موقع کے اعتبار سے یہی خیال کیا جاتا تھا کہ شاید اسی عقدہ کے متعلق کوئی کام فوری
 ہو گا۔ ابھی تھوڑی دیر یہی نہیں گزری تھی کہ سوسن نے بالا خانہ سے اوڑھ کر مسٹر کو پکارا۔ اور پھر تھوڑی
 ہی دیر میں وہ سب آدمی بھی بلائے گئے جنکو ابھی باہر سے بلا کر یہاں بٹھلایا تھا۔

حیرت اور بے چینی کی وہ تصویر جو قوت خیالیہ کے ہاتھ سے دماغ میں بن سکتی ہو اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں
 تو عالم مشاہدات میں اسوقت پھر کبھی اچھا موقع آپکے ہاتھ نہ آئے گا بس آپ جعفر کی صورت دیکھ لیجئے۔ وہ
 دیکھتے جواب سب لوگوں کے چلے جائیکے بعد تیار کیا ہو۔ اس کے چہرے کی حالت آپ دیکھتے ہیں کہی ہو گئی ہو!
 رنگ کیسا اگرا ہو رہا۔ اور وہ اپنی نیم آٹھوں کے کشی باز رہے ہوئے کس طرح غیر اختیار سے نظر سے زمین کی طرف
 دیکھ رہا ہو۔ اس کے دلیں ایک دم کا جوش تھا۔ ایک طرح کی گھبراہٹ تھی اور وہ اسی خاموشی کے عالم میں ان دونوں
 چیزوں کا بیٹھا ہوا اندازہ کر رہا تھا کہ ہارون رشید بالا خانہ سے تشریف لایا اور اسکی پیچھے دو آدمی بھی آ رہے
 ابھی حسب الطلب بالا خانہ پر گئے تھے۔ اور چلے بلائے جانے کی وجہ بھی اب بہت جلد معلوم ہوا چاہتی ہو۔

ہارون رشید نے آئے ہی پھر وہی عقدہ کا تذکرہ چھیڑ دیا اور جعفر کو یقین کر لینا پڑا کہ اب میرا کارہی ہے موقع
 اور بالکل فضول ہو۔ کچھ نتیجہ نہیں۔ فوراً اسجاہ قبول ہوا خطہ پڑھا گیا۔ اور اس طرح چپ چپ جعفر کے سام
 عباس کا عقدہ ہو گیا کہ بجز ان لوگوں کے جو اسوقت یہاں حاضر تھے اور کسی کانوں کان خود بھی نہ سنی اور اب یہاں
 بھی اسی طرح ظاہر ہو گئی کہ تین آدمی فقط نکاح پڑھانے اور شاہد بنانے کیلئے طلب کیے گئے تھے اور انکو اس کی خبر نہ تھی
 عقدہ کے بعد سب لوگ رخصت کر دیے گئے اور ہارون رشید جعفر کا ہاتھ میں ہاتھ لیے بالا خانے پر چڑھ گیا
 عباس اسوقت بالا خانہ پر بیٹھ ہی ہوئی مسکرا مسکرا کر اسی سوسن کے کچھ باتیں کر رہی تھی جو پہلے ہمارے سامنے تھیں
 طرح وہ بھی یہاں سے ہٹا دی گئی تھی مگر شاید پھر بالکل تنہائی کے خیال سے عباس کے پاس چھوڑ دی گئی۔

ہارون اور جعفر ہو چکے۔ اور جعفر کو آتے دیکھتے ہی عباس نے جلدی سے منہ پر نقاب لٹا لی۔ یہ دونوں بھی
 جا کر بیٹھ گئے اور ہارون رشید عباس سے مخاطب ہو کر اس طرح کہنے لگا کہ میں باجی کیوں نہ پتا یہ کیسا پڑا ہے
 مگر بانی اس کے جواب میں عباس کی خاموشی نے جو کچھ کہا ایمان کی تو یہ ہے کہ وہ ہم سے پاک ہارون لوگوں کے محل
 چھین لینے کے لیے تو کافی تھی مگر جعفر کی ہجو جزیں شہر سے اسکی ہارون چھوڑ گئی اور اسکی ساتھ اسکی

شلخ سی کر۔ اسی طرح جسطرح نئی وطن کی۔ وہ نئی وطن جہت شرمیلی۔ وہ جھکی کر بھی بہت نازک اور گونج بھی
عباس کا یہ اضطرابی انکار دیکھ کر یاروں پرستید نے بہت افسوس کیا۔ قہقہے میں۔ اور بالآخر بہت
جھجھو ہو کر عباس کو اپنے اس گورے گورے چہرے سے نقاب اوٹھانی ہی پڑی جس پر اس وقت تو
سے لہزن لینے والے خون کی جا بجا جھکیاں نمودار تھیں۔ جیسے کہیں کہیں زردی ملی ہوئی سپیدی
اسکی شرم اور جیا کی خبر دے رہی تھی اور کہیں ظاہر میں مزاج کی بڑھی دکھانے کے لیے چہرے میں کا
عکس اسکی زلفوں کی طرح بل کی لے رہا تھا۔

نقاب کا اٹھنا تھا کہ جعفر کی آنکھ کے نیچے ایک بجلی سی چمک گئی۔ وہ بجلی نہیں جو ایک بار چمک کر ناپ
ہو جائے۔ آہ۔ یہ وہ بجلی تھی جو آنکھوں کی راہ ہوتی ہوئی جعفر کے سینے کے اندر اسی پہلو میں جا کر گری
جس طرف اسکا متکبر اور مغرور دل ٹھہرنا کے بیٹھا تھا۔ عقل اور ہوشش کے خرم میں۔ آگ لگا گئی
شعلے اٹھنے لگے اور دھن بکرا اٹھنے والا دھواں خوف کے مار سے بڑے ضبط کے ساتھ اُسی تنگ
سینے میں بادا کر رکھا گیا جہاں سے وہ اُٹھ رہا تھا۔ احتیاط اور احتیاط کے خیال سے یاروں پرستید نے
گو عباس کا عقد بغیر کسی ساز و سامان کے یو تھی چپ چپ کر دیا تھا مگر ہاں نیچے کلنڈر اٹھلا کر
اُس نے البتہ اپنی طرف کسی قدر سامان کیا تھا۔ آسانی رنگ کا ایک عظیم الشان خمیر نصب تھا
جسکے سایہ میں یہ بیٹھا ہوا تھا جس میں ہزاروں قدرتی جھار کنول روشن تھے اور اسکی اندر فی سطح سطح
جگمگا رہی تھی جسطرح روشنی میں کسی نئی وطن کی افشان چنی ہوئی پیشانی۔ رات کی ٹھنڈی ٹھنڈی
ہو اس اس طرح افزا ہوا کو اپنے دامن میں لیے ہوئے آہستہ آہستہ چل رہی تھی جبکہ آسمان پر چھوٹا
بہشت نے اپنے نازک نازک ہاتھوں سے نکلا بھل بھل کر یہ کیا تھا۔ سہانا سہانا وقت تھا۔
کھلے ہوئے چھوٹوں کی چھینی چھینی خوشبو نہیں چاروں طرف سے آ کر دل اور دل کے ساتھ ہی کام
کر جاتی تھیں جو عطر عروس یا عطر سہاگ میں کیسی سی ہوئی پوشاک۔ گہرے آسمان پر تارے تو
پہلے ہی سے چھلکے ہوئے تھے مگر اب زیادہ اہتمام کے لیے چوٹے آسمان پر ٹھنڈی روشنی کی ہزاروں
بڑی قندیل جیسے فطر کی طرح ۲۱۰ میل سے کم نہیں۔ روشن ہو گئی تھی۔ اسکی سنہری سنہری آتشیں
عقد پروین کا عکس آسمان سے لیتی ہوئیں ان دونوں کے رخ روشن کے سامنے آ کر وہی ہمارا دکھا
رہی تھیں جو سہرے کے چمکے ہوئے سہرے تار یا گندھے ہوئے چھوٹوں کی تریاں جہین
ملی ہوئی ایک طرف سے تو کیسے رخ تاباں کی لو اٹھ رہی ہو اور ایک طرف سے لچائی ہوئی تار نگاہ چپ
چپ کر اپنا کام کر رہے ہیں جہیناں فلک گردن نکالے ہوئے جہاں تک ہے ہن اور آسمان کے زرد اور شستے

جوشِ حسرت سے دوہم و دینار (مارے) اسبطح آسان سے لٹا رہے ہیں جس طرح شبنم بڑے بڑے
 اکبر و موتی ان پر سے پھرا کر رہی ہو۔ نرم فلک آراستہ ہو ساکنانِ ملا اعلیٰ برایتوں کی طرح جمع ہیں
 اور یہ دونو اپنے اپنے بھیں مل کو اور اسی کے ساتھ اس شوقِ نیک کو دل ہی کے اندر روکے ہو مگر جھکائے
 پیٹھے ہیں جو بے اختیار اسی کے ساتھ آئی آنکھ کو کبھی کبھی باور اٹھا ہی دیتا ہو۔ خیر عباسہ کو تو اس سے پہلے
 بھی جعفر کی صلیت دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا مگر جعفر کے لیے آج یہ پہلا ہی موقع تھا جو وہ اسکی یہاں صحت
 اسطرح پر دیکھتا۔ آہ عباسہ کا وہ چھوٹا چھوٹا نقشہ جسکے شمع رنگ کہ دیکھ دیکھ کر دل پر لبلاؤ کا بھر مٹ جاتا۔
 عباسہ کی وہ جاودہ بھری تقریب آنکھیں جو اسوقت اس پر نری حسرت سے ایک گہری نظر ڈالتی ہو ہیں شرم
 زمین کی طرف جھک رہی تھیں۔ جعفر کے دل کے ساتھ بڑا سلوک کر گئیں اور یہ دیکھتے ہی دیکھتے کچھ ایسا حسین
 اور بے قرار ہو گیا کہ دل ہاتھ سے جاتا رہا اور دھننے دھوے۔ تجھے سب خاک میں مل گئے۔ جناب عشق نے
 آگے بڑھ کر فرج پوچھا۔ اور حضرت دل جھوم جھوم کر اسطرح کہنے لگے۔

سکھ پاتک اک ادا مستانہ نہی چھ سانی ہوئی | اُفت تری کا فرجانی جو شمس پر آئی ہوئی

کو جس اتفاق سے ہارون رشید کا دل اور طرف متوجہ کرنے اور ان دونوں کو لطفِ نیک اٹھانے کا موقع
 دینے کے لیے عیش و نشاط کی صحبت گرم تھی ناچ گانا ہو رہا تھا مگر ہائے اُسپر بھی غصہ تھا کہ ہارون رشید
 اُٹھانے کا خیال جعفر کی مشتاق آنکھوں کے سامنے دربان بنایا اور پڑی نگاہانی کے ساتھ پر لے رہا
 تھا اور ادھر شرم اور حیا عباسہ کی آنکھوں کو اوپر اٹھنے نہیں دیتی تھی لیکن پھر بھی حسن و عشق میں ہارون عباسہ کی
 چپکے چپکے باتیں ہو رہی تھیں اور عشق جعفر کے دل پر غالب آتا جاتا تھا۔ تھوڑی دیر تک تو یہ صحبت اسی حال
 پر رہی۔ جعفر اور عباسہ کی خاموشی کا بھی ہی عالم رہا اور ہارون رشید بھی انکے اس سکوت میں بغیر قسم
 کے غفلٹ لانے کے اسطرح بیٹھا ہوا گا نا سنتا رہا۔ مگر کب تک۔ آخر اُس سے زبانی اور جعفر سے مخاطب کر
 اسطرح کہنے لگا۔ ”جعفر کیا ہو؟ کیسے چپ ہوا دیکھو یہ کتنی اسوقت کیا خوب گلے بازی کر رہی ہو؟“
 جعفر ”جو تک کہ جی ہاں حضو کیا کہنا۔ سچان اللہ۔ میں خوب مٹن ہا ہوں۔ کیا اچھی تان لگتی ہو۔ ادا
 یہ گنہگار کیا ہی اچھا سر لگا یا ہو۔ واہ۔ کیا ستر میں آنا پس ہا ہو۔ اور میان پر رکھتے ہی کیا مزہ دیا ہو؟“
 ہارون رشید۔ ”جعفر کی طرف بہت غور اور تعجب کی نظر سے دیکھ کر کہکھ! امین کھب کا سہی کہنا
 ہو؟ جناب یہ مالکوس ہی مالکوس!! مالکوس میں کھٹ پونچم کے سرگے اور جیر میں ہو گئی“

جعفر (دانت کے نیچے انگلی دبا کر) ”نہیں حضو۔ غلطی ہوئی۔ دھیوت۔ دھیوت“

ہارون رشید ”ہاں یوں کہئے گواہی گئے بازی اور تیاری میں مٹن کا اتنا بہت شغل ہو

بڑے بڑے گویے دھوکا کھا جاتے ہیں مگر شباب آپ سے بھرے یہ تعجب ہی معلوم ہوتا ہے شاید آپ کا
 خیال اس وقت اور کسی طرف ہو گا۔ بیشک میں آپ کو اس وقت بہت پریشان اور ملول دیکھتا ہوں کیا
 یہ نسبت فی الحقیقت آپ کے خلاف خاطر گذری ہو؟
 جعفر (ہاتھ جوڑ کر) نہیں حضور۔ آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ پروم شد کا کوئی حکم میرے خلاف ظاہر
 ہو سکتا ہے!۔ استغفر اللہ۔ آپ ایسا کبھی خیال بھی نفرمائے گا۔
 ہارون رشیدؒ ہاں مجھ کو بھی اندیشہ تھا مگر الحمد للہ ایسا نہیں ہو۔ ہاں دیکھو اس وقت تم دونوں
 بیٹے ہو۔ میں انکو کمزور سمجھائے دیتا ہوں۔ اچھی طرح سن لو خوب اچھی طرح۔ قریب آؤ۔
 گو ہارون رشید کی اس تقریر سے جعفر اور عباسہ دونوں کے دل تھرا گئے مگر کبھی بھی ان کے ہوش و
 حواس کو اس وقت جس چیز نے قائم رکھا وہ یہی دل غرض کن خیال تھا کہ کچھ اور قریب آئے جلتے ہیں۔
 یہ دونوں بڑے بڑے بادشاہ کے قریب آئے اور ہارون رشید نے اس طرح کہنے لگا وہ دیکھو جس بات کے لیے
 بیٹے نکلیں گے کو یہاں اسکے قریب کبھی بولے سے بھی ہرگز نہ آنا کیسی ایسا اتفاق نہو کہ بغیر میری موجودگی کے تم
 دونوں ایک جگہ جمع ہو کسی احاطے کی چار دیواری اور کسی مکان کی چھت تم دونوں پر ساتھی اس وقت تک بھی
 اپنا سایہ نہ ڈالے جب تک میں ہاں نہ ہوں۔ دیکھو خوب کان لگا کر سن لو تم کبھی اس حرکت کے قریب نہ آؤ
 جو زور دشو میں ہونی چاہیے۔ ہماری نگہوں میں پاک اور صاف ہاشمی خون امانت رکھا گیا ہے۔ اسکی
 حفاظت ہر کوئی نہیں کر سکتا۔ اس میں کسی کی آئینہ نش نہیں ہو سکتی ہے۔ سمجھے۔ بہت پابندی کے ساتھ ہمیشہ
 اسکا لحاظ رکھنا یہ خدا جانے کیسے تم کی دل فتنہ کرنے والی باتیں تھیں کہ ہارون رشید نے تو انکو ختم کر کے
 کسی قدر مذمت کے ساتھ اپنا سر جھکا لیا اور ان دونوں کے دل پر تو کچھ بن گئی۔ بن گئی۔ گو ہارون رشید
 یہ باتیں عقد سے پہلے ہی کہہ دی تھیں اور یہ اسکا کہنا سچ بھی جانتے تھے لیکن پھر بھی انکی سچی محبت
 انکا پاک عشق انکو ہر امر کی قدر میں ڈلا رہا تھا کہ شاید آئندہ چل کر بادشاہ کو کچھ رحم آجائے اور عباسہ
 و عباسہ کے۔ لیکن اس وقت کی تقریر نے تو بالکل فیصلہ ہی کر دیا۔ بادشاہ کا یہ حکم ناخوش کن اور خوفناک تھا
 گذر گیا۔ یاس ملی ہو گئی۔ ابرو غم دل پر چھا گیا۔ دست و حشمت گریبان کی طرف بڑھا۔ آنکھیں روئنے لگیں
 اور پلہ سے دل نکھلانے کے لیے تیار ہو گئے مگر وہ کیا غضب تھا کہ اپنے حوصلے دکھانے کی کبھی بھی اجازت
 نہ تھی غریب ادب تک اگر نہ گئی۔ نالائحتہ تک اگر نہ گیا اور آنکھیں خون جگر کی طرح آسمانی کرہ میں
 غم کا ایک پھار تھا جو ان ایمان اور متناہی پر یکبارگی ٹوٹ پڑا جو دونوں کے دلیں خوشی سے اترا تھیں
 ہوئی پھر رہی تھیں اور وہ سب کی سب ہیں دب کر رہ گئیں۔ جعفر نے ایک مرتبہ جاسکے شمع کی طرف دیکھا

اور عباس نے اسکی طرف سے دو تین معمولی طور پر نہیں۔ بہت حسرت کی نگاہ سے۔ اب بھی کوئی نہ سمجھے گا
 آہ اسی حسرت کی نظر سے جس میں جان توڑنے کی حالت میں کوئی کسی چھوٹے والی محبوب چہرہ کو دیکھ
 لیتا ہو۔ اور بے اختیار دو تین آنسو آنکھوں سے ٹپ ٹپ کر پڑے۔ ہائے اس حال پر بھی خوف کے مارے
 ایک دم سرے کو نہ دیکھ سکا اور جلدی سے پھر آنکھیں جھپکا ہی لی گئیں۔ آسمان کی سب شکایت کر
 ہرگز مگر نہ تو دیکھتے ہیں ان کا حال دیکھ کر اسوقت اسکا دل بھی نہیں کی طرح بھرا آیا ہو۔ دیکھتے وہ خوب
 کی طرف سے کچھ سیارہ سیارہ ابر اٹھاؤں کو چھپ چھپ کر رونے دیکھ کر آسمان پر کچھ تلاطم ہوا بادل گرے لگا
 اور تارے جو آسمان پر بھی چھپے ہوئے تھے بے اختیار چار بار سے اپنا اپنا منہ ڈھانپ ڈھانپ کر رونے لگے
 جب یوں بھی انکے چہرے پر نہ تھا تا تو بیقراری سے کبھی کسی برقی لائٹیں روشن کر کے ان دونوں کا حال کر
 دیکھنا شروع کیا اور ان دونوں نے ہر بار بجلی کے بہانے سے جھپک جھپک کر ایسے اپنی آنکھیں بند کر لیں کہ
 روشنی میں کوئی بکھیروتا نہ دیکھ لے۔ ہوا تیز ہوئی شمعیں جھلا جھلا کر بجھنے لگیں یہ حال دیکھتے ہی محبت برقرار ہوئی

گیارہواں باب

شوق اور مجبوری

یہ چھڑا ہی نکتہ باد بہاری راہ لگ اپنی
 تجھے اٹھکھیلان سوچھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

صبح ہوا صبح بھی شب عروسی کی۔ وہی شب عروسی جو بڑی تنہاؤں سے انسان کو نصیب ہوتی ہو مگر
 جب نصیب ہوتی ہو تو پھر سارے تنہا ہی طرح نکھلتے ہیں۔ صبح رات ہی بھر کی لاکھ پائی میں کسی کی پریشان
 زلفوں کے سارے غم اور بچ صبح ہوتے ہی ہوتے نکھلتے ہیں۔ وہ دیکھتے لکھتے لپٹ لپٹ کر سونے والوں کی
 کیفیت رات بھر دیکھتے دیکھتے یہی شب کی چولی جا بجا سے مسک گئی جو اور اب کوئی دم میں گریبان صبح دامن
 تک چاک ہوا چاہتا ہو۔ انتہا کی وہ سنہری سنہری کرنیں دیکھ کر مشرق کا پردہ اٹھا کر اپنا چھل بل نکھلتا ہوئی
 نکھلتا ہی چاہتی ہیں جو رات بھر زمین کے ساتھ پروں کے اندر بیٹھے بیٹھے اس طرح اٹھ گئی ہیں صبح نورانی
 روح ہنسنا خفا جسم میں سوتے سوتے صبح ہونے تک گھبرا جاتی ہو اور نہ ہی سونے والوں کی آنکھ سے پریشان
 ہو ہو کر جھینوں کے بے ہوشے سرمے کی طرح نکل نکھلتی ہو۔ مگر آہ ایہ وقت آگیا ہو اور اس ارمان بھری نئی لہن
 کی آنکھ تک بھی تین چھپکی ہی جکے عقد میں رات آپ فریک تھے اور جب کیا را نام عباس ہو وہ جوانی کوٹھی
 میں سامنے پلنگ پر چپ پٹی ہو۔ دیکھا؟۔ ہا۔ آنکھیں بند ہیں اور منہ کی کجالات کا وہی افسانہ خاک

آنکھوں میں ہو جو حقیقت میں خواب نہ تھا اگر اس واقعے کے ورنہ ہم قیاس بخنے تک حیرت اور تعجب پیدا کرتے کرتے کسی طرح نہ قبول کرنے والی عقل کو ہی طرح یا دہرا کر دیا تھا جس طرح کبھی کبھی خواب میں وہ باتیں دیکھنے میں آجاتی ہیں جو ہرگز نہیں سکتیں صبح کا سنا نا وقت بہت فرحت افزا ہوتا ہے جو شبنم میں نہلے ہوئے سترے کا ہر ہر اکھڑ ہوا ہوا ہے۔ رات کے کھلے ہوئے پھولوں کے ورق پر شبنمی موتیوں کا جزو کام اور پھر انھیں موتیوں کا جنبش ہوا سے ڈھلک ڈھلک اگر گزنا نیم سحر کی دل لہرایا رفتار ان سب باتوں کا لطیف اگر اچھی طرح مل سکتا ہو تو اس وقت غنچہ معجیہ اس وقت کھلکھلاتا ہے اور وہ قبول کا پھول اس وقت پھولتا ہے جبکہ اس پاس زمین کے ایسے صد ہا کرتے اپنے اپنے رہنے والوں کے بڑے ذوق شوق کے ساتھ اس طرح چکر لگا رہے ہیں جس طرح پھولوں کے جان نثار عاشق بھروسے بہاروں کے نندا اور پھر وہ چرخن پر اس وقت کچھ نہ کچھ صحت کی خبر لانے والی سُرخ رنگت لہی جاتی ہے ساری رات کے چھوٹے ہوئے عنادل شلخ گل پر پیچھے کر بڑے ذوق شوق کے ساتھ اس وقت چھپاتے ہیں اور جو پھول انکو بھی کسی وجہ سے نہیں کھلتے وہ اس وقت پھولتے ہیں گمراہ پاری عباس کے دل کی کالی سی طرح بین کھلتی نہیں سحر خوش فطیان کرتی ہوئی اسکے پاس آتی ہو اور کسی کا دست گستاخ بن کر اسکے اس صفائی دوپٹے کا اچھا اٹھا دیتی ہو جو کبھی اسٹ اپنا وہ اس چہرہ چھپانیکے لئے منہ پڑا لیا ہے اور یہ چہرہ برابر لیتی ہے چند غوغا میں کوٹھی سے باہر علیحدہ بیٹھی شاہزادی کی بیخیر معمولی حالت دیکھ کر ایک دوسرے پوچھ رہی ہیں مگر کچھ حال نہیں کھلتا۔ یہ سب اسی حیرت اور انتشار میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ انھیں ملتی ہوئی سوسن لٹکے پاس آئی اور ایک جاہلی لیکر اس طرح کہنے لگی تھیں کیا شاہزادی صاحب بیلا نہیں ہوئیں؟۔ آج آرام ہی کیا کرین گی؟

چند غوغا میں آرام آرام کیا؟ ساری رات انکی پلک تو جھپکی نہیں ہو کر ڈھین لے لیکر تو اٹھوٹنے صبح کی ہو۔ نہ کسی سے بات ہو نہ صحبت۔ پس یونی چپ پری ہیں یہ کیا بات ہو کچھ تعین معلوم ہو؟

سوسن انہیں جھکے بین معلوم میرے سامنے تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو اسکے خلاف غلط ہوئی مگر وہ رات شبستان عشرت آئی تھیں کچھ چپ خضر خمری دیر تک تو میں بیان حاضر ہی مگر جب انھوں نے آرام فرمانے کا قصد کیا تو میں بھی اسیر طوف جاکر سو رہی۔ اس کے بعد مجھ کو خبر نہیں۔ مگر یہ تو کوئی نئی بات نہیں تو دشمنوں کو تو اکثر اس طرح چپ لگ جاتی ہے یہ کہتی ہوئی کوٹھی کی طرف بڑھی اور پلنگ کے پاس جا کر شاہزادی کے پاؤں دابنے لگی لیکن عباس اپنے خیالات میں اس وقت کچھ لپٹی ہوئی ہوئی تھی کہ اسکو اسکی خبر بھی نہیں ہوئی مگر ان اسکے بار بار بلانے والے پاؤں سے سوسن کے ہاتھوں کو کچھ اس طرح حرکت محسوس ہوتی جو طرح رونے کی حالت میں عموماً اسکے اعضا میں پیدا ہو جاتی ہے اور فوراً اسکے دل پہ لگتا ہے کہ یہ کچھ ساہرہ ملک

اس حرکت کا امتیاز کرنے لگے۔ پھر وہی حرکت محسوس ہوئی اور ایسے ساتھ کچھ آہستہ آہستہ مسکیان پھر
کی توانہ بھی ایسے کانوں میں آئی اور گھبرا کر دوپٹے کا انچل مٹھ سے ہٹا کر دیکھنے لگی۔ اہ عباسہ کا پیارا پیارا چہرہ اس
ریخ اور غم کے گہرے رنگ میں رنگا ہوا تھا اور شدت انقباض سے اس کے تنہا آنسوؤں میں اس کی آنکھوں سے نکل رہے تھے
سر کے لانے لائے بال کر وٹیں بدلتے پریشانی کے عالم میں کچھ تو مونے کرے لہجہ کر رہ گئے تھے اور کچھ عالم
مشادات میں شعر اوکے ایک خیالی مضمون کی مثال بننے کے لیے اس کے سینے پر پڑے بعینہ بیٹھ لوٹ ہے
تھے جس طرح کسی کی چھاتی پر سانپ لوٹ رہا ہو۔ آنسوؤں بھیگ بھیگ کر زلفوں کے سبب خم اور پیچ نکل گئے تھے
اور اس کی نگلی پلکوں کی وہ برشتگی جو اس کی جادو پھری آنکھوں پر بہت اچھی معلوم ہوتی تھی اس کے زار قہار رونے کو
دیکھتے دیکھتے اس وقت پلکوں سے نکل کر اس طرح برشتگی سخت میں جالی تھی جس طرح آنکھوں کا تر آنسوؤں
کے ساتھ بہہ کر اس کے مقدر کی سیاہی میں مل گیا تھا۔

سوسن یہ حال دیکھتے ہی گھبرا گئی اور اس کی ریشی ہوئی حیرت اس کے خیالات کو ابھانے دید کر خدا جانے کس
طرف کو رہ گئی جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ کوسوسن عباسہ کی بڑی بہن زاد وروس تھی جس کے عشق اور محبت سے بھی
بجوبی آگاہ تھی مگر اس کے واقعات میں ابھی اس کو اس کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوا تھا کہ بادشاہ سلامت جعفر اور
عباسہ کا باہم عقد کر دینے کا قصد رکھتے ہیں اسے رومال سے عباسہ کے آنسو پرچھے اور بہت گھبراہٹ کے ساتھ
اس طرح کہنے لگی یہ کیوں خیر تو یہی بیوی امزن کیسا ہو۔ کیا ہو گیا۔ یہ رو کیا کیا؟ مگر وہ غم عباسہ کا دل
اس وقت کمان اس قدر قابو میں تھا کہ وہ جواب دیتی۔ اس کا دل اور بھر گیا اور کسی قدر آواز سے رونے لگی۔
اب تو سوسن کا انتشار اور ڈر بڑھا اور وہ گھبرا کر اس طرح بولی یہی سی۔ کوئی دور تو بھی جلدی۔ اسے بادشاہ سلامت
کو خبر کرو۔ ہائے میری شاہزادی کو یہ کیا ہو گیا ہے؟ اور خواہوں نے اگر چاروں طرف گھبرا۔

عباسہ نے (جلدی سے ہاتھ کے اشارے سے) نہیں (بھرائی ہوئی آواز میں) نہیں کوئی بخائے
خبردار کیسے جو خبر تو سوسن، اتم گھبراؤ نہیں میں ابھی ہوں بالکل اچھی۔ ایک خیال آگیا تھا جس کی وجہ سے حالت ہو گئی
سوسن نے معاذ اللہ میرے عیوش اڑ گئے۔ وہ ایسا کونسا خیال تھا جس نے دشمنوں کا یہ حال کر دیا؟
گو اور دونوں کے دکھانے کے لیے سوسن کے اس سوال کو عباسہ نے بہت ہی بے اعتنائی سے سنا مگر مرن
اس کے اشارے سے اسے سوسن کو سمجھا دیا کہ چپ رہو اس وقت اس کا موقع نہیں ہو عباسہ کا ٹھگین دل
پلنگے اٹھنے کو اس طرح نہیں چاہتا تھا مگر پھر سوسن کے اصرار اور مصلحت وقت کے خیال نے بالآخر دست گرفتہ
اس کو پلنگے اٹھایا جو غرضی سے فراغت کی۔ وضو کیا فجر کی قضا نماز ادا کی اور پھر وہی بات کے واقعات
باد کر کے اس طرح اپنے دل سے کہنے لگی یہ ہاتھ جو کہ تو عقد کے نام سے نفرت تھی ہمیشہ انکاری رہا مگر محبت کا خدا

اسکا جلب عباس نے جس انداز سے سوسن کو یاد دہنایا تھا کہ باوجود اس بے تکلفی کے اس کی شکل حیا
اسکی زبان کو کپڑے لپیٹی ہو اور اس حال پر بھی جس کے ساتھ منعقد ہو جائیگی خوشی کچھ اس کے دل میں باقی
ہو وہ بان کے گلے کو نگار کے ساتھ کہتے ہی کہتے اس کے ہونٹوں پر کبھی درستم کی کیفیت پیدا ہو گئی اور
منہ پر روال رکھ کر شرم سے اُس نے اپنی گردن جھکا لی۔

سوسن نے ایسی ہی تو پھر کس بات کا بیج اُرو میں آپ کے دشمن۔ آپ اسکا خیال بھی نیکی سے بات
چیت کرنے کے ہزاروں موقع ملین گئے۔ کیا ایسا ایسا نہیں ہر وقت دیکھا کریں گے۔ تو یہ
عباس سے بڑا ہی تو نہیں ہو سکتا! سوسن۔ میں سچ کہتی ہوں خدا نخواستہ بھائی جان کو اگر کوئی بیوی
شک بھی کرے گا تو غیب میں کر لے پھر خیرین۔ اور ہائے اُن حضرت کے دل کا بھی حال تو معلوم نہیں۔
وہ جھلا سکو کیون جانز رکھتے گئے۔ اس ظالم کا دل تو پھر ہی پتھر ہے۔

سوسن نے نہیں بیوی۔ ایسا تو نہیں ہو۔ اس روز جب میں بات کی وقت پہلے پہل گئی تھی ماضیہ وقت
تو انکی ہر ایک بات محبت کی براتی تھی۔ مگر خدو بات فقط اتنی ہو کر شاہی محل کا یہ معاملہ اور وہ بھی اسکا
شش بہو چھوٹا منہ بڑی بات۔ ذری زبان کچھ نکالتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ ورنہ محبت تو انکو ضرور ہے۔

عباس سے ہاں دل تو میرا بھی گواہی دیتا ہو۔ رات بھائی جان جب اس طرح کی مانعیت کی ہو تو بھی اگر تیرے
دیکھ کر انکی میں اتنا سوچ لائے۔ سوسن تم سے اب کسی قسم کا پرہ نہیں ہا میں سچ کہتی ہوں خدا جانے انکو کون
کیسا جاو کر دیا ہو کہ ہر دم دل میں انہی کی یاد رہتی ہو۔ میں ات دن ایک کاٹا سا کھٹکا کر لیا ہو میری تمنا
تھی کہ اگر ایک لفظ کیلئے وہ مجھ کو کہیں تنہا لجاتے تو میں ان سے دو باتیں کر لیتی۔ مگر آہ ایسے نصیب کہاں ملا
سوسن بڑی ہی ہو۔ تو یہ بھی کوئی مشکل بات ہو جس کے لیے آپ اس طرح فرماتی ہیں اگر حکم ہو تو بھی
میں اُن کے پاس جاؤں۔

عباس سے ہاں ہاں میری سوسن!! اگر تم اس کو مشمش کر دو گی تو میں تجھا لڑا احسان ما تو کئی غمخوار ہو
سوسن ایسی ہی معاذ اللہ شاہزادی صاحب آپ یہ کیا غضب کرتی ہیں۔ حسان کس کا کیلئے میں
ابھی جاتی ہوں۔ مگر ہاں ایک بات ہو ابھی انکو یہ طریقہ اطمینان تو اچھی طرح ہو گا نہیں ایسا انکو
کسے کو کہیں بھوت سمجھیں اور یہ خیال کریں کہ اس میں کوئی چال ہے۔

عباس سے ہاں بیک تم سچ کہتی ہو ایسا خیال ہو سکتا ہو اچھا تم کتنے کا سامان لاؤ میں ایک قہر بھی لکھتا ہوں
سوسن ہاں ہاں میں بہت سچی ترکیب ہو مگر لکھ دیجیے۔ وہ جلدی سے مجھے کا سامان لا کر حاضر کیا۔
ہائے کاغذ قلم تو اب عباس کے ہاتھ میں ہو مگر شوق اور حیا میں جھگڑا ہو گیا ہو شوق کا تو ہر لڑکی کو خوب ہی دل

کھو کر کھینچے اور چاکرہ ہی ہو کر نہیں۔ دورانہ پیشی کے خیالات تو کچھ کھانا چاہتے ہیں اور مسکرت وقت کچھ اور ہی۔
تنہا اپنی اپنی راہ بیچ میں کوئی بڑھتے ہیں اور یہی غش غش مرغ میں بار بار ظلم اٹھا اٹھا کے رہ جاتی ہیں جب اس
حالت پر کچھ دیر گزرتی تو بالآخر کچھ سوچ سمجھ کر اس نے اس طرح لکھنا شروع کیا۔

”محبوب!۔ ادھر دیکھیے۔ میری طرف۔ جھکو کچھ عرض کرنا ہو جس عذر کو میں جانتی ہوں اسے سنا
اگر کوئی عذر ہو تو غیر درک سیاح میری دیوتا میں لیجئے نزدیک سے سنیں۔ دوری سے۔ ہاتھ
ایک نئی کٹی لٹھن کا یہ کھانا کھا کر خدا جانے کس قدر آسودہ ہو گیا اور میں تم کو کس گمراہ میں کیا بتاؤں گی کہ یہ
دل کے ہاتھوں سے مجبور۔ ”عجب اسے“

جہاں نے اپنے دل کے بڑھے ہوئے شوق کو جو ایک بڑے سے بڑے دفتر میں پہلی کسی سطح پر نہیں پاسکتا تھا
بمجبوری اسی دوحرفی دفعہ میں کھل کر سوسن کے والہ کیا اور سوسن کو نہ لے کر کے جعفر کے پاس لایا کیا سوسن آپ
شادی کیونڈے سے ہار لگ گئی تو ایک بڑے نقاب اس نے اپنے سامنے جھک کر چھپایا ہی اور اپنے دل سے یہ باتیں کرتی رہی
اور اس سلطنت کے دو لکھ کی طرف جاری یہ حقیقت میں عشق بڑی بڑی چھپائی شادی ہو گیا حالت ہو گئی یہ ہنگام
اس کے دل پر محنت صبر ہو اور اسی لمحہ میں کو دیکھئے کہ عقدہ توڑ دیا گیا کیسے ساتھ ملی چڑھی حالت بھی گدی رہتا ایک جگہ
کھڑی ہوئی نمونہ۔ بات چیت نہ کرنا۔ یہ نہ کرنا۔ واہ اچھا عقدہ ہو۔ یہ تو وہی مثل ہوئی اگر تھانیں گنگوٹ
پر نیز چھپتی ہی کیوں کیا تھا۔ غیر اس جھکو کیا مطلب۔ میں اس وقت جس کام کیلئے جاتی ہوں اس کی جھکو کرنا
چاہیئے۔ بڑا مشکل کام پینے پئے دے لے لیا مگر پھر آخر کر گئی۔ انکا شہرت کا رونا دھونا بھی تو نہیں کچھ ہوا۔ ہاں
پھر بڑا جھکو کرنا چاہیئے۔ اگر علانیہ طور پر وہاں جاتی تو وزارت پناہ سے جھکو ملنا مشکل ہی کیونکہ اگر آپ کو جاتی
ہوں پوشیدہ طور پر اور پناہ بھی تنہائی میں چاہیئے مشکل ہوئی!۔ دل میں اس خیال کے آتے ہی اس کی رفتار
محسوس ہو جاتی ہو اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ گویا اس وقت یہ کسی سوچ میں آگئی۔ دو چار ہی قدم چلنے کے بعد
اس کے چہرے سے وہ پہلا سا انتشار جاتا رہتا ہو اور یہ اس طرح اپنے دل سے کہتی ہو کچھ نہیں جادو وہاں موجود ہو
اس کے ذریعے سے کام نکل جائے گا۔ رخصتہ پر وہ عاشق ہو۔ بے بس اسی اللہ میں اس سبب پناہ کام اس وقت نکال
لوگی اور اسکو وزارت پناہ کے عزاج میں داخل بھی کیس قدر زیادہ ہو۔ میں یہی بہت اچھی ترکیب ہو اب کچھ
اندیشے کی بات نہیں۔ اور اسی خیال کے ساتھ وہ قدم بڑھا کر چلنے لگتی ہو۔

وہ جعفر کے سینے پر رات ہی عشق کا کاری تیر لگا تھا وہ جرات ہی جہاں سے شمع جہاں کا چراغ نہ تھا۔ آہ جسکی رات
شادی بھی ہوئی رات جعفر پڑتے تڑپتے آفتائے راز کے اندیشے سے ابھی ٹھہرا ہوا دھوکہ کٹ سکتے کرے میں
بیٹھا تھا جہاں کی پیاری پیاری صوفت آنکھ کے سامنے پھرتی تھی اور یہ ایک حسرت کے ساتھ دیکھ کر اپنے

دل سے کہہ ہاتھ آہ پیاری شاہزادی تھے کس ہلاکی صوت پائی ہو مگر ہائے کیا اچھا ہوتا جو تم سے ملے
ہو تین اینہیں۔ نہیں۔ تمکو تو خدا نے میرے ہی لئے پیدا کیا تھا مگر آہ۔ خلیفہ نے مجھ پر ظلم کیا۔ بلا ظلم آہ کیونسی
بھول سکتا۔ ہائے بات تک کر کی اجازت نہیں ہی بے تکلفی سے ملنا تو درکنار کہ جو آدے حاضر ہو کر عرض کیا
”وصفہ سو سن حاضر ہو“

سو سن کا نام سنتے ہی جعفر کا دل خوشی سے اچھل پڑا شوق کے مارے متنا خون میں ملکر گونگے اندر دوڑنے
لگا اور اس چہرہ پر مسرت اور اقبساط کی جھلکیاں نمودار ہونے لگیں جو ایک ہی لٹ میں کھلنے ہوئے ہاسی
پھولوں کی طرح بالکل شہرہ ہو گیا تھا سو سن کو آنے کی اجازت دی اور جواد سے کہا ”ہاں پھر ملو کوئی آئے نہیں“
سو سن نے جیوت سا سنہ آکر سلام کیا اس وقت اس کے چہرہ پر اس بے خوشی عظیم ہوئی کہ گویا کوئی نعمت غیر متوقعہ
اس وقت اس کے ہاتھ لگ گئی۔ اس نے ہنس کر سو سن پر چھا کیوں سن کیسی نہیں شاہزادی تھا کاج تو چھا ہو
سو سن (ایک ٹھنڈی سانس لیکر) کیا بتاؤں حضور کیسے مزارج ہو۔ رات سے خدا جانے دشمنو کیا کیا ہو گیا
ہو کہ یہ بگڑی ہوئے آئی ہو اور ابھی آنکھوں سے آنسو نہیں تھے“

گو جہاں کا یہ حال تھا جعفر کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو بھر آئے تھے اور محبت کے رابطے نے عباس کے رونے کی
دہر بھی اسکو اچھی طرح بتادی تھی مگر یہ بھی تجاہل عارفانہ کے ساتھ اُسے پوچھا ”یہ کیوں؟“

سو سن نے قصور معاف حضور کو کچھ اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا خبر ہی نہیں جب آپ ہی کو ابھی چند من معلوم تو میں کس
گنتی شاہزادین اور بڑھکے اس کا رقعہ پیش کر کے کہا ”یہ لئیے یہ شاہزادی صاحبہ دیا ہو“ جعفر نے اس رقعہ کو بڑے
شوق سے لیکر پہلے تو آنکھوں سے لگا دیا اور پھر اسکو بڑھکے خود ہوا عشق اور محبت کی آگ اور تیز ہو گئی اور یہ اس طرح ہے
دل سے کہتے لگا ”آہ کس پر پیاری شاہزادی کو مجھے محبت ہو۔ حرف حرف سے الفت کی بد آ رہی ہو۔ ہائے کس

بے اختیاری سے یہ خط لکھا ہو میرے دل کے اضطراب کی ان باتوں سے کیا تسکین ہو سکتی ہو۔ آہ یہ اور حسرت
ٹھکانہ والی باتیں ہیں حسرت بڑھاتی والی (سو سن سے خطاب ہو کر) ہاں سو سن آخر کچھ کہو تو نہ لگا جان کا یہ“

اتفاق سے اس وقت سو سن کو بہت اچھا موقع ملا تھا اسکی زبان نے جانتک یاری ہی دیاں تاکہ اسے عباس کی
محبت اسکی حالت اور اس کے شوق کو تفصیل طور پر کچھ اس درو بیان کیا کہ جعفر نے اختیار دیا اور پھر اس طرح کہنے لگا

”سو سن تم آنکھو دینا اس سچ و غم سے کیا حاصل!۔ اس کے حکم کے بجالانے کیلئے میں دل اور جان حاضر ہوں
مگر ایسے امر کے کرنے پر مجبور ہو کر میں جو ہوں نہیں سکتا“ جعفر نے قلم کا ہڈا اٹھا کر رقعہ کا جواب لکھنا چاہا۔ مگر آہ

اس کے دل میں شوق کا ایک بہت بڑا دیا جوش خروش کے ساتھ لہریں لے رہا۔ عاشقانہ مضامین کو شکر ہے
ساتھ اس کے ذہن میں چلے آتے تھے وہ بہت کچھ لکھنا چاہتا تھا مگر اس خیال کے آتے ہی کہ ماروں رشید نے

مبادا امیر امتحان لینے کے لیے یہ قصد عیاں نہ لکھا کرتے بھیجا ہوا اس نے قلم ہاتھ سے رکھ دیا۔ کاغذ چھینک دیا اور عباسہ کا بھی رقعہ جوابی آنکھوں سے لگا لگیا تھا پُر زبے پُر زبے کر کے سوسن کے ہاتھ میں لکھ دیا اور اپنے شوق اور محبتوں پر وکر سوسن سے کہا بجا دے میرے پاس اسکا کچھ جواب نہیں۔
 سوسن نے گواپنا دل کر کر کے اس کے بعد بھی بہت کچھ جو فرے لکھا مگر اس ایک مثنوی اور بالآخر بہت مایوسی کے ساتھ اسکو ملٹا ہی پڑا۔ جو اد کو ان حالات سے کو ابھی کچھ اطلاع تھی مگر مان واران سے وہ اس قدر غور سے لکھا تھا کہ وزارت پناہ و شہزادی صبا میں کچھ اور ہی باتوں کی چیز تھی پڑی۔ وہ سوسن کے سامنے ہاتھ چلا دیا بیان نہ لکھتی ہی اس نے اپنا تذکرہ چھپوایا مگر سوسن اس وقت اس قدر کماں میں تھی کہ تھکر انکا حال تھی اس نے کچھ جھپٹا کر اسکی باتوں کو کسی آئندہ وقت پر موقوف لکھا اور اس سے مشکل اپنا چھپا پھر کر شاہی دیوان کی طرف بڑھی۔
 عباسہ اس کے ایسی منتظری تھی جس سے میں دل ہلکے ہاتھ۔ امید میری کیفیت تھی شوق امیر لکھا تھا اور تاہم یہی اسکی ناؤں فطرت کی تھی کہ خداوند کے سوسن پر بھی اور عباسہ کے لکھ کر حدی پوچھا تھو سوسن کی خبر لائیں ایسے سوسن نے ان واقعات کو بہت شرح طور پر بیان کرنا شروع کیا جو جھنڈ سے ملنے کے پہلے اور بعد اس کے کچھ کے ساتھ اس وقت گذرے تھے۔
 سوسن نے اپنی گفتگو کا سلسلہ بھی ختم نہیں کیا تھا کہ وہی ہوا جو آواز کو دو رنگ لجاتی ہی اسکی جتنی ہوتی زبان اور جھبش کرتے ہوئے ہوتھوٹ دہی باتیں لینے ہوئے عباسہ ان کا نون تک پوچھنا چکے بیرون کے پاس اسکی قوت سامعہ شوق میں بھری ہوئی ایسی خبر سننے کی منتظر تھی جو اسکی کنیہ کامیابی کے لیے ایک امید دلائی ہوئی چیز ہو۔ مگر نہیں۔ یہ وہ ہوا جنہیں تھی جو انکے غمخیزوں کو شکستہ کرتی ہوئی صبح یا شام کے وقت اکثر چنوں کی روش پر چلتی ہی۔ بلکہ اپنے اثر میں یہ ہوا اسی تھی ہوا کے قریب قریب تھی جو بعد ازاں میں شامل اور منہ پر کونے سے آکر کشت حیات کو سراسر پامال کرتی چلی جاتی ہی عباسہ کو ستا تا لکھ دیا اور اس رقعہ کے پُر زبے دیکھ کر انکے میں اسو بھلائی جھکوا اس نے بڑے شوق سے لکھ کر جھنڈ کے پاس بھیجا تھا۔

رہنچ اور غم کی شدت ہوئی اور اسی حالت میں مرنیکا جھنڈ کی بے اعتنائی کے گلے شکوے کرتی ہی سوسن کی گفتگو کے ہر پہلو پر غور کرتے کرتے جب اس نے اس امر کو تسلیم کر لیا کہ نقطہ بادشاہ کے خوف کے ملے وہ مجھے نہیں مل سکتا تو کیا راگی بگمائی نے اسکو اس امر کا بھی اندیشہ دلایا کہ عمیاد وہ میری ان باتوں کی خبر بھائی جان کے نزدیک نہ ہو اور اس خیال کے لیے ہی ہے سہم ہوش و اس میں رخصت ہو گئے اور پھر پھر پھر میں مل کر اسے نازک اور موقوف دل کو سخت تکلیف دینے لگا لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد اسکی سچی تہمت اور پاک دل نے اسکو اس امر کا یقین دلایا کہ جھنڈ کو سہرا سہرا محبت ضروری اور ایسی حالت میں میرا ساتھ نہ کبھی اس قسم کی دشمنی جان نذر رکھے گا۔ جسکی تصدیق کرنے کے لیے فوراً یہ بات بھی اس کے باہر تھی خوں بانی کہ بفرض حال جھنڈ کو اگر ہی غور ہو تا تو بادشاہ کے لکھانے کے لیے یہی سہرا لکھا ہوا رقعہ ہوا جس کی رقعہ لکھتے۔ اول

عجب تین جوانوں نے اس سے ملنے کر کے یہ میرے پاس اس قصہ کے پڑنے سے بھی بھونک بیٹھیں یہی بات ہوئی
مگر ان خیالات کی آمد سے اس قدر توجہ رہو کہ اس کا وہ انتشار بالکل جاتا رہا جو خط کے شعلہ جھڑکی
بے اعتنائی بہت بڑے سکو آٹھ آٹھ اور لایا کی اور یہ اس کا روم اس وقت تک نہیں کہ سہا جتک آئے والی را
نے پھر ان دونوں کو شہستان عشرت میں لگا کر بٹھا نہیں لایا اور اس جھڑکی محبت اور حسرت بھی آنکھوں کی
الچائی ہوئی نظر کے دیکھنے سے اس کی ملی محبت کا اچھی طرح سے پورا اندازہ نہیں ہو گیا۔ مگر اس کا کیا نتیجہ تھا کہ کچھ
نہیں حسرت اور غم کو اس طرح روز بروز ترقی ہوتی گئی جس طرح انکی باہمی محبت کو۔ اور محبت بھی اس طرح
روز بروز ان ہوتی گئی جس طرح شہستان عشرت میں انکی نشست پر زمانہ گزر گیا۔

گو اس واقعے پر اب چھ مہینے سے کچھ زیادہ زمانہ گزر گیا ہو لیکن آج تک ان دونوں کو کوئی ایسا موقع
نصیب نہیں ہوا ہو کہ یہ دونوں کہیں فرار و تیر نہا بیٹھ کر ایک دوسرے سے اپنا حال کہتے۔
اس زمانہ میں گو دو تین بار عباس نے اپنے دل کے اصرار سے بخوبی ہو کر جھڑکی اور رقعے بھی لکھے لیکن اس کا
بوجھ جھڑکی طرف سے کبھی بھڑاسکا اور کچھ نہ ملا کہہ چاک کر کے اس کر دیے جائیں جسکی وجہ جھڑکی تجویزی
اصطیاط کے اور کچھ نہ تھی۔ روزی یہ ناکامیاں بیان دیکھ دیکھ کر اب عباس کو بھی ان تئاریہ سے جھڑکی ملنے کی
امید منقطع ہوتی جاتی ہو اور جو وقت حد درجہ اور غم سے کچھ فرصت مل جاتی ہو تو وہ اسی امر میں طرح
طرح کی کوششیں کرتی ہیں کہ کیس طرح جھڑکی ملوں۔

بارہوان باب

حسن اتفاق
باغ ہو ہم ہن جنون کا ڈھنگ ہے
گلشن گلے رنگارنگ ہے

تھوڑا سا دن باقی ہو۔ دجلہ کا پانی۔ اپنی موجوں کی روانی دکھاتا ہوا یہ باہر مشرقی ساحل پر جا بجا غیے
نصب ہیں جنہیں ہارون رشید کے باڈی گارڈ کے سپاہی نظر آتے ہیں اور مغرب کی طرف سے ڈونے ملے آتے آتے
کی کرنیں آ کر پورے ہنر لیدیز کے جھوسے بالوں کی طرح اپنا پھل بل دکھاتی ہوتی پانی میں غوطے لگا کر رہے
لطف کے ساتھ کھیل رہی ہیں پانی اُلجھی یہ خوش فعلیاں دیکھ دیکھ کر فرط شوق سے ہاتھوں اوچھلتا ہوا
گرتا ہو اور اس طرح کثرت کے ساتھ کہیں کہیں پیدا ہوتی ملی جاتی ہیں جس طرح کسی غیرت خورشید کے حسن
عالم سونہ کی چمکیاں دیکھ کر کسی حسن پرست دل سے بے انتہا متناہیں بے اختیار ہو کر نکل پڑیں۔ ان لڑکوں
میں سے کچھ تو دجلے ہی میں ہلکے سیدھے شمال سے جنوب کی طرف چلا رہی ہیں اور کچھ اس نکل نکل کر ایک

بڑی لہریں ہوتی ہوئیں اس چار دیواری کے اندر چلی جاتی ہیں جو یورپ کی طرف بالکل لب دیا
 واقع ہو اس چار دیواری نے پلنے والی ہوا کو آزادی سے اندر آنے جانیکی اجازت دینے کے کیئے اپنی بلندی
 کو کسی طرح قدر آدم سے زیادہ نہیں بلند ہونے دیا یہی وجہ سے وہ کل زمین کسی قدر باہری سے نظر
 آ رہی ہیں جو اس کے احاطے کے اندر واقع ہیں۔ یہ چار دیواری بلوغ کی علوم ہوتی ہیں جو زمین پر جالیان
 بنی ہوئی ہیں اور انکی لہریں لہریں دارمندی پر اندر کے درختوں کی ہری ہری شاخیں کہیں پر تو خود ہی اندر کا
 لطف دیکھ دیکھ کر پڑی لوٹ رہی ہیں اور کہیں ٹنڈیرنگ گڑن یا ہرنگ لے ہوئے ان کو کوئلہ بیان کا تماشا
 دکھانے کیلئے اپنے سر کے اشارے سے بلارہی ہیں جو اسوقت اس طرف سے کہیں آتے جاتے ہیں۔ پھولوں کی
 بھیڑ بھیڑی ہوئی ہوا میں لٹی ہوئی آ رہی ہیں اور اسی کے ساتھ کچھ نغمہ ساز کی دلکش صدائیں بھی اندر
 آ رہی ہیں جو بے اختیار دل کو سینے سے کھینچ لیتی ہیں اور یہی دل چاہتا ہو کہ چل کر اور قریب سے ہے۔ اس
 شوق کے پیدا ہونے ہی داعی قوتوں کی کیفیت سے ہمارے عضلات اور پھولوں پر ایک قسم کا دباؤ پڑتا ہے
 اعضا میں کچھ حرکت پیدا ہوتی ہو اور پاؤں خود بخود اپنے کام میں مشغول ہو جاتے ہیں مشرق کی نظر
 اسکا چھٹاگ ہو جان اب ہم آگے ہیں اور گویا ان تک آتے ہی آتے ہو کہ اس بلوغ اور ان خیوں کو کچھ کچھ
 اجمالی حال بھی معلوم ہو گیا ہو لیکن اس بلوغ کا وہ دلچسپہ نظر اسوقت ہمارے آنکھوں کے سامنے اپنی بہا
 دکھا رہا ہو کسی طرح ہوا اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم اس طرف اپنے خیال کو طے کر کے کوئی بات کریں۔
 پھر انا کے دروازے میں چاندی کے بہشت پہلے سینچنے لگے ہیں جو ہر سونے کی انگوری بلایت خود ہوتی ہے
 ساتھ چرخ ہوتی ہو اور چھٹاگ کی چھت پر کچھ عمارت بھی بنی ہوئی ہو جو کوئی تھوڑی مگر بہت نفاس کے ساتھ
 بنائی گئی ہو بلوغ آدم کو بہشت بھی کہیں ہو لیکن اپنا خیال بہت وسیع کرنے کے لئے بھی بجز اس کے اور نہیں
 کہہ سکتے کہ وہی اغلب ایسا ہی ہو گا یا شاید اس کچھ اچھا ہو ورنہ جو بات ہم سمجھتے ہیں اور کہیں ہو نہیں سکتی۔
 روشنی عشاق کے دل کی طرح صاف اور معشوق کی مانگ کی طرح سیدھی چلی گئی ہیں جس پر یورپ اور ایشیا
 دونوں کے مذاق کا منورہ دکھانے کے کیئے گئی ہوئی سرخی سینڈر بھی مانگ کی طرح پوری تشبیہ کی ہو
 کہ اسے کتنا بے رنگ مرمی پڑی ہو اور پانی کے لیجانے والی نالیوں میں رنگ بگ بگے بلوئی جگڑے پڑے
 ہوئے ہیں جو ہر سبز رنگا عکس چھولوں کی سرخی آسان کی نیلگوئی اور آفتاب کی روشنی سے بے قوس قوس کی طرح
 اپنی اپنی رنگ آمیزیاں بڑی آہ تاب کے ساتھ دکھا رہی ہیں، سپانی ان پر رہ رہا ہو اور اس کے چھوٹے چھوٹے
 ریزے پانی کی روانی کے ساتھ نیچے پڑے ہوئے اور دھڑ دھڑھلک رہے ہیں۔ چاروں طرف باد بہاری
 روشنوں پر گلگشت کر رہی ہو۔ کیا ربوں میں سبزے کا محلی فرش چھا ہوا ہو اور جو ان میں چھوڑا گیا گستا

پہنچ چکے حیرت میں کھڑے بیان کی بارودیکھ رہے ہیں پھولوں کے خدا و احسن پر خدا دل کے
چھچھے اور اپنی دلاویز خوشبوؤں سے بھوزوں کا بخوسمی اور مستی کے عالم میں اُڑا کر چکر لگانا تو خیر اب
پڑانی باتیں ہو گئیں ہیں مگر آپ مختلف رنگ کے ان چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو دیکھ کر چاند کی طرح شبنم
میں اڑے ہوئے آتے ہیں اور پھلے ہوئے دختوں کی نازک نازک پتھریوں میں بیٹھ کر اس نسل بڑھا
والے لعل کو جذب کر لیتے ہیں جسکو حکیم مطلق نے حیوانی نطفہ کا قایم مقام بلکہ نباتات میں امانت لکھا ہے
اور یہ پھر وہاں سے اُڑا کر اُن پھولوں پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں جسکو پہلے دختوں کے اعتبار سے انوثیت کا
مرتبہ حاصل ہے۔ ان آئینوں کیڑوں کو اس حیثیت سے آتے دیکھ کر یہ پھول خوشی کے مارے پھولے
جامہ میں بیٹھ جاتے اور اپنی پتھریاں بے اختیار ہو کر بڑے پیار کے ساتھ انکو اس طرح لیتی ہیں طرح
مستی کے عالم میں کوئی شوخ بازار سی عورت ایک نفریب نسیم کے ساتھ اپنے نازک منہ کو لکڑی کی خوش نصیب
عاشق کے بوسہ لینے کے لیے حرکت سے رہی ہو۔ یہ امانت دار کیڑے لائی ہوئی امانت اسکے سپرد کر دیتے
ہیں اور وہ اسکو بڑے ذوق شوق کے ساتھ لیکر اس طرح بارور ہو جاتے ہیں جس طرح عموماً نباتات میں
دیکھا جاتا ہے اور پھر پھولوں کی چڑیں ایک قسم کا ادھیار پیدا ہو جاتا ہے جو اپنی جنس کے پھل پیدا کرنے کے
لیے تو غیر حسدینوں کے اٹھتے ہوئے جو بن یا محل کی طرح ساعت ساعت اُچھرتا رہتا ہے۔

یہ شان بڑی عباس کا دلکش باغ ہو جسکو ابھی حال میں اُس نے بتوایا تھا اور جسکی آجکل نہ بارہ زیب و زینت
پر نہونے کی خاص وجہ یہ ہے کہ عباس نے اس میں اپنے بھائی ہارون رشید کی دعوت کی ہے اور وہ بیان
دس روز سے اسکا اہمان ہے۔ وسط باغ میں سنگ مرمر کی ایک خوشنما بارہ دہری ہے جو نیچے اوپر دو درجے
کی بنی ہوئی اور اسکی بجاوٹ میں اس قسم کے فوج پرے کام لیا گیا ہے جو شبستان شامی کی رونق اور
آرایش کا باعث ہو سکتا ہے۔ قوائے جا بجا اوجھل ہے ہیں اور بارہ دہری کے چاروں طرف ایک وسیع آجوبی
جو ہر صیب عشاق کے اٹھنے کی طرح پانی سے بھری ہوئی ہے برہی جو جبین و چھوٹی چھوٹی کشتیاں ہیں جنہیں جنوب
کی سمت سے طوفان کو آ رہی ہیں۔ انہوں سے ایک پرتو ٹٹا ہوا دی عباس۔ ہارون رشید اور جعفر بیٹے ہیں اور
دوسری پر جو اسکے چچھے آ رہی ہیں چند مغنیہ کینز ہیں جو بیٹھی ہوئی عموماً اور برہ بجا رہی ہیں۔

ہر وقت ہارون رشید کے کان تو ساز کی آواز پر گئے ہوتے تھے۔ آنکھیں سیریزیا کا لطف اُٹھا رہی تھیں مگر
جعفر اور عباس دونوں پانی اور چھلیوں کے دیکھنے کے بہانے پانی کی طرف متوجہ تھے کہ آپس میں ایک دوسرے
کے اُس عکس کو دیکھ رہے تھے جو ان کے دلی شوق پر کچھ رحم کھا کر ہارون رشید کی نظر پائے تھے جو سطح آب پر

عہ ظہبات میں ہارون رشید کو پہنچ گیا کہ کیا نباتات کی طرح نباتات میں بھی زندگی ہے اور انکو کچھ لکھنا سنا ہے اور انکو لکھنا سنا ہے
یہ کہشہ بھی ہلک ڈر رہے ہیں ۱۲

پڑا تھا مگر ہائے مقدر کو دیکھ کر اس مجبوری کی حالت پر بھی اسکو کچھ رحم نہیں آتا۔ پانی کی وہ دہم دم آنی پانی
 سرین جو پتھاروں کے جلد جلد چلنے اور کشتیوں کی حرکت کرنے سے انکے ٹھہرے ہوئے شوق نیک کی طرح
 کثرت سے پیدا ہو رہی تھیں برسے تم کے ساتھ انکی تنہاؤن کی طرح ان کے نکس کو بھی حرف غلط کی طرح
 سطح آب شاقی جاتی ہیں۔ آفتاب بھی گوجا سے کشتیوں میں اپنا فرض بڑھا کر دیکھنے کا قصد کرتا
 تھا مگر چار دیواری کے حائل ہو نیکیہ سب سے اب کی نظر پہنچا تک نہیں پہنچ سکتی تھی جبکہ وہ خفا
 مغرب میں چمکا ہوا اپنی شعاعوں کو بعض بعض اوقات متوقع پارٹن جالیوں کی راہ سے یہاں تک بھیج رہا تھا
 جو چار دیواری میں بنی ہوئی ہیں لیکن ان شعاعوں کو چونکہ بہت دقت سے یہاں پہنچنا نصیب تھا یہاں اس لیے
 یہ آتے ہی آتے ٹھک کر سطح آب پر گر پڑتی ہیں اور عباس کے پاس تک نہیں پہنچ سکتیں مگر ان کا
 عکس فردا شوق سے اٹھ اٹھ کر عباس کے پیادے پیادے چہرے پر گر پڑتا ہے اور اس وقت عباس کو دیکھ کر غلط
 جھنکری کیا حالت ہو جاتی ہے کہ وہ اپنا دل سوسن سوس کر رہا ہوتا ہے اور پھر سطح اپنے دل سے کتا ہی
 آواز اس مغرب صوت کو دیکھ کر جھلا کسی گھر سے کتا ہی، ہرگز نہیں۔ فرشتہ آسمانی سے بھی تو ایسا نہیں
 ہو سکتا کبھی نہیں۔ میں حقیقت میں بڑا سنگدل ہوں۔ سنگدل نہیں۔ بد نصیب کتنا چاہیے۔ بالکل
 بد نصیب۔ ہائے پیاری شاہزادی کس کس طرح میری عواظ کرتی ہے اور میں ایک نہیں سنتا۔
 کچھ ایسے افسوسناک خیال مجھے کچھ دل سے داغ تک پہنچتے ہی پہنچتے جعفر کو کچھ ایسا شرمندہ یاد آگئے
 کہ یہ سر جھکا کر رہ گیا۔ اس وقت اس کے چہرے کا رنگ انکے سابق کے خیالات کی طرح بالکل اڑا ہوا تھا
 اور انکے تیر تیرا ہے تھے لگا لگا کر کچھ نہیں تو اس وقت اپنے دل سے مجبور ہو کر اپنی داستان شاہزادی کے
 قدموں پر اپنا سر قمر در رکھ سے گا مگر آہ خدا جانے ہارون رشید کا کس قسم کا خوف تھا کہ اس نے انکے عین
 شوق کی حالت میں انکے دل کے قصد کو یہ طرح روک دیا اور یہ ایک ٹھنڈی سانس لینے کے ساتھ
 عباس کا منہ دیکھ کر چپ رہ گیا۔ اسی حیرت ناک حالت بہت دیر تک کے قابل تھی مگر آہ اب وقت نے اپنا ایک
 بدل یا تھا اور مغرب کی طرف آفتاب کی من آنی ہالی کرکون کا بھی آنا موقوف ہو گیا تھا جو بھی سی جلد ہوا
 کی جالیوں میں گل ہوتے ہوئے چرخ کی مانند ہوتی تو کی طرح ٹک ٹک کر لگتی تھیں اور آگے نکس کا
 کمین بانی پر نشان تھا۔ دو چار ہی منٹ کے بعد شام کی سیاہی اپنا رنگ نیل میں جھلنے لگی اور باہر سے
 انداز کی تیر بہت آواز آگے بڑھے عظمت و جلال کے ساتھ نعمت و سائے کے ہواؤں پر غلبہ کر کشتیوں کو
 چلنے سے روکنے لگی سب کشتیوں سے اتر کر کربخ کی ناف میں مشغول ہو گئے اور پھر شری دیو کے لیے آب
 ایک قسم کی مقلرت ہر ایک میں پیدا ہو گئی تھی۔ مگر اس کا نمانہ بہت کم تھا۔ عین ایک گھنٹے کے بعد خفا ہو گیا

اور کچھ جعفر عباس سے اور ہارون رشید بارہ درمی بین دستار خوان کے گرد بیٹھے نظر آئے۔ کھانے کی حالت بیان کرنا تو محض فضول ہے۔ میں اس قدر سمجھ لیتا چاہیے کہ یہ شاہی دستار خوان تھا اور اس پر ہی سب قسم کے کھانے نظر آتے تھے جنکی ترکیب انسانی عقل نفاست کے ساتھ تجویز کر سکتی تھی ہاں دیکھنے کے قابل اگر کوئی بات تھی تو یہی تھی کہ اس وقت جعفر اور عباس کی کیا حالت تھی۔ یہ دونوں چپ بیٹھے تھے اور ان کو اپنے خون جگر پیٹنے اور غم کھانے سے اس قدر فرصت نہ تھی کہ کسی کھانیکل طرف رغبت سے دیکھتے ان دونوں کے ہاتھ کھانیکل طرف ابھی طرح آہستہ آہستہ اٹھتے تھے جس طرح شرابی ہوتی آنکھیں ہر کر ایک دوسرے کی طرف اٹھتی تھیں۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بارہ درمی کے بالا خانہ پر قرضہ مزدکی صحبت شروع ہو گئی جس سے ان کو تو اس وقت بظاہر کوئی دلچسپی معلوم نہیں ہوتی تھی مگر ہاں جب کسی وقت ان کی حالت کے موافق عاشقہ مصنون کا کوئی شعر گایا جاتا تھا تو ایک قسم کا کچھ بھی ضرور لطف ملتا تھا۔

وہ نل گیا رہ بیچے تک صحبت اس طرح پر رہی بالآخر غذا کی تہذیب کا نہ ملکر ہارون رشید کی نیند بڑی ترقی دینے لگا۔ خون کا دورہ دلخ کی طرف بڑھا اور اس کی شہادت دینے کے لیے جہاں یوں کے ساتھ کچھ دوا کی رطوبات آنکھوں سے نکلنے لگے۔ ہارون رشید نے استراحت کا قصہ کیا جعفر نصرت ہو کر اس بالا خانہ پر گیا جو پھاٹک پر بنا ہوا آپ آتے وقت دیکھا تھا اور عباس بارہ درمی کے اسی نیچے والے درجے میں اگر لیٹ گئی جہاں وہ روز آرام کیا کرتی تھی۔ عباس کو گویا بارہا وہاں دیکھا ہو گا جس طرح آج ہم اس کو گلن دیکھتے ہیں ایسا شاید کبھی اور نہیں دیکھا تھا۔ انتہائے رنج و غم کے بعد یہی آثار اس کے چہرے نمایاں ہیں۔ شام سے گو اس وقت تک بہت سی ایسی ہنسی مذاق کی باتیں ہوئیں کہ جو روتے کو ہنسنا دینے والی تھیں مگر سر کی ایک ایسی افروز ملی تھی کہ جس سے اس طرح تبسم کو بھی اس کے خشک ہونے کے آس پاس آنے نہیں دیا۔ اب سو سن تو بیٹھی ہوئی اس کے پاؤں پر گئی لگا رہی ہو اور یہ پینگ پر پڑی ہوئی اپنے دل سے یہ باتیں کر رہی ہو نہ لیجیہ پیش اور بھی ختم ہو گئے۔ بس آج ہی کی اتنی رات باقی ہو صبح ہوتے ہی سب جلد نیکے اور ہائے جس لیے یہ سب کچھ کر کے گئے وہ ایک بھی نہ ہوئی خیال تھا کہ جعفر موقع محل کا منتظر ہو گا۔ اسکے لیے دعوت کی صورت بھی نکالی گئی۔ وہ اس وقت تک بھائی جان کو پیش نظر قلم تھان رکھا اور کچھ نہیں۔ اس اچھا کوئی موقع مل سکتا ہے؟ اب اسکے ملنے کی کوئی صورت نہیں۔ صبر کرنا چاہیے۔ آہ اس سے کیا صبر کرنا چاہیے اپنی زندگی ہی سے صبر کرنا چاہیے۔ اب تک تو میں اپنی آنے والی موت کو اسی موبہوم امید پر چھو کاٹے رہی تھی مگر آج سے بالکل قطع امید کرنی چاہیے۔ یہ کچھ ایسی حسرت دلائلی باتیں نہیں کہ دل سے زبان سے آتے ہی آتے عباس کو کچھ ایسا صدمہ دے گئیں کہ بے اختیار ہو کر رونے لگی اور سو سن یہ حال دیکھ کر اس طرح سمجھانے لگی بیوی اس کی حاصل مجبوری ہے

کیا کیجئے۔ یہ گھڑی گھڑی روز اچھا نہیں۔ خدا کے لیے آپ اس خیال کو دور بھی کیجئے۔

عجاسہ ۲۲ (حوش گریہ سے زلزلتی ہوئی زبان میں) سون تم کیا کہتی ہو۔ یہ خیال کہیں رہو نہ والا ہی۔ آؤ ہم نکلے گا اور یہ خیال نہیں نکلے گا۔ اسکا دل سے نکلنا مشکل ہی۔ آہ بہت مشکل نہیں نکلے گا۔ کیسے طرح نہیں نکلے گا۔

سسوسن ۲۲ (دبوسانہ لہجے میں) خداوند اکبر اکرون۔ کچھ بنائے نہیں بننا۔ کوئی تدبیر نہیں چلتی۔ اور مایوس ہو کر کچھ غور کرنے لگی۔

عجاسہ ۲۲ (سسوسن کی طرف دیکھ کر) تم کس فکر میں ہو۔ کوئی تدبیر نہیں کارگر ہو سکتی ابس یہ میری آخری تدبیر تھی اب اگر کوئی صورت ہو تو یہی کہ میں اپنی جان شے کر اس عذاب سے چھڑ جاؤں۔ ہاں میں یہ بھی کہ کوئی ہو۔ اب بغیر اس کے مگر نہیں لیکن جب قبر میں بھی اس نجات ملے۔ آہ نہیں مل سکتی۔

سسوسن ۲۲ (ایسی ہی بیوی خدا خدا کرو۔ تو بے آپ کیسی باتیں زبان سے نکالتی ہیں۔ قربان کی ایسی محبت۔ خدا کے لیے لیکن آپ ایسا غضب بھی نہ کیجئے گا۔

عجاسہ ۲۲ (سسوسن پھر آپ میں کیا اکرون۔ میرا دل تو کسی طرح نہیں آتا۔ بہت حد سے میں نے ٹھٹھا کر لیا۔ اب میں نہیں ٹھٹھا سکتی۔ آہ اب دل میں مطلق طاقت نہیں۔ اور یہ کمکر زار و قطار بیٹھنے لگی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عجاسہ کی محبت اب محبت کے درجے سے تجاوز کر کے عشق کے مرتبے کو پہنچ گئی تھی اور خدا نے خراب عشق نے اس کو بہت کمال کا لکھ کر جو اس کو خدا و حسن نے طاقی جعفر کے حسن

کا عاشق قرار دیا تھا محبت کے اعتبار سے بیشک اس کا عشق پہلیک کی نظر میں نہ لیکن کے عشق سے کہیں بڑھ چڑھ کر ثابت ہوتا اگر مبدیہ فیاض جعفر کو ہر لمحہ داری اور استقلال کے ساتھ تیری کامر بھی نہ پاتو۔

عجاسہ کے چہرے پر اس وقت انتہائی صبر کی مایوسی برس رہی تھی۔ اس کا دل بہت تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا اور اس کے چہرے کا جلد جلد ہلکا ہوا رنگ لکھنے والے کو بتایا تھا کہ اس طرح مختلف خیالات میں اس وقت

اس کے ذہن میں تیزی کے ساتھ آگے ہیں لیکن یہ خیالات بہت راز و خراک کے معلوم ہوتے تھے اس لیے کہ بشرے سے حال دل کا ہر نمونے دینے کے لیے اس اپنا چہرہ بالکل نکل چھو لیا تھا اور چہرے سے پہلو

بدل ہی تھی آخر دل کی الجھن نہ مٹا کر بیٹھ گئی اور اس طرح صلی سے باتیں کرنے لگی پھر اپنے برکت کرنا چاہتے جو کچھ ہونا ہی وہ ہو جائے میں حضرت عشق کی درگاہ میں آج ہی میری قربانی چڑھ جائے تو اچھا

ہی۔ ہاں ہاں ایسا ہی ہو یا چاہیے۔ ایک ہی چھری میں تو میرا کام تمام ہو گا۔ ہاں اور کیا۔ ایک ہی چھری میں۔ آہ آہ یہ نہیں ایسی مکت ہی کیا باقی تو۔ مگر عید ہی۔ جلد ہی۔

عالم خیال میں ابھی وہ اسی حد تک پہنچ رہی تھی کہ اسکو کچھ سوسن کا خیال آگیا اور وہ اس طرح کہنے لگی۔
 دو سوسن دیکھنا تو سہی کہ بھائی جان نے آرام کیا یا ابھی نہیں مگر دیکھو بہت احتیاط سے کسی کو خبر نہ ہو۔
 اچھا! اور یہ سیکر پھر انہیں خیالات میں ڈوب گئی جنہیں ابھی پڑی ہوئی غوطے کھا رہی تھی۔

آہ عباسہ کا اسوقت برا حال تھا اس نے اپنی ناشادی نامزدی دیکھ دیکھ کر اسوقت خود کشی کا مصمم
 قصد کر لیا تھا۔ اسکا خون اس کے سر پر سوار تھا۔ چہرہ تمنا یا ہوا تھا اور آنکھوں سے اگر خون ٹپک
 نہیں رہا تھا تو خون کی طرح وہ سرخ سرخ ہو گئی تھیں۔ گو وہ اسوقت کچھ زبان سے کہتی نہ تھی لیکن
 اسکا قیافہ اچھی طرح بتا رہا تھا کہ یہ اسوقت مرے کے لئے تیار ہو مگر آہ سوسن اسوقت اندھی ہو گئی تھی
 جو اسکے چہرے سے اسکے اندرونی قصد کا بھی اظہار نہ کر سکی۔ نہیں۔ وہ اسیوقت سے بدحواس بن گئی
 ہوئی تھی جب عباسہ نے سلسلہ تقریریں اپنے ہلک کرے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ آہ۔ اس نے بڑی غصہ
 کیا جو وہ عباسہ کے کہنے میں لگی اور بارون رشید کی خبر لینے کے لیے اسکو وہیں تہا چھوڑ کر چلی گئی۔

سوسن کا جانا تھا کہ عباسہ کو موقع مل گیا۔ آہ اسکے سر پر تو عشق کا جن سوار ہی تھا وہ جلدی سے اٹھی
 اور زیر پر سے چھری لیکر پھر وہیں پلنگ پر بیٹھ گئی۔ خیر یوں تو اس قسم کے واقعات عموماً افسوسناک ہوتے
 ہی ہیں مگر آہ امیں شرم نہیں کہ یہ ایک پُر ارمان دل کے لیے بہت ہی حسرتناک واقعہ تھا۔ اسکی آنکھیں
 اپنے کام میں مشغول تھیں۔ تنہا بہن روپیٹ نہ ہی تھیں اور آرزو بہن بہت سوگوار صورت بنائے نالرد
 شیون کرتی ہوئی اسکے سامنے آ رہی تھیں اور یہ ان کو دیکھ دیکھ کر اس طرح کہہ رہی تھی آہ اب صبر کرو میر
 رونے سے کیا فائدہ مجبوری ہی مجبوری کیا کیا جائے۔ اب مجھے یہ فراق کے صدمے نہیں اچھ
 سکتے۔ آہ نہیں اچھ سکتے اور نہ میں بے حیا بن کر دنیا میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ یہاں اب چھوڑ
 نہیں ہو۔ آہ عباسہ کوئی دم کی اور عمان ہو۔

آہ جعفر تم اسوقت اسکی صحت نہیں دیکھ سکتے ہو۔ ہائے دیکھو تو وہ کہا کر رہی ہو مگر آہ نکو سکی کیا پڑا۔
 اچھا نہیں۔ سہی۔ لیکن پیارے بھائی یہ بے وفائیاں یاور ہیں گی (چونک کر) آہ یہ کس باتیں کر رہی
 ہوں۔ جعفر بیان گمان۔ اس نے کاشاید اب قیامت کے دن موقع ملے۔ مگر دیکھیے وہاں بھی نہ ملے
 ہیں کہ نہیں۔ نہیں۔ نہ ملنا کیا معنی! ہمارا پاک فین اگر سچا ہو۔ قیامت نہانی برحق ہو تو یہ نہیں خوشخبری بھی
 کسی طرح غلط امیں شہر سق کی قیامت کے دن سیدیاں اپنے اپنے خاوندوں سے ملین گی۔ تو میں یہ سب
 باتیں بھوکو آمدن کے لئے اٹھا رکھی جا رہیں جعفر۔ پیارے جعفر۔ (گھبر کر) ہائے سوسن آتی ہی رہی
 پھر موقع نہیں ملے گا۔ بیان تو بسم اللہ کرنا چاہیے بسم اللہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اور چھری کو سیدھے ہاتھ میں خوب اچھی طرح مضبوط کر کے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ جیش جیون کے زوروں میں بھرا ہوا ہاتھ اسکا کام تمام کرنے کے لیے چلا ہی چاہتا تھا کہ دفتر سے چہرے پر ایک قسم کا بغیر پیدا ہوا جس سے گویہ ثابت تو نہیں ہوتا تھا کہ اس کے خیال نے پلٹا کھایا مگر یہاں اس اور کاغذ و مرمر لگتا تھا کہ اس وقت کوئی نہ کوئی دل خوش کن خیال اس کے ذہن میں آیا۔ اس تغیر کے پیدا ہوتے ہی اس ہاتھ کو روک دیا اور سطح کھینچنے لگا۔ بان بان سچ ہوا اگر محکبہ اس طرح جان ہی دیتا ہی تو پھر کچھ سامنے ہی چل کر کیوں نہ مردوں۔ آخری وقت ایک نظر دیکھ بھی لوگی اور جان نکلنے میں بھی آسانی ہو جائیگی۔ ابھی یہ فقرہ تمام ہی نہوئے پایا تھا کہ دفتر سے سوس آگئی اور اس کے دیکھتے ہی گو چھری کے چھانے میں اسے بہت صفائی سے کام لیا مگر تمام سوس نے چھری کی جھلک بچھ ہی لی اور اسی کے ساتھ اس کے چہرے کا نقشہ کچھ بگڑا ہوا کچھ کریمستی ہوئی اس کے پاؤں پر گر پڑی۔ ”باہن۔ باہن۔ شاہزادی صاحبہ یہ کیا کیا کیا کیا کیا ہائے یہ کیسا غضب!!! آپ نے اسی لیے محکبہ بھیجا تھا!!!!“ اور یہ کہ زبردستی چھری چھیننے لگی۔

عباسہ نے نہیں نہیں۔ اس سے کیا حاصل۔ میں خود ہی رکھے دیتی ہوں۔ تم چھینتی کیوں ہو۔ سمجھو تو اگر محکبہ ایسا ہی کرنا ہوتا تو اس قدر تنہائی میں میرا کون مانع تھا؟

سوس نے بیوی اس وقت یہ میں آپ کی ایک مانگی۔ دیکھیے چھری محکبہ دیدیجئے۔ میں اسی میں خیر و مردہ میں ابھی غل جاتی ہوں۔

عباسہ نے (مٹھ پر انگلی کھکھ کر) چپ چپ! کوئی سن لے گا۔ (چھری سوس کوٹنے کے سوس مگر تم اس بات کو اچھی طرح یقین کر لو کہ ایسا ہونا ضروری۔ آج اب میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ بان یہ تو تنے بنایا نہیں کہ بھائی جان کیا کرتے ہیں۔

سوس نے حضور وہ تو آرام کرتے ہیں۔ مگر شاہزادی صاحبہ آپ یہ تو فراموش کیا۔ آخر آپ کو یہ کیا ہو؟ اس طرح اپنی جان کھونے سے فائدہ! لونڈی صدمہ لگی۔ قربان مٹھی۔ خدا کے لیے بیوی ایسا نہ کیجئے۔

عباسہ نے (مصلحت وقت دیکھ کر) اچھا خیر۔ دیکھا جائے گا۔ مگر قریب آکر محکبہ تم سے کچھ کہنا ہوگا اور کان میں کچھ آہستہ آہستہ باتیں کر سنا لگی۔ گو کہ یہ باتیں کسی طرح فہم کے قانون کا نہیں ہیں بوجھ سکتی تھیں مگر تاہم اس کے چہرے پر اس وقت جو حیرت چھائی ہوئی تھی جس طرح اسکی لچائی ہوئی آنکھیں جھلکی ہوئی تھیں جس طرح شرم سے اسکی زبان لفظ لفظ پر رکھتی تھی جس طرح ہونٹ دانتوں کے بیچ سے داب لیے جاتے تھے۔ یہ سب باتیں بتا رہی تھیں کہ عجب نہیں یہ جھڑی کی باتیں ہوں۔

ایمن کوئی شک نہیں کہ بیچاری عباسہ کی حالت بہت مضموس کے قابل تھی۔ اسکو محبت کی

سخت گھڑیاں جھیلے جھیلے آبِ دو برس سے لاندہ ہو چکے تھے۔ آہ اسکے خند پر بھی ہاتھ اب اپنی اس
 اصلی حرکت کے اعتبار سے بارہ دورے ختم کر چکا تھا جسکی وجہ سے وہ ہر جتنے میں بدرے بلال اور بلال
 سے بدر ہوتا ہی۔ رات دن میں بھی ۳۶۰ مرتبہ کھلنے کی ٹھہر کی تھی اور خدا جانے اس قدر زمانہ میں
 زمانے نے کیسی کیسی کروٹیں لی ہوں گی کیسے کیسے رنگ بدلے ہو گئے۔ دنیا میں کیا کیا نہ ہوا ہوگا۔ کیسے
 کیسے پھٹے ہوئے ہونگے۔ کون کون شاہِ مقصود سے ہٹنا رہا ہوگا مگر ہائے پیاری شہزادی کی تیر کا
 کسیدہ طبع نہ جانا تھی۔ نہ لگتی۔ نہ لگتی۔ گوارا نہ ہوا شوق ہمیشہ اسکو جعفر کے طے پر محو کر رہا تھا۔ اس کے
 بڑھے ہوئے اختیار نے اسکو جعفر کے پاس آنے جانے کیلئے خود مختار کر دیا تھا اور شروع سے ہی اس کو
 بخوبی اجازت دیدی تھی۔ جعفر اسکا چاہنے والا خداوند تھا اور وہ اسکی پیاری بیوی تھی۔ وہ اگر دل پر
 رکھتی تو جعفر سے اچھی طرح روز مل سکتی تھی ہاں بارون رشید کی ممانت تو ضرور ایک ایسی چیز تھی کہ جسکا
 ایک حد تک بظاہر خیال ہو سکتا تھا لیکن اگر غور سے خیال کیجئے تو وہ ممانت بھی بجائے خود اسکے دل کی شہزادی
 کو ایک حوصلہ لانیوالی چیز تھی۔ پھر اتنا کہ جس امر نے اسکو اسکی فی غمہ ہش اور ادا دے سے اپنے تک باز رکھا
 وہ اسکی ہی نچرل جاتی تھی جو ایک ایسا اندازہ کم سن اور شریف عورت کو ہونا چاہیے۔ لیکن یہ عشق
 بھری بلالی۔ ان حضرت کے قدم آتے ہی عقل و ہوش کے پاؤں اٹھ جاتے ہیں۔ آدمی انسا بیٹھا
 گدڑ جاتا ہے۔ اور شرم و حیا اسطرح تشریف لجاتی ہے جو جطر صبر و ارجلے پھرتے نظر آتے ہیں۔ آپ
 خوب جانتے ہیں کہ اسوقت عباس پر بخودی کا عالم طاری ہو۔ مرنے پر تیار ہے۔ ایسی حالت میں مگر
 آپ اسکو جو کھیر طوفانے ہوئے دیکھیں گے تو شاید آپ کو چندان بیوقوف نہ معلوم ہوگا۔ اور آپ اسکو
 بالکل معذور سمجھیں گے۔ اچھا دیکھئے وہ سامنے روشن پر کون دو شخص آگے پیچھے جا رہے ہیں جو سید
 پھاٹک کی طرف سے چلے گئے ہیں وہ جنہوں نے ایسی شب تار میں جہین ابھی ہاتھ اب تک نہیں نکلا ہے۔
 فقط تارون ہی کی روشنی پر اکتفا کر کے ایک شمع بھی اپنے ساتھ نہیں لی ہے۔ دیکھا؟
 یقیناً آگے والے شخص کو تو دیکھتے ہی آپ نے پہچان لیا ہوگا ایسے کہ اسکی معمولی وضع خود ہی بتا رہی ہے
 کہ وہ ہماری پیاری شاہزادی کی خاص خواہ سوسن ہو مگر ان البیدہ و سرکش شخص کا پہچانا اسوقت کبھی
 مشکل ہو اسواسطے کہ ایک بھری نقاب نے اسکو سر سے پاؤں تک بالکل چھپا لیا ہے اور کسی جگہ اسکا
 کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ مگر ادھر کچھ ہو۔

بھئی ہم نے تو پہچان لیا۔ پہچان لیا۔ یہ تو شاہزادی عباس ہے۔ ہاں ہاں وہی ہے۔ یہ انما یزید زہر
 یہ پیاری چال اللہ دنیا میں کس کو نصیب ہوئی ہے۔ بیشک ہی ہے۔ وہی۔ جہاں سہت پہنے پیادہ

جعفر سے ملنے کے لیے جاتی رہی۔ نہیں اس کے سامنے اپنی جان دینے کے لیے۔ تو شاید وہ باتیں بھی اسی آنے کے متعلق ہو چکی جو ابھی سوسن اور عباس بن آہستہ آہستہ ہو رہی تھیں۔ ابھی بیٹوں پر پاکست چار پانچ قدم کے فاصلے پر تھیں کہ پھرے والے نے ٹوکا مگن آتا ہے۔ ۹۔

سوسن بڑھتی نہیں۔ بیٹا میں ہوں سوسن (قریب پہنچ کر) وزارت چناہ آرام فرماتے ہیں؟ شاہزادی صاحبہ کے حکم سے ایک کینز لیکر آئی تھی۔

پھرے والا ۱۰۔ آپ ہیں۔ اس وقت اور اس تاریکی میں آپ نے روشنی بھی ساتھ نہ لی۔

جانیے جاتیے۔ سرکار بالا خانہ پرین یقین تو ہو کہ ابھی آرام نہ فرمایا ہو، اور بیٹوں بالا خانہ پر چڑھنے لگیں۔

تعمینا اس وقت باور بجا چاہتے تھے۔ رات کا سا ٹاپر ران دل کے شوق کی طرح بڑھا ہوا تھا اور جھیر

اپنے آرام کے کمرے میں محب پڑا ہوا اپنے دل سے یہ باتیں کر رہا تھا جعفر اب تو کوئی تدریس کرنی چاہتے

بہت میں مضبوط کیا۔ انہیں مانتا غیر جب تک عقد نہیں ہوا تھا اس وقت تک تو شرعی حاکمیت

کیونچہ ان کو اپنا خاندان دولی نعمت سمجھتا تھا مگر اب اس طرح روزگار میں صبر ہو سکتا ہے؟ کسی طرح غیور

خلیفہ کو بھی رحم نہیں آئے گا۔ انتظار کرتے کرتے بھی آپ تو دین گزرتے ہیں پھر کیا کروں اب جوینے سے معلوم

ہوتا ہو کہ شاید پیاری شاہزادی بھی آپ جیسے کچھ خفا ہو گئی ہیں مگر نہیں خفا کیا ہوگی ہونگی نا امید سچی

اُن بیچارہ کی بھی حوصلہ پست کر دیئے۔ میری دکھائی کی بھی کوئی انتہا ہو۔ معاذ اللہ ہائے اتفاق سے

اگر وہ موقع محل سے کسیدان مل گئیں تو خدا کی قسم مجھ کو ان سے بہت ہی محب ہونا پڑے گا۔ مگر کچھ ناہیہ

نہیں میں بہت خوشی کے ساتھ محب ہو نیکیا نے موجود ہوں۔ خدا وہ بھی تو کہیں نہ گھٹائے۔ دل سے یہ

باتیں بڑھتی تھیں کہ جو اسے حاضر ہو کر سوسن کے آنے کی اطلاع دی اور جعفر نے سوسن کا نام سننے ہی سے

خوشی سے اس کے بلانے کا حکم دیا۔ سوسن سہمنہ اگر چہ اچھا لائی اور مسکرا کر اس طرح کہنے لگا۔ ابا میں کج کسان

(چو کہو) تم باہر جھڑ کوئی ایمان آئے نہ پائے۔ (سوسن سے مخاطب ہو کر) کیوں آج خلاف معمول اعلیٰ

کیا آگیا؟ تم نے تو اب مجھ سے اس طرف آنا چاہو رہی دیا ہو کیا کچھ خفا ہو یا کسی منہ کر دیا ہو؟

سوسن کو تو یہ۔ تو یہ حضور کیا فرماتے ہیں۔ لوندی کی کیا خیال جو خفا ہوئی۔ اور میں کون کر لیا

شاہزادی صاحبہ ۱۱۔

جعفر (کچھ تعجب ہو کر) اور یہ تمہارے پیچھے دوسری کون عورت کھڑی ہو؟

سوسن ہر وقت عالی کوئی نہیں کہیں ہو۔ جہاں شاہزادی صاحبہ نے خدمت کیلئے بھیجی ہو۔

جعفر (ٹھنڈی سانس لیکر) یہ اکیلی تھا میت۔ مہربانی۔ مگر آج مجھ کو انہیں ان عیش و عشرت کی باتوں سے

کیا رکارہ طبیعت تھی گئی بالکل نکما ہو گیا۔ بس خدا کی کے خیال کو سلامت رکھے اب اگر کچھ دلچسپی باقی ہو تو اسی سے یہ دلچرٹس باتیں ابھی سمیٹیں تک پہنچیں تھیں کہ جعفر کو اپنے دل نبھانے اور اس درست کرنے کے لیے تھوڑی دیر چپ ہو رہتا ہو جیسا کہ اب تک اس نے نہیں بچا تھا اور وہ اب تک نقاب کے ذریعہ سے اپنا منہ چھپاتے ہوئے سوئیں۔ کچھ چھپے کھڑی تھی۔ لیکن کھڑے کھڑے اب اس کے نازک پاؤں دکھنے لگے تھے۔ اس کا دماغ چکر کھانے لگا تھا جسکی وجہ سے وہ مجبور ہو کر کسی جگہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور جعفر کی کیفیت دیکھ کر اس طرح کھنکھانے لگا کہ اس کیلئے سلام نہ کرنے سے تو پہلے جھک کر یہ گمان ہوتا کہ شاید اسکی حیائے اسکو سلام کی بھی اجازت نہیں دی۔ مگر اب اس سے خود بخود بیٹھ جانے سے تو معلوم کہ یہ بھی شاہی آداب و قواعد سے بالکل ہی ناواقف ہو۔ شاید ابھی حال میں خریدی گئی ہو۔“

جعفر یہ کہہ رہا تھا اور سو سن گوزبان سے تو کچھ کہتی نہ تھی مگر زبان دانست کے نیچے انگلی دبا کر سر لور آٹھ کے اشارے سے جعفر کو منع کر رہی تھی جس سے جعفر کو یک بیک کچھ شک گذرا۔

پلنگت اٹھا اور اسی کرسی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا جیسے عباس بیٹھی ہوئی تھی۔ عباس نے اب تک اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی تھی وہ اس طرح اس جگہ بیٹھی ہوئی تھی کہ جعفر نے اپنی بڑی ہنر جیت کی طرح اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے سے نقاب اٹھائی۔ نقاب کا چہرے سے اٹھنا تھا کہ جعفر کو سستا لگدیر کیا۔ ایسا ہو گیا۔ خوف خوشی اور تعجب یہ سب کیفیتیں یکبارگی اسکے دل پر طاری ہو گئیں۔ اس نے ایک تھکے ہوئے گریہ کر کہا۔

”اے شاہزادی صاحب آپ کہاں ہو؟“ اور تھوڑی دیر کے لیے اس کھال کی سنسنہاٹ نے اسکو خاموش کر دیا۔ سو سن اب اپنے لباس میں ہو کر چپ ہو نہ جس ہو نہ حرکت ہو۔ نہ تو زبان سے خود کچھ کہتی ہو؟

اور نہ جعفر کے سوال کا جواب ہی دیتی ہو جعفر نے تھوڑی دیر تک تو جواب کا کچھ انتظار کیا اور پھر سو سن سے اس طرح کہنے لگا کہ سو سن تم نے یہ کیا غضب کیا اگر نیکو میری جان کا خیال نہ تھا تو سنسی۔ میرا جینا مرنا برا پر تھا مگر تم نے انکا تو کچھ خیال کیا ہوتا کہ اگر خدا نخواستہ بادشاہ سلامت کو اسکی خبر ہو گئی۔ اور یقیناً سو ہی جاسے گی۔ تو پھر کیا ہو گا؟۔ خدا جانے کس کسکو اسکی خبر ہوئی ہوگی اور کس کس نے ان کو بیان آتے دیکھا ہو گا؟

سو سن نے خیر اس سے تو آپ اطمینان رکھتے نہ تو اسوقت ان کے تشریف ہی لٹنے کی یہ خبر ہو اور نہ خدا کے فضل سے کسی نے دیکھ پایا ہو میں نے تو اسوقت جو کچھ کیا اسکو خدا ہی جانتا ہو مگر جسو تصور میں آپ کو البتہ اپنی جان کی پروا ہو اور نہ اپنی جان کا مطلق خیال۔“

جعفر نے تعجب سے بیٹھیں (مجھ کو ان کا خیال نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے؟)

سوسن نے اس کا مطلب؟ اس کا مطلب یہ ہے اور یہ کہہ کر اس نے وہی چھری سامنے ڈال دی جس سے عباس نے اپنا کام تمام کرنا چاہا تھا اور اس نے اسکو چھین لیا تھا۔

جعفر نے چھری کیسی؟ کیا اور یہ سوسن نے باغ میں اس دعوت کرنے کا اصلی مطلب۔ وہ واقعہ جو ابھی بارہوری میں گذر رہا تھا اور جو کچھ اس سے پہلے عباس نے اپنے ہلاک کرنے کا قصہ ظاہر کیا تھا اس باتوں کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور جعفر غایت تعجب سے کہنے لگا ”سچ ہے؟“

سوسن ”جھوٹ کہتی تو ہوں بس اگر ایک لحظہ میں اور نہ پہنچ جاتی تو دشمنوں کا کام تمام ہی ہو گیا تھا“ جعفر (اپنے دل سے) ”اُوہ بیان انکے نو بہنوئی ہو چکی! افسوس!!“ اور فقط ایک میرے لیے اے

آج جعفر کے خیالات معشوق کے قول قرار کی طرح بدل گئے تھے موت اور بدنامی کا اندیشہ بادوں شدید کی مانند کایا خیال نہ کر اسی طرح اسکے دل سے نکل گیا تھا جس طرح اس وقت اسکا دل اسکے ہاتھ سے بیقا ہو کر نکل گیا تھا۔ اسکے لب لہجہ میں فوراً ایک بدیہی تغیر پیدا ہو گیا تھا اور جان ابھی غصہ میں طے ہوئے کچھ گھبراہٹ کے آثار اپنے جاتے تھے وہیں پر آب بالکل اطمینان اور محبت کی نشانیاں موجود تھیں اور وہ سوسن سے اس طرح کہہ رہا تھا ”حقیقت میں سوسن تیسے چھڑا احسان کیا جو تم انکو بیان میں بیشک کی خیر ہو گئی اور نہ اگر تم وقت پر پہنچ نہ جاتیں تو یہ غضب ہی کر گئی تھیں (شاہزادی کی طرف دیکھ کر) معاذ اللہ کوئی ایسا بھی کرتا ہی؟“

سوسن ”موجود بھی خیر کچھ نہیں۔ انکے ارادے آج کچھ اور ہی ہیں۔ یہ نقطہ سب سے بیان آئی ہیں لڑکے کے سامنے خدا خواستہ خدا خواستہ جان میں۔ دیکھئے میں سچ کہتی ہوں انکو راسخ موقع ملا اور یہ جان پر کھیل گئیں“ جعفر ”نہیں یہ اب ایسا نہیں کر سکتیں۔ کیون شاہزادی صاحب؟ اور دیکھئے“

آہ بیچ دھم کے صدمے اٹھائے ہوئے وہ ناشاد نامزد عباسہ ہوا اپنے مرنے کا ارادہ کر کے آئی تھی یہ سب باتیں محب طبعی میں ہی تھی اور شرم و حیا کے مارے ایک حرف بھی زبان سے نہیں نکال سکتی تھی۔ گویا اس طرح جعفر کے طے کی عوشی کے سبب اس وقت اسکے چہرے پر کسی قدر رونق آگئی تھی مگر کچھ بھی بایوسی اور حسرت کی بکثرت نشانیاں پائی جاتی تھیں اور اسکے تصور تیار ہے کہ یہ اب تک اپنے ارادے پر بہت مضبوطی کے ساتھ قائم رہے شرم سے اب اب ہو گئی۔ سر جھکا ہوا، سو نظر اوپر اٹھ نہیں سکتی۔ آنسو پر بار آنکھوں سے جاری ہیں جو اسکے رخساروں پر سے دھلے ہوئے بڑی مٹیابی کے ساتھ فرش پر ٹپک رہے ہیں۔ اور یہ ٹھنڈی ٹھنڈی سانس میں رہی ہے۔ آہ حینو کی یہ حالت کون دیکھ سکتا ہے؟ کہ کا کچھ چہرہ اور حسین بھی کون۔ اپنا ہی معشوق۔ اور پھر کس کے لیے؟ خاص اپنے ہی لیے جعفر کو اب ضبط کا یا رادہ تھا

ہے اختیار دل بھر آیا۔ آنسو بیکار ہو کر آنکھوں سے نکل پڑے اور یہی بھرائی ہوئی آواز میں اس طرح کہنے لگا: پیاری شاہزادی خدا کے لیے تم اپنا رونا آبِ موقوف کرو میری آنکھیں تمھاری پیاری آنکھوں سے آنسو نکلتا نہیں دیکھ سکتیں ساتھ میں دیکھ سکتیں یہ کہتے ہی کہتے خود بھی رونے لگا لیکن تھوڑی دیر کے بعد روتے اپنے آنسو پوچھ کر اپنی رکتی ہوئی زبان سے پھر کسا پیاری شاہزادی! آخر کمانی روو گی۔ کہیں انتہا بھی ہی دیکھیے ہاتھ جوڑ کر کتا ہوں جسے نہیں دیکھا جاتا اب نہ روئیے اور ہاتھ جوڑ کر منت ساجت کرنے لگا۔

عباسؑ نے (اپنے ہاتھ سے جعفر کے جڑے ہوئے ہاتھ علیؑ کے) ہائے یہ اس طرح میں کیوں گنہگار کی تی ہوں ہاتھ جوڑنا کجا چاہیے اور کیوں کہ نہیں (آنسو پوچھ کر) اچھا اب نہ روو گی، اور پھر ٹپ آنسو گرنے لگا جعفرؑ دیکھ پیاری شاہزادی تم نہیں مانتی ہو۔ پھر تنے رونا شروع کیا۔

عباسؑ آہ رونا اور نہ رونا بھی کسی کے اختیار میں ہی ہے

تھے تھتھے تھین گے آنسو	رونا ہی یہ کچھ ہنسی نہیں ہی
------------------------	-----------------------------

میں کیا کروں میرا دل نہیں مانتا ہائے کیا غضب ہو کہ میری حسین اس طرح بھی نہیں نکلے دیتے۔ جعفرؑ آہ پیاری شاہزادی کجا نہیں معلوم تھا کہ تکو میرے ساتھ اس قدر محبت ہی۔ جسے غلطی ہوئی بڑی غلطی۔ بیشک میں نے تمھارے نازک دل کو بہت صدمہ پہنچایا مگر اب معاف کیجیے

عباسؑ: ہوئے سو سن تم تنہی ہو! میں بیجا بکریا لایا آئے نہیں۔ یہ بھی غلطی ہوئی دو تین مرتبہ لکھا جواب تک نہ دیا۔ یہ بھی غلطی۔ اور اس پر خط کو پُر زے پُر زے کر ڈالا۔ یہ بھی غلطی ہوئی! معاف اللہ! غلطیاں نہ کریں۔ بلا کے جان ہو گئیں

اس وقت جعفرؑ کا سر جھک گیا تھا۔ خیالت سے آنکھ سامنے نہیں ہوتی تھی مگر یہ باتیں اس کی زبان سے نکل رہی تھیں آہ میں تو تم سے زیادہ تمھارے ملنے کا مشتاق مگر تمھاری عزت و ابر و پر حوت آنے کا اندیشہ میری سب تمنائوں کا خون کر رہا تھا اور میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ خیر اب تو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ غلطی ہوئی تو میں مجرم۔ خطا ہوئی تو میں مجرم اور اگر کچھ بھی نہیں ہوا جب بھی مجرم۔ اب میں حاضر ہوں جو سزا دیجیے۔ اس کو سزا کھون سے قبول کرتا ہوں

عباسؑ: جی ہاں بجا! درست ہے

آہ اس جگہ کو عباسؑ نے اس وقت کچھ اس ادا سے کہا کہ جعفرؑ نے بیقرار ہو کر عباسؑ کا پیارا پیارا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسکو ہونٹوں سے چوم کر آنکھوں سے لگا کر۔ سینے پر اس جگہ کہ لیا جہاں

اسوقت اسکا دل شوق اور خوشی کے مارے ہاتھوں اچھل رہا تھا۔ اس لحظہ کے سرے میں تھوڑی دیر تک یہ کچھ ایسا بخود رہا کہ اسکی آنکھیں نیم وار ہو گئیں اور زبان بھی اپنا کام بھول گئی مگر پھر ایک شگفتہ سی سانس لیکر اس نے اس طرح کنا شروع کیا کہ آہ پیاری شنہرا دی اندر کو سلامت رکھے۔ خدا گواہ ہے۔ اب میری حالت بہت تباہ تھی۔ کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا۔ ہر وقت تھارا ہی خیال رہتا تھا۔ زندگی کے دن اور رات دن کی سخت سخت گھڑیاں سب مشکل سے گشتی تھیں۔ ہاں اللہ وہ وقت تو کسی قدر خوشی سے گٹ جاتا تھا جب تم میری آنکھوں کے سامنے ہوتی تھیں۔ مگر آہ! اسوقت بھی چول کا حال ہوتا تھا اسکو ذیل ہی خوب جانتا ہے۔

عباس نے اسوقت شرم سے سر جھکا لیا تھا اور وہ سوسن کو مخاطب کیے ہوئے اس طرح کہہ رہی تھی "آہ کیا اچھا ہوتا جو اس پر درو حکایت میں کچھ قصور اسلج بھی ملا ہوتا۔"

سوسن (رات کاٹ کر) ای ہی بوجی تو ہے۔ آپ کی بھی کیا باتیں ہیں؟ جعفر (منہ نہیں اٹھو کہنے دو) عباس (ہاں) کیا ارشاد فرمایا۔ پھر فرمائیے۔ آپ کو میں شک ہی ابھرتا کہتا ہوں؟ (سوسن مخاطب کر) سوسن تھیں خدا کی قسم سچ کہتا جب تک تم آتی ہو تو مجھ کو تنے کس ملین پایا ہے؟ عباس (سمجھتا ہوں) سوسن سے کیا پوچھنا۔ اور اگر کسی پر قبیلہ ہو تو اپنے حال کے ساتھ اور کسی کا حال بھی تھوڑا سا پوچھ لیا جائے۔

جعفر (مجھ کو آپ کی محبت میں شک نہیں۔ ہاں آپ بھڑک جھڑکتی ہیں۔ آپ کا اطمینان ہو جانا چاہیے۔) عباس (تو اس طرح اسکی نے کہا اور یقین لگایا۔ آہ محبت کا اندازہ کچھ دل ہی سے خوب ہو سکتا ہے۔) جعفر (کچھ آبدیدہ ہو کر) تو میں جھوٹ کہتا ہوں؟

جعفا (سمجھتا ہوں) ایسا ہی ہو گا۔ میں کیا جانوں کیسے یہ ان کا غیب تو ہی نہیں کیوں سوسن؟ سوسن (رات کاٹ کر) واہ۔ شنہرا دی صاحب۔ ماشے اللہ کیا اچھی باتیں آپ اسوقت کر رہی ہیں۔ جھلا کسی کے اس طرح دل دکھانے سے خائبرہ!

عباس (تو پھر لگتا رنجست اور الفت جتانے سے مطلب) کیا میں نہیں جانتی تھی جو کہنے بیٹھے؟ جعفر (ابا اب میں سمجھا۔ یہ کہنے۔ مطلب تھا۔ پیاری شنہرا دی آپ تھا ہو گئیں جو کچھ میں کہتا ہوں بے اختیار ہی کے عالم میں کہہ گیا۔ آہ صد ہاتھوں کے بعد آج تو آپ اتفاق سے ملی ہیں۔ میری اسوقت جو حالت ہے۔ اسکو میں کیا بیان کروں۔ آہ دل میں ایک دریا جوش مار رہا ہے۔ ہر لمحہ اٹھ رہی ہیں۔ اور یہی دل چاہتا ہے کہ اول سے آخر تک جو چہ چہ کر لیا ہے اس کو خوب دل بھول کر گھیریں۔)

سنالون۔ مگر آہ شکل تو یہی ہو کہ دل کی طرح زبان بھی مسکے تو باو میں نہیں ہی جو کچھ کہوں۔ اچھا اس حالت پر بھی اگر کچھ یاد آئے گا تو میں نہ کہوں گا۔ مگر آپ نے مجھ کو بتا دین کہ آپ کے اُس پہلے خیال نے پلٹا کھایا؟ جسکی متوحش خبر سوسن نے سنا کر میرے اس لطف کو بیزا کر دیا جو خوبی قسمت سے اسوقت مجھ کو حاصل ہو۔ اسقدر کہنے کے بعد جعفر اس کا منتظر تھا کہ اسکو اسکی مرضی کے موافق کوئی جواب ملے گا مگر نہیں جیسا کچھ اس طرح چپ بچھ کر اس کے چہرے کے دیکھنے سے بخوبی یہ مرثابت ہوتا تھا کہ اس کے پاس جعفر کے سوال کا کچھ جواب نہیں ہی اور اگر ہو تو وہ اس کے دل کا بہت دکھانے والا ہو جیسا کہ اس کی خوشی سے جعفر کے قلب میں اب الجھن ترقی کرتی جاتی ہو اور بالآخر مجبور ہو کر وہ اس طرح کہتا ہو پیاری شاہزادی خدا کے لیے جلدی جواب دیجئے۔ یہ آپ سوچ کیا رہی ہیں۔ میرا ہر حال ہوا چاہتا ہو۔

عباسہ (ایک ٹھنڈی سانس لے کر) اچھا چھری پہلے مجھ کو بھانے تو پھر میں بتا دوں۔ جعفر چھری سے کیا مطلب! کیا اسی چھری سے اس سوال کا مجھ کو جواب دیا جائیگا؟

عباسہ نہیں۔

جعفر تو کیا خدا نخواستہ کوئی ایسا جواب ہی جس سے خود میری چھری مار لینے کا اندیشہ ہو۔

عباسہ (سر کے اشارے سے) نہیں۔

جعفر تو پھر کیا کہیے گا۔ کچھ معلوم تو ہو۔ کیا خدا نخواستہ آپ کا کچھ اور ارادہ ہو؟ (عباسہ کی آنکھوں سے آنسو پڑنے لگے) آہ۔ معلوم ہوا۔ یہ ٹھنڈی ہو۔ اور اس کے بعد جعفر اور سوسن دونوں بہت مسرت ہو کر کے بہت دیر تک اسکو سمجھاتے رہے مگر آہ عباسہ کی جان دینے پر خدا اس طرح پرستی جس طرح حسینوں کی ہمت اکثر اوروں کی جان لینے پر پہنچتی ہو۔ آہ۔ وہ گھڑی بہت ہی بُری تھی حسین جعفر کو جو یہ ہو کر یہ یقین کر لینا پڑا کہ عباسہ اب اپنے ارادے سے کسی طرح باز نہیں آسکتی!۔ ہاتے اسوقت وہ اپنا چکر کھاتا ہوا سوسنوں ہاتھ سے پکڑ کر رہ گیا تھا ساری دنیا اسکی آنکھ میں تاریک ہو گئی تھی۔ اسکی آنکھیں دنا بھول گئی تھیں۔ نہیں اسکا قصہ دیکھا اس کے آنسو آنکھوں میں خشک ہو گئے تھے اس طرح جس طرح اسکی روح جسم کے اندر ہی اندر اس خوف سے خشک ہو گئی تھی کہ اسکا خون کہیں اسکی پیاری عباسہ کے شر ثابت ہوا اب تک؟ عباسہ کے پاس ہی ایک کرسی پر بیٹھا تھا مگر عباسہ سے بیکر نہیں اپنی زندگی سے بیزار ہو کر اسے کرسی ہی چھوڑ دی تھی۔ وہ پلٹا کہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھ میں تھی۔ آستین اچھڑ رہی تھیں اور یہ گلے سے لٹکے دلوں پر خوف پیدا کرتے ہوئے اسکی زبان

سے نکل رہے تھے وہ کیوں شائبہ لڑی صاحب! آپ اپنے قصد سے باز نہ آئیگا؟ دیکھیے میں پھر کتا ہوں۔ اب بھی نصرت ہو۔ کتنا مان جائیے نہیں تو بہت افسوس کیجیے گا۔ آہ بہت روئے گا۔ بہت چہنٹائیے گا۔ اور پھر کچھ نہ ہوگا۔ آہ میں اس شخص گھڑی کو کیسی طرح اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا جس میں خدا کا منہ تھا جس کی جان سے دور تھا اے دشمنوں کی جان پر کچھ رحم نہ پہنچے اور اگر تھاری یہی خوشی ہو تو پھر مجھ کو اجازت دیجئے۔ سوس تم انکو سمجھاتی نہیں ہو۔ دیکھو میرا ہاتھ اٹھتا ہو (چھری کی طرف دیکھ کر) تو نے اپنے حوصلے سے زیادہ قصد کیا تھا۔ تو اور شائبہ لڑی! تو میرے لیے تھی۔ ہاں میرے لیے ہاں ہاں تجھ میں اپنے سینے میں جگہ دن کا۔ اسی سینے میں آہ اسی سینے میں جبین آج موت کا سامان دیکھ کر بہت سے ارمان اور تباؤں کا جو جم ہو میرا خون تیرے لیے بہت خوشی سے موجود ہو۔ خواہ سیر ہو کر پی لینا۔ اچھا۔ ذرا پیاس نہ رہے۔ میں بہت ارمان اور تباؤں کا خون ملا ہو۔ آہ میں بھی اسکو بہت دنوں تک پیاسی۔ اب تیرا حصہ ہو۔ ہاں شائبہ لڑی صاحب پھر اب اجازت دیجیے۔ مگر نہیں تم سے اسکی امید کھنا بھی محض فضول ہو مجھ کو کچھ رہا ہی کہن باچھا۔ پاری شائبہ لڑی تھا۔ رخصت خوش ہوئے ان پر ارمان جلون کے ختم کرنے کے بعد جعفر کے چہرے پر یاس و محبت کا بالکل قبضہ ہو گیا تھا۔ اسکی زبان چلتے چلتے رک گئی تھی وہ دماغی پٹھون کے کٹھن جانے کی وجہ سے اس طرح کھینک کر نالوں کو لگ گئی تھی جس طرح آنکھوں کی تیلیاں اوپر کو چڑھ گئی تھیں۔ آہ۔ اب بے اختیار ہی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی آنکھوں سے آنسو بھی نکل رہے تھے۔ نہیں غلطی ہوئی۔ وہ نل ڈھل رہا تھا جسکا دورہ بالکل مٹے وقت ہوتا ہو۔

عباس سچ بٹھی ہوئی یہ حالت دیکھ رہی تھی میں خدا جانے کیا کیا خیالات آ رہے تھے اور سوس اسکی کرسی کے پیچھے چپ شاٹے میں کھڑی تھی کہ کیا لگی جعفر کا وہ ہاتھ اٹھا جبین چھری تھی اور عباس نے جلدی سے اٹھ کر اسکا وہ ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا جو اب پر ارمان جان لینے کے لیے خود جعفر کے سینے کی طرف پھلا چاہتا تھا۔

اس سوانح واقف کے اعتبار سے بظاہر خیال ہو سکتا ہے کہ شائبہ کیان بہت شور مچا کر گیا ہو گا مگر نہیں ہاں، بالکل سا تھا۔ چنانچہ اسے اسکا حقیقہ باتیں ہوئیں وہ سب اس اطمینان اور اندیشہ سے کہ کوئی سن لے بہت آہستہ آہستہ کہیں آئے اب بھی میان کچھ بڑا وہ بھی اسی خوشی کے چہرے میں کوئی کانوں کی خبر نہیں ہو سکتا اسوقت قانونی فوٹو ہائے پاس نہیں ہو اور نہ اس زمانہ میں اسکا کوئی ساز و سامان تھا ورنہ ہم اسکو آپ کے دکھانے کے لیے ضرور اس موقع کے فریم میں لگا دیتے مگر ہاں اسوقت کا نقشہ کچھ اس طرح ہوا تھا۔ جعفر چھری کے پد لگ کر پڑھیا ہوا تھا جسکے پیروں پر تار ہے تھے کہ مقرب اسکا دستہ جنوں اسکا سینہ بٹھیر

چاک کیے ہوئے تین مانتا عباس کو اب تک اس کے سامنے کھڑی ہوئی چھری چھین رہی تھی مگر دیکھی سنسناہٹ اور سر کے چکر کھانے سے مجبور ہو کر وہ اس چھینا چھنی میں جھڑ کے اپنی طرف لینک کی چٹی پر بیٹھ گئی تھی اس کا ایک ہاتھ جھڑ کی اس ہاتھ کی کلانی کو پکڑے ہوئے تھا جس میں پہلے چھری تھی۔ آہ چھپر اس وقت اسے بخودی میں جھک کر اپنا سر بھی رکھ دیا تھا اور اس کا دوسرا ہاتھ بڑھا ہوا جھڑ کے اس ہاتھ کو روکے ہوئے تھا جس میں اب چھری لے لگی تھی اور سوس جھڑ کے پاؤں پر پڑی ہوئی تھی۔ عباس سکیمان لے لیکر بہت درد کے ساتھ رو رہی تھی۔ اس کا بدن کانپ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ تھک رہے تھے اور اس کی کایاں بولی سانس کی طرح ٹک ٹک کر اس کی زبان سے بلا لفاظی نکل رہے تھے۔ ہائے یہ کیا کرتے ہو انکو کیا ہو گیا ہے! اس سے کیا حاصل؟ خدا کے لیے کچھ تو چھپر ترس آئے۔

جھڑ نے تین پیاری شاہزادی - نین - اب تم مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں اس وقت کے دیکھنے کے لیے زندہ رہنا نہیں چاہتا جس میں خدا تم سے تم ہو۔ آہ کسی طرح ممکن - نین ہو سکتا - نہیں ہو سکتا۔ عباس اس وقت آہ تم میری تنادوں کے ساتھ دشمنی کرتے کرتے اب میرے ارادوں کے بھی دشمن بن گئے۔ ہائے میں اس قصہ سے منع کی جاتی ہوں جس کے کرنا میں نے مصمم حمد کر لیا تھا (ایک ٹھنڈی سانس بھر کر) خیر اگر تمہاری یہی خوشی ہو تو میں اپنے ارادے سے باز آتی ہوں۔ اس کے نتیجے میں گو جھڑ کے چہرے پر کیا رنگ خوشی کی نشانیاں نمایاں ہو گئی تھیں مگر چھپر بھی ابھی اس کا اس کا یقین تھا کہ اس نے اپنی حسرت آئینہ نگاہ سے عباس کی طرف دیکھا اور کہا: نین - نین - میں یوں تین مانتا تم قسم کھاؤ۔ عباس اس وقت ہائے اب میں ایسی بے اعتبار ہو گئی کہ میری بات کا بھی یقین نہیں آتا۔ اچھا میں خدا کی قسم کھاتی ہوں - اب میں اس وقت تک خود کشی کا قصہ نہ کر دوں گی جب تک تم مجھ کو اجازت نہ دو گے اب تو چھری دے دو۔ یا اب بھی اعتبار نہیں۔

جھڑ نے نین - چھری تو میں اپنے ہاتھ سے نکال کر بھی نہ دوں گا مگر مان مٹھا لے اطمینان کے لیے اپنے ہاتھ میں بھی نہیں رکھوں گا۔ لو سوس چھری لو۔ اس کو توڑ کر پھینک دینا۔ یہ بہت مخوس چھری ہے اس نے بہت بڑا ارادہ کیا تھا۔ بہت بڑا۔

عباس نے نین - اس کو بہت احتیاط سے رکھنا یہ بہت مبارک چھری تھی۔ اس کے ہاتھ میں لیتے ہی ہر دلیس جلال اللہ سامنے چل کر کہ یوں مرے اور میرا جلتا ہوا ہاتھ ٹک گیا آہ اگر یہ بڑھا ہوا جوش جھکوساں نے پر مجبور نہ کر دیتا تو میں لاکھ ہستی مگر کسی طرح شرم و حیا جھکوساں آئینا کی اجازت نہ دیتی۔ نہ دیتی۔ بیشک یہ بہت مبارک چھری تھی جو میرے ہاتھ میں آئی ہے۔ اس اتفاق ملاقات کا فائدہ ہوئی اور اب اس کو مخوس کہتے ہیں۔

جعفرؑ نہیں مجھے غلطی ہوئی۔ بیشک یہ بہت مبارک چھری ہو کر آہ تھے اجازت نہیں دی ورنہ
 میرا اسکو اپنے دل میں بٹھالیتا۔ یہ کہہ کر اس نے عباسہ کا جھکا ہوا سر اپنے ہاتھ سے اٹھایا پھر آنسوؤں
 سے تر تھکا اور آنکھیں ہوتے روتے اُس کے خون شدہ دلی طرح مٹھ ہو گئی تھیں۔ جعفر نے بڑی
 سہجوت کے بعد اُسکے رونے کو کم کیا اور اس طرح کہنے لگا پیاری شاہزادی کو خدا نے نکلی کے ذریعہ
 تمھارے نازک پنڈے کے ہر عضو کو مس کرنا چھریا کر دیا ہو مگر اب بھی جھک جرات نہیں ہو سکتی
 جھکو امید ہو کہ آپ خوشی سے مجھ کو اس امر کی اجازت دینگے کہ میں اُن آنسوؤں کو اپنے ہاتھ سے
 پونچھوں جو تمھارے پیارے پیارے چہرے پر رہے ہیں۔
 آہ۔ اسکا جواب پیاری عباسہ کے پاس کیا تھا۔ شرم جیانی بے اختیار اُسکی گردن جھکادی اور اس نے
 اپنا ہاتھ سوسن کی طرف بڑھایا گو یا وہ آنسو پونچھنے کے لیے سوسن کے دھال مانگتی تھی کہ جعفر نے جلدی
 سے اُسکے آنسو پونچھنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا مگر اسوقت عباسہ شرم سے بالکل بچائی ہوئی تھی اس کیلئے
 ہاتھ سے اپنا منہ چھپالیا تھا اور دوسرا ہاتھ جعفر کے اُس ہاتھ کو ہٹا رہا تھا جیسے مال تھا کہ جعفر نے کسی طرح نہ
 مانا۔ مانا۔ آنسو پونچھے اور اچھی طرح پونچھے اور پھر سوسن اس طرح مخاطب ہو کر کہنے لگا دوسوسن! خدا جانے
 اسوقت تم اپنے دل میں مجھ کو کیا کہتی ہو گی گھر کے لیے ان باتوں کا کہیں تذکرہ نہ کرنا میں اُنکو اپنے ہوش
 و حواس میں نہ تھا۔ آہ جھک پیاری شاہزادی کے لئے کی خوشی نے بالکل از خود وقتہ کر دیا ہو۔
 سوسنؑ (ہاتھ جوڑ کر) حضور یہ کیا فرماتے ہیں۔ خدا جانے کس قدر نماؤں اور تہنیزوں کے بعد
 اتفاق سے تواج دین دیکھنا نصیب ہوا ہو۔ اور پھر میں کسے کہنے بیٹھیں گی۔ استغفر اللہ۔
 جعفرؑ نہیں۔ اسکا تو تمھاری طرف سے کبھی خیال ہی نہیں ہو سکتا کہ میں نے احتیاطاً گدیاء بیشک میں تمھارا
 بہت مشکور ہوں تھے بہت اچھا کام کیا جو انکو لے آئیں لیکن خدا کے کسی کو اسکی خبر نہ ہوتی ہو۔
 سوسنؑ نہیں میں تو پہلے ہی آپ سے عرض کر چکی ہوں کہ آپ اسکا مطلق خیال نہ کریں میں نے اسکا پورا
 پورا انتظام کر لیا ہو۔ ہماری حضور جس کہے میں آرام فرمایا کرتی ہیں اُسکے دروازے کے ہر طرف اسوقت
 تہنیز ہیں۔ کچھ کچھ رہا ہو اور پرے دیووت میں کہہ آئی ہوں کہ نصیب دشمنان شاہزادی صفا کا فرائض
 کچھ چھپا نہیں ہو۔ ابھی آنکھ راک گئی ہو خبردار کوئی بولے تب میں اسکو کوئی اندر جانے پائے۔
 سوسنؑ کی یہ تقریر جعفرؑ خاموش ہو گیا گو یا وہ خیال جو ابھی آپ قسم کا انتشار پیدا کرتا ہوا اس کے
 ذہن میں آگیا تھا وہ جتنا ناروا اور یہ پھر مطمئن ہو کر اُسی نچوڑی کے عالم میں آگیا جو کسی پررار مان
 عاشق کو اپنے مجھدب کی اتفاقیہ ملاقات میں ہو جانا چاہیے۔ اس خاموشی پر جب کچھ عرض کر گیا

تو سوسن تھوڑی دیر کے لیے یہاں سے اٹھا چلا جاتا ہی مناسب سمجھی اور کچھ حیلہ بہانہ کر کے اٹھی
 تنہاؤں کی آراؤی کے ساتھ نکلنے کا موقع دینے کے لیے کمرے کو خالی کر دیا آب نہ دونوں بیچے ہیں
 شرم و لحاظ کے سوا کوئی غیر خرم نہیں ہو اور دونوں طرف دل اس طرح سینے میں جلدی جلدی اچھل
 رہا ہو جس طرح آرزو میں خون کے سابسے دوسرے کے ساتھ جلدی جلدی دل میں آ رہی ہیں اور پھر
 اس طرح دم بخود ہو کر رہ جاتی ہیں جس طرح برصی ہوتی تنہا میں اُنکے شرم و لحاظ کی کیفیت دیکھ دیکھ کر لکھتے
 ہوتے جناب کی طرح بیٹھ جاتی تھیں۔ اس حال پر بھی جب تھوڑی دیر گزر گئی اور طبیعت کی الجھن دور
 اور شوق نے جعفر کے پُر زار مان دل سے اور دل نے اس کی زبان سے بہت تقاضے کیے تو پھر جعفر نے اس طرح
 کہنا شروع کیا ”پیاری شاہزادی بہت تنہاؤں کے بعد تجھ پر یہ گھڑی کھانا نصیب ہوئی تو اس کی قدر کو
 بہت کرنا چاہیے۔ اسوقت اس سکوت کا مہین لینا چاہیے جس کا ایک گھوڑا آپ کو فراق میں بہت مشغول
 رہا ہو کچھ باتیں کیجئے اور اس کے بعد وہ اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ دیکھے کیا جواب ملتا ہو مگر عباس
 کی شرم و حیا نے اس کو بات کرنا ہی مطلقاً اجازت نہ دی اور جعفر اس طرح کہنے لگا ”پیاری شاہزادی
 (بات میں ہاتھ لیکر) پیاری شاہزادی دیکھیے اسوقت اتفاق سے وہی جعفر آپ کے سامنے حاضر ہو
 جس کو آپ نے اپنی محنت اور حیا سے کئی بار بارا دفرمایا۔ اور پھر بھی اس سے بات نہیں کرتیں۔“
 عباس ”(سر جھکائے ہوئے) کیا باتیں کروں؟“ اور جعفر کی طرف ایک شرمیلی ہوئی نظر سے دیکھ کر
 آنکھیں نیچی کر لیں۔

جعفر ”(ایک ٹھٹھکی ہنس لیکر) اچھا وہ باتیں کیا تھیں جس کے کہنے کے لیے آپ نے مجھ کوئی بار بار دفرمایا تھا؟“
 عباس ”آہ اسوقت تو دل کی طرح میری زبان بھی تیرے قابو میں نہیں ہے۔ خدا جانے اسوقت کس بات
 کے لیے آپ کو تکلیف دی تھی اور آپ کو اس سے مطلب ہی کیا۔ اگر اس کا خیال آتا تو آپ تکلیف ہی نہ کرتے۔“
 جعفر ”(مسکرا کر) یہ کیجئے ابھی تک غصہ فرو نہیں ہوا تھکی نہیں گئی۔ پیاری شاہزادی خدا گواہ ہے۔ میں
 بادشاہ سلامت کے حکم سے مجبور تھا اور اس پر آپ کے حفظ آبرو کا خیال اور بھی میری ذمہ داری کے ساتھ دینی
 کر رہا تھا ورنہ میں اور نہ آتا۔ اور پھر آپ کے طلب فرمانے پر لا۔ اور وہ بھی کمر سکڑ رہا!۔ کبھی مکن نہ تھا۔“
 اس کے بعد کچھ چیر چیر ٹھٹھکی باتیں ہوئیں اور پھر شکوے شکایت کی یہی باتیں ہونے لگیں جو فراق کے
 بے انتہا صدمے اٹھائے ہوؤں کو عین وصل کے وقت کچھ بہت لطف و بجا جاتی ہیں عباس کی آنکھیں شرم
 سے اسوقت بالکل پھٹی ہوئی تھیں اور جعفر اپنی لچائی ہوئی نظر سے بڑے شوق کے ساتھ اُس کی طرف دیکھ رہا
 تھا اُس کی تنہا میں قلب کی ہر حرکت کے ساتھ دل سے اٹھ اٹھ کر دیکھ بھال کر رہی تھیں اور خون کی طرح جلد کے

نیچے نیچے پھر سی تھیں اور آرزو میں بات بات سے اسی طرح ٹپکی پڑتی ہیں جس طرح دلی خواہش کے ساتھ
 جوش شباب کی گرمی اور پھر گو گو کی کشمکش سے پسینہ ٹپکے ہاتھ لگو یہ بہت خود داری سے اس وقت کام لے
 رہا تھا کہ پھر بھی اسکے تہور بتا ہے تھے کہ یہ اس وقت اپنی خواہشوں کے زور اور اپنے دل کے ہاتھوں سے
 مجبور ہو رہا ہو۔ اسکی آنکھوں کے گلابی ڈوروں کی سرخی باریک باریک گون کے مرکز کی تھی بلکہ انکی
 جھلکیوں کے آنکھ کے سفید حصہ کو بھی اپنے رنگ میں رنگ بالکل انھیں آنکھوں کا مشابہ کر دیا تھا جن میں شراب
 کا نشہ یا نیند کا غماز حسینو کی شوخی کی طرح بھرا ہوا۔ اسے شراب نہیں پی تھی اور نیند کے آثار اسکے چہرے سے
 نمایاں تھے۔ ہاں عباس کی سیاری صحت۔ اسکے دل پر حسن۔ اسکی مہرچ لگا دونوں اور اسکی نیلی
 آنکھوں نے اسکو بالکل متوالا کر دیا تھا۔ آہ موقع پا کر اس وقت وہ ساری تمنائیں اور آرزوئیں اسکے قلب میں
 خوشی کو آتے جاتے دیکھ کر ڈر پڑی تھیں جھلکے و پیٹ کر وہ پہلے پیٹ رہا تھا اور اسکے ساتھ اسکی اس شوخی
 قوت میں بھی کچھ تیزی آگئی تھی جسکو ایک حور و ش عورت کے پہلو میں بیٹھ کر جو چل تھاغصے سے خواہ مخواہ
 حیرت زدہ ناچا ہے۔ اسکی مشتاق آنکھیں لطفت دیدار اٹھاتے اٹھاتے جب رنج و ہر گزین اور دل کا کام آتا
 نہ نکلتا تو رفتہ رفتہ پردہ حجاب درمیان سے اٹھنے لگا اور دل کا کام پورا کرنے کیلئے بڑھے ہوئے شوق کے ساتھ
 اسکا ہاتھ بڑھا ملتی ہوئی شمع نے اس وقت بہان کا یہ رنگ دیکھ کر اٹھتے ہوئے شعلہ میں جیسے پھینکا دیا تھا۔
 درود و بلا شمع تھے اور ان تصویر نے شراب شوق کا تھنسی آچکے سے منہ دھانپ لیا تھا جو کھسک رہی
 لگی ہوئی چاروں طرف دیوار کو زینت دے رہی تھیں۔ انکے راز و نیاز کی باتیں سننے اور کسمپرسیاں رہنے
 کیلئے رکھے ہوئے گلدستوں کے پھولوں نے بڑے شوق کے ساتھ اپنے کان لگا دیئے۔ ترکس انکی مستیاں دیکھ کر
 اٹھائی ہوئی نظروں سے گھومنے لگی اور انکی گرم ہوشیاں اور ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں لینا دیکھ کر انکی ملی ہوئی ہیاں
 کچھ اس طرح منہ پھیر کر بھاگی کہ کھلے ہوئے دروازوں کے پٹ بھی اس طرح بند ہونے کے لیے جھڑپا رہی ہوئی آنکھیں
 بعض اوقات جھپک کر بند ہو جاتی ہیں ایسی حالتیں اب ہمارے بھی بیان ٹھہرنا سنا سچیں معلوم ہوتا تو باہر ملین۔
 باہر راکل سنا آؤ حسین چاند کی کرنیں اس طرح پھیل ہی ہیں اس طرح ابھی اندر کرے میں اپنے پیاری عباس کے
 ہاتھ اپنی چہرے سے حرم عالم سوز کی اٹھتی ہوئی ضو کو ملا حلقہ کیا تھا سفید سفید چاندنی چہرے پر درختوں اور
 رنگ کے پھولوں پر گر کر کر عجیب بہار دکھا رہی ہو اور ایک طرف سے کو جا اور برسوں بیٹھے تھے یہ باتیں کہنے پر
 جو آؤ دلاہ بسوسن ادا ہلا خوب ہی امیدوار رکھا اور یہ کہ ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگا۔
 سمجھنے والے تو سمجھ گئے ہونگے کہ اسکا یہ کہنا اسی رضیہ کے متعلق تھا جو پہلے تھرتے ایک ہی نظر میں اسکا
 دل تو لگی تھی مگر کچھ بھی خبر بھی نہ ہوئی۔ یہ بجا را اس وقت سے اب تک اسکی صحت کا اس طرح فریضہ ہو۔ روز ایک

مترہ جا کر اس کی گلی کی ہوا کھا آتا ہی مگر اس قدر عرصہ میں گزرنے والے زمانے نے ایک نیا ہی ایسا نیا پر کیا جو کچھ کسی اسکی پیاری صورت وہ اپنی مشتاق آنکھوں کو دیکھتا۔ سوس کے چہرے سے گزرتی تھی جس کے آثار نمایاں تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس قسم کی باتیں اپنے کانوں سے سننا نہیں چاہتی مگر چونکہ اسکو اپنا کام نہ کالنے کے لیے کئی بار اُس سے کہیں دُعا کر لیتا پڑا تھا اور پھر عباس کے حالات سے بھی اسکو واقفیت تھی اسوجہ سے بصلحت اس سے بہت ملائمت سے کہا۔ اے اسی جیسا کیا کہوں دم نہجی تو کجفت فرصت ملتی نہیں جو وہاں جاتی یا نہیں کو کچھ ایسی تدبیر بتانی کہ تمہارا کام نکل جاتا۔

چو آواز (طنز یہ سمجھیں) جی ہاں آپ کو میرے لیے کیوں فرصت ہونے لگی۔ شہر کے کام سے جو جیجی ملے، اسوقت سوس کا چہرہ بالکل زرد ہو گیا تھا۔ اسکو قہار کے کہنے سے فوراً اس امر کا اندیشہ ہو گیا تھا کہ اس شادی کی صاف کج وقت آنے کی خبر تو نہیں ہو گئی اور پھر اگر اس طرح جو اسے کہنے لگی کیا اسکو نہ کھانکے کہے؟ چو آواز یہ۔ لیکن اب جگہ بھی باتوں میں اُڑانے جسے کچھ حال چھپا ہوا ہی۔ عقد ہو گیا حال محراب میں معلوم تھا کہ اسے خط وغیرہ لانے کی جگہ نہیں۔ میں کیا نہیں جانتا۔

سوس۔ (اپنے دل میں) خیر بیان تک بھی خیریت ہی (چو آواز) ہاں یہ تو سب تمہارے سامنے کی باتیں ہیں۔ انکا کتنا ہی کیا اور میں تم سے چھپاتی ہی کیوں۔ خیر اب تم گھر آؤ نہیں۔ خدا نے چاہا تو میں کسی دن قصداً وہاں جاؤ گی اور ابھی طرح تمہارا حال بیان کر دوں گی۔

چو آواز (خوشی کے لیے) ہاں میری سوس بوا۔ میں تمہارا بہت احسان مانو گا بس تم میری خبر لے کر آؤ گا حال بھی میری طرح ہی ہو جائے۔ خدا جانتا ہی اب میری ہر حالت ہو گئی ہو گھر اب اس کے لیے میں (تو پھر کب؟)

سوس۔ (اپنے دل میں) دیکھو تو موسے کو کیا ہو گیا ہی۔ باتیں کسی مجنون کی طرح کرتا ہی شری ہو گیا ہی۔ شری۔ گویا میں رضیت کے سامنے یہ باتیں کہنے بیٹھو گی۔ ہوتھ۔ مجھے تو کبھی ایسا نہ ہو گا مگر خیر اسوقت کی بلا تو کسی طرح سے سے ٹاننا چاہیے (چو آواز سے خطاب ہو کر) یہی جہاں دراز فرصت ملی۔ بہت جلدی کر دیکھو خدا کے لیے یہ عقد اور خط وغیرہ لانے کا تذکرہ کسی اور کے سامنے نہ کرنا۔ اچھا۔

چو آواز نہیں۔ ایسا کہیں ہو سکتا ہی میں اپنے مکر کے ان کی بات کہیں ہی بان پڑا سکتا ہوں ایسا نہیں ہو سکتا۔ ان باتوں کا سلسلہ اسوقت تک ختم نہیں ہوا جب تک غلام مکہ خاص میں ہوس پھر نہ بلائی گئی اور اب جو علم اند چاکر دیکھتے ہیں تو کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہی۔ عباس کا سر جھکا ہوا ہی۔ شرم و غیرت سے پیٹنے میں نہانی ہوئی بیٹھی ہو اور ان زرد رخساروں پر جو بھی بالکل مچھلے ہوئے چھوٹے مشابہت رکھتے تھے اور اب جگہ جگہ

اور رنگ میں کچھ ایسے بھلے معلوم ہوتے تھے کہ انکے مقابلہ میں کوئی اچھا سے اچھا بھی کا کھلا ہوا پھول
نظر میں نہیں جتا تھا۔ بسنے کے قطرے جا بجا اس وقت لب لباب کی صاف روشنی میں ہی ہمارا دکھارہے تھے
جو صبح کے وقت نکلے ہوئے آفتاب کی روشنی میں نیم کے سپید سپید قطرے درق نگل رہا رو دکھا جاتے ہیں۔
اسکی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ پتیلیاں نئی دھن کی طرح ملکوں کے گھونگٹ میں چھی ہوئی تھیں اور لقمہ
عقیقہ سے کچا پٹا بدن ایسا چرا لیا تھا کہ خدا خدا کر کے دماغ سے آنے والا نور آنکھوں تک آکر اگلے
پاؤں پھوڑا تھا۔ عباس کی چولی جا بجا سے مسل ہوئی تھی اور وہ چین اور جونا سازی طالع کی جہ سے اب تک
نظر آتی تھی اس وقت زلف پرشکن کی طرح بالکل نکل گئی تھی۔ بھر بھی چپ بیٹھا ہی بنسم کی کیفیت ہوٹھون
پر ہو اور اب اسکی آنکھیں بالکل ستر بھرا ہوا ہوئیں پہلے کسی عشق کا نشہ یا خوار تھا چہرے پر معمول
زیادہ رونق ہو۔ آرزو میں جکی تمنا میں کیسی ”نہیں“ بلکہ کل گئی ہیں اترا بی ہوئی خوش خوش سائے جسم
میں پھر رہی ہیں اور خون کے ساتھ مل کر اسکے اس چہرے کو آکر دیکھ جاتی ہیں جبہ مسرت اور فیاض طبع کے
اس وقت جھٹکے ہیں۔ سوسن دیکھتے ہی تار گئی کہ جوش جوانی کی انگ انگ آج ان دونوں کے نہڑی اور
شوق و تمناؤں نے بے حجاب کر کے وہ سب کچھ ان سے کر دیا جسکی اجازت شرع نے تو انکو دی تھی مگر بادشاہ
وقت کی ممانعت سخت تھی عباس شرم سے بالکل دم بخود تھی منہ سے بات نہیں نکلتی تھی اور کسی شرمائی ہوئی آنکھیں
کی سی طرح حنفی اور حسن کے سامنے نہیں دیتی تھیں۔ اتفاق اور محبوس سے اگر کسی وقت کوئی بات کہتی تھی تو بھی چپ
بھیپ کر اور اگر اتفاق سے کیسٹ آٹھ اٹھ جاتی تھی تو فوراً گردن جھکا بھی لی جاتی تھی۔ ٹھوڑی دیر تک یہ
تعلی کی صحبت کچھ لمبی لطف کے ساتھ رہی مگر پھر وہی جہان کی گھڑی سامنے آکر گھڑی ہو گئی جو عشاق کے
حق میں کیسٹ قیامت کی گھڑی سے کم نہیں ہوتی۔ سوچ اب بیان زیادہ ٹھہرنے کی قیامتیں دکھا کر چلنے پر
امرار کیا اور بالآخر یہ دونوں بعد بہت سے قول و قرار کے ایک دوسرے رخصت ہوئے۔

تیرھواں باب

اب کیا ہوگا!
جو چین میں گزے تو ای صبا تو یہ کیسویلیل نارسے
کہ خزان کے دن بھی ہیں ملتے نہ لگانا دو لکھو بہار سے

ابن اثیر علامہ ابن خلدون اور صاحب فیہ فیہ اصفیاء و تہذیب و غیرہ نے اس موقع پر جو روایات جمع فرمائی ہیں اس کے متعلق کسی کو
مسلک ہونے والے ہیں لیکن بعض جہ سے نامناسب سمجھے۔ اس لیے جتنے بیان اس میں ملتے کو یا یہ جو محمد ابو الفاضل نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے

جعفر اور عباس کی اس بے تکلفانہ ملاقات کا حال جو حسن اتفاق سے ایک مرتبہ باغ میں ملتی تھی گواہ تھا کسی کو نہ معلوم ہوا۔ نہ جعفر کے پاس عباس کو کسی نے جانے کئے تھے دیکھا اور نہ وہاں سے واپس آتے ہی وقت کسی دیکھ یا لیکن اس کامیابی اور اس خوشی پر دل خوش کرنے کا عباس کو ابھی زیادہ موقع بھی نہیں ملتا تھا کہ جعفر کو ہارون رشید کے ہمراہ روم کی ایک لڑائی پر جانا پڑا اور عباس کو اپنے ہارنٹل پر جعفر کی جدائی کے صدمہ اٹھانے پڑے۔ یہ اسی فرق کے زمانے میں ایک روز صبح کے وقت فجر کی نماز پڑھ کر اپنی کوٹھی میں تنہا بیٹھیں تھی۔ آئینہ سامنے لگا ہوا تھا اور سوسن اس کے بال سنوار رہی تھی کہ دفعہ بھک کر اُسے آئینے میں کچھ دیکھا اور بہت حیرت کے لمحے میں اس طرح کہنے لگی "سوسن! تم دیکھنا تو سہی یہ میرے چہرے کا رنگ کچھ عجیبی بدل رہا معلوم ہوتا ہے یا حقیقت میں کچھ سیاہی ہو گیا ہے؟"

سوسن "ہاں۔ ہاں۔ جعفر میں کسی دن سے عرض کرنے کو تھی وہ پہلا سا رنگتہ ضرور نہیں ہے؟" عباس نے "تخیر ہو کر" پھر یہ کیوں؟ کچھ تو بظاہر کوئی عارضہ بھی نہیں معلوم ہوتا مگر بیشک یہ طبیعت روز بروز کچھ کڑی جاتی ہے اور کسی قدر تلی بھی رہتی ہے؟" سوسن "مثلی؟ اور خدا بھی تو آجکل بالکل نہیں ہوتی؟"

عباس نے "خدا! خدا کے تو نام سے بھوکہ نفرت ہے خدا جانے یہ کیا بات ہے۔ بالکل طبیعت کو ہر پہلو پر آگیا ہے؟" سوسن "بیشاید بادشاہ سلامت۔" (آہستہ سے) اور وزارت پناہ کے ہونے سے طبیعت کچھ فشر و ریش ہو گئی۔ اور تو کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی؟

عباس نے "مگر پھر کسکر اتے ہوئے" اور شو بھی۔ نکو بھی باتیں سوچتی ہیں۔ اور ہاں ایک بات اور تو (بہت آہستہ سے) دو تین تینے سے کچھ اسکا طور بھی نہیں ہوا؟

سوسن "بہت تعجب کے لمحے میں" ہاں؟ اور ایک ساتھ اس کے خیالات اور بحر اسطیج بولی ہوئی ہو گئی گشتی معاف۔ اُس بات جب آپس اور وزارت پناہ سے باغ میں ملاقات ہوئی تھی اور کچھ نہیں ہوا تھا؟" عباس نے "مگر کچھ شرماتے ہوئے لمحے میں" اور کیا ہوتا ہے؟ اس شب میں جو کچھ ہوا تھا اسکو سوسن نے بعض قرآن سے جان کئی تھی مگر اس کے پوچھنے کی خاص وجہ یہ تھی کہ عباس نے اب تک اسکو سوسن سے چھپایا تھا لیکن جو خیال اسوقت سوسن کے ذہن میں پیدا ہوا تھا اس کے اعتبار سے اس بات کا صاف ہو جانا بھی ضروری تھا۔ اس لحاظ سے اس نے پھر حیرت کی اور کہا: "اے ہی۔ تو مجھے پڑو کیا ہے۔ کہہ دیجئے نا؟" عباس نے "بہت شکر اگر بھی اللہ ایسی باتیں ہم سے نہ پوچھ رہے ہیں جانتے۔ ہو گا؟"

عباس نے ان کلمات کو کچھ اس سلب و لہجے سے ادا کیا کہ ہارا تو کوئی حشر نہیں ہے لیکن ہاں اگر وقت

یاوش بخیر چلا اور دوست جعفر موجود ہوتا تو یقیناً چٹ سے بائیں تو فخر لے لیتا۔ سو سن تو پہلے ہی سے جانتی تھی۔ اب اس وقت اس کار باہما شک بھی جاتا رہا لیکن اسکی عجیب حالت تھی۔ اس نے ذات کے نیچے انگلی دبلی اسکی ذہن پر عباس کے چہرے پر لگی ہوئی تھی اب خدا جانے کیوں تھوڑا کر زمین پر گر پڑی تھی اور یہ سچہ زمین نہیں آتا تھا کہ وہ کی زبان پلٹے پلٹے اس طرح بیکار لگی کیوں رک گئی۔ عباس ایک مرتبہ اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور گہرا سٹ کے لیے میں کہا کہ کیوں خاموش کیسی ہو رہیں۔ بولو۔ سو سن (ایک تھنڈی سانس لیکر بیوی کیا عرض کروں۔ کچھ کہا نہیں جاتا (دوبی زبان سے) بکھو تو کچھ نشانیاں محل کی معلوم ہوتی ہیں!)

عباس (حیرت کے لیے میں) محل۔ اسی محل دور بھی ہو۔ خدا کہیں ایسا کرے بھی نہیں کبھی محل لے کی آئی ہو۔ حل کیسا؟

سو سن: ہاں موقع مصلحت کے اعتبار سے میں بھی یہی کہتی ہوں کہ خدا ایسا کرے مگر یہ بھی کیا کروں! بکھو تو کچھ اسی کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔

عباس (گہرا کر) اسی سو سن تو کیا تم سچ سمجھتی ہو۔؟ میں تو اب تک اتنی سمجھتی تھی۔

سو سن: نہیں بیوی۔ بھلا یہ بھی کوئی مذاق کی بات ہے۔ اب میں ایسی بھی گستاخ نہیں ہوں۔

آہ۔ اب عباس کے ہوش میں اس سب کا نہ تھے۔ اس کے اعضا اور قوتوں نے تھوڑی دیر کے لیے لیٹا اٹھا کر

چھوڑ دیا تھا۔ جو عضو جس حال پر تھا اسی حال پر رہ گیا تھا اور جو قوت جس جگہ پر تھی وہیں گئی تھی۔

آج بھانا بھول گئی تھی۔ انکھیں جس طرف لگی ہوئی تھیں۔ لگی ہوئی تھیں۔ مگر کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ روزیتر

اسی حالت میں خدا خدا کر کے جب کچھ لگی ہوئی تو خدا بھانے لیا کیا ہر لٹناک صلیو میں اس کے سانس لگتے

کہ اس سے سم کر آنکھیں بند کر لیں اور یہ سر تمام کمر اس طرح اپنے دل سے کٹنے لگی ہوئے ایک سانس غضب

ہوا۔ سو سن کہتی ہو محل ہے۔ شاید ایسا ہی ہو۔ اسپر یہ اتفاقات گزر چکے ہیں وہ ان باتوں کو جانتی

ہوگی اور عجیب نہیں جو اس کا کنساج ہو (کچھ غور کر کے) ہاں خلاف معمول ایک قسم کا بار تو محلو بھی ملو

ہوتا ہو اور بلخ میں اس شب کو ایسا اتفاق بھی ہو چکا ہو لیکن اگر ایسا ہوا تو بڑی شکل ہوئی۔ ہائے

جب بھائی جہاں کو یہ حال معلوم ہو گا تو وہ کیا کہیں گے! جو نکمیں تھوڑا ہو۔ انھوں نے کسی کیسی نفی

کروسی تھی ہائے اس دن میں اندھی ہو گئی تھی۔ محلو کسی بات کا خیال ہی نہ کیا۔ افسوس! اگر سب

خرابیاں نہ جانی ملن کی کی ہوئی ہیں۔ اگر وہ جعفر کے سامنے محلو اس آواز کی کے ساتھ آنے جانے

کی بجائے نہ دیتے تو کبھی میرے دل کی یہ حالت ہوتی اور کبھی ایسی حرکت وقوع میں آتی۔ ہائے

اب میری اور انکی (جبر کی) جان کی خیر نظر نہیں آتی میرے ساتھ وہ بھی بلالین پڑے بیشک
 بھائی جان اب میری جان کے دشمن ہو جائینگے خیر اسکا اثر اگر کہیں تک پہنچ کر ختم ہو جانا تاہم کوئی
 ہرج کی بات نہ تھی عقد کا حال تو بھائی جان اچھی طرح سے جانتے ہیں اگر مائے غضب تو یہ ہو کہ اور
 کوئی عقد سے واقف بھی نہیں ہی۔ اب جو کیا رگی لوگ پہلے پہلے یہ خبر سنیں گے تو کیا کہیں گے ہائے
 اب سب مجھ طرح طرح کے اتہام لگائیں گے۔ کوئی جھکو بکا رکھے گا۔ کوئی زانیہ کے نام سے یا کر لگا
 ہائے اب نہیں کسی بدنام ہوئی۔ افسوس! میری سب عصمت پارسائی خاک میں مل گئی۔ بس اب
 کچھ کھا کر سو رہنا چاہیے۔ ایسی بدنامی اور ذلت کی زندگی سے مر جانا ہزار درجے بہتر ہی۔ اگر کسی دن
 چھری مار کر اپنا کام تمام کر دیا ہوتا تو آج یہ رسوائی کیوں اٹھانی پڑتی۔ کردہ ہوتا کیونکر قسمت میں
 تو یہ بدنامی اٹھانی بھی تھی خیر اب سہی۔ (چونکہ کر) مگر میں تو ان سے عہد کر چکی ہوں کہ بلا لائے
 تو کوئی کا کبھی قصد نہ کرونگی۔ اور ہائے اسپر خدا کی قسم بھی کھالی ہو بڑا غضب ہوا۔ ورنہ اس کا اچھا تو
 اور کوئی طریقہ ہی نہ تھا۔ افسوس۔ اور آج کل دیدہ بان ہیں بھی نہیں۔ ورنہ شاید انھیں کو میری اس رسوائی
 پر کچھ ترس آجاتا اور وہ جھکو مرنے کی اجازت دیتے۔ ہائے پھر اب کیا کروں؟ یہ خیالات جو حق فیض
 کے ساتھ اس کے فہم میں آتے جاتے تھے اس طرح اسکے دل کی الجھن ترقی کرتی جاتی تھی اور جتنا یہ اپنی
 برکت کی تدابیر سوچتے تھے کوشش کرتی تھی۔ اسقدر اسکو ایسی اشکال سے سامنا ہونا تھا جسکو اگر
 محال نہیں تو محال کے قریب قریب ضرور کھنا چاہیے۔ ساعت بساعت اسکا اعتنا بڑھتا اور پھر کچھ
 عجیب گھبراہٹ کے ساتھ اس طرح کہنے لگی۔ سو سن خدا نخواستہ دشمنوں کے کان بہرے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر
 کیا ہوگا؟ این؟

سو سن؟ میری کیا باتوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ سیر نزدیک تو کسی طبیب کو نبض قارورہ دکھانا چاہیے
 اگر کچھ شبہ پایا جائے تو کوئی ایسی دوا استعمال کر لی جائے جس سے یہ کھٹکا نکل جائے۔
 اسوقت جب اس نے سو سن کی اس تقریر کو جس بے توجہی سے سنا اس کے دیکھنے سے یہ صاف معلوم ہوتا
 تھا کہ وہ شاید اسکی اس رائے سے اتفاق کرتا نہیں چاہتی۔ اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ اس امر پر کہ اپنے دل
 میں کوئی چیز نہ سمجھتی ہو یا اسکی اسکو کچھ پروا نہ ہو۔ نہیں وہ شرم و حیا کی روح تھی اسکی غیرت اس امر کو
 بھی کسیدہ طرح گوارا نہیں کرتی تھی کہ کوئی اور شخص اس کے اس خیال سے ذرا بھی واقف ہو۔
 خیر کچھ دن تو اسی شک ہی شک میں گذر گئے لیکن رفتہ رفتہ پھر یہ شک یقین کے مرتبہ کو پہنچنے لگا
 اور جیسے بے موت مرنے لگی۔ آہ! اب اسکا پہلا سازگ تھا۔ نہ وہ پہلی سی صورت تھی۔ پہلی مگر یہ

نزدک تھی۔ چہرہ خود خزان سے زرد ہو جانے والے پتوں کی طرح بالکل سیلا چڑ گیا تھا اور پاپ اپنے جسم کو دیکھ دیکھ کر سیڑی غیرت سے زمین میں گر بی جاتی تھی جس طرح مہر اپنے پاؤں کا رنگ دیکھ کر شرمناک ہوا۔ مگر آہ زمین سخت تھی۔ آسمان دور تھا اور اسپر جعفر سے محمد بھی ہو چکا تھا اور یہ عجالت سے شامیادہت عباسہ کسی کو اپنا منہ بھی نہ دکھاتی۔

اس موقع پر گھبراہٹ اور انتشار میں وہ سب تدبیریں اسکے ذہن میں آتی تھیں جو ایسی اجتہاد اور تازگی بدقوت پر آئے تھے دنیا میں آجیاتی ہیں اور جسکی نسبت سوس بھی بار بار اصرار کر چکی تھی لیکن عباسہ ایک دستہ تعلیم یافتہ۔ پاکدامن اور خدا سے ڈرنے والی عورت تھی وہ خوب جانتی تھی کہ محل کا ضائع کرنا حقیقت میں ایک جان کا ناقص خون کرنا ہی وہ خیال کرتی تھی کہ اگر بیچ ایسا کیا تو ابھی میں حفظ ایک اپنے بھائی کی خطا وار ہوں اور پھر بھائی جان اور خدا دونوں کی گندھا رٹھ فرم گئی۔ گو یہ ایک بدیہی بات ہی کہ ایسی باتیں کسی کے چھپائے کبھی چھپ نہیں سکتی ہیں لیکن عباسہ نے بڑے استقلال کے ساتھ اس میں کوشش کی۔ گو ہم ابھی نہیں کہہ سکتے کہ عباسہ کو کتنا شک اس کوشش میں کامیابی ہوئی مگر ان اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ کر بیٹھ بیٹھ کا ہمیشہ ہی نتیجہ ہوتا ہی کہ کچھ نہیں ہوتا اور کوشش کرنے والا آدمی اپنی تباہی پر کچھ نہ کچھ کا بیاب ہی ہو جاتا ہی۔ عباسہ نے بڑی ہوشیاری اور حکمت عملی سے محل کے نہ چھپنے والے علامات کو نوچتے تاک ایسا چھپا یا کہ بجز وہ چار خاص اور ختمہ کنیزوں کے اور کسی پر کسی طرح ظاہر نہیں ہونے دیا۔ جب پڑا وہ کا بیاب ہو جانے کی خاص وجہ تھی کہ بارون رشید کے آجکل نہویں کی وجہ سے عباسہ کو اپنی کوٹھی سے نکلنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی اور اسکے ساتھ چونکہ ان دنوں زبیراؤ اسکے درمیان میں کیس قدر بے لطفی اور شرک و بخی ہو گئی تھی اسلئے آپس میں آمد و رفت کا سلسلہ بھی بالکل موقوف ہو گیا تھا جسکی وجہ سے اس کا راز مطلق فاش نہیں ہوا۔ اس نے یہ بڑی ہوشیاری کی کہ جب وضع محل کا زمانہ تیار کیا تو یہ سب سے دقت پرچ کا بیان کر کے اس بارغ میں چلی گئی تھیں اسکو یہ پھل ملا تھا۔ جو گھڑی آتی تھی اسینہ بیگم کی کیفیت اس کے دل پر پیدا کرتی ہوئی آتی تھی اور جو ساجت اغیار راز کے ساتھ گدہ جاتی تھی اس پر یہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی تھی۔ بالآخر نوچنے گزرنے کے بعد اس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا۔ بوزو نلف کی طرح آنکھوں میں اوروں کی نگاہ سے چھپا چھپا کر رکھا گیا۔ عباسہ اپنے راز کے آٹ تک نہ فاش ہونے سے بہت خوش تھی۔ اس کی خیر الفت نوز نظر کی پیاری صورت دکھا دکھا کر اس کی محبت کو بڑھا رہی تھی اور وہ محنت جبر سے ناز و نعم کے ساتھ مخفی طریق پر درشن پر ہاتھ کر

یکبارگی ہارون رشید کے روم سے بافتح و ظفر واپس آنے کی خبر شہر میں مشہور ہوئی اور اس خیال اور اندیشے سے کہ بہاؤ یافتہ شدہ کہیں اسکے کانوں تک پہنچ جائے اس لئے بہت پوشیدہ طریقے فرزند کو ایک معتد غلام اور دو نیزوں کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔ گویا ہر نسبت پہلے کہ جاسوس کو آب ایک قسم کا اطمینان ہو گیا ہو اور نظر اب ہر خیال کرنے کا بھی موقع ہو کہ شاید اس عامل کی آپ کسی کو خبر ہو کر اسے لٹائے اور کا اندیشہ اس دن خارجہ کیم طرح اسکے دل میں نکلا ہو اور اٹھ پہرے ہی رنج و غم میں رہتی ہو کہ دیکھئے کیا ہوتا ہو۔

چودھوان باب

بے پردگی کا نتیجہ

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستان نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر یہ ہم کوئی چین اٹھائے کیوں

جاڑے کا موسم ہو۔ تھڑا سا دن باقی ہو۔ تھینا چار بج چاہتے ہیں اور اس آفتاب کا آب کچھ اور ہی رنگ ہو گیا ہو جس کو کسی غیرت خورشید کے پائے پینے چہرے سے بہت ہی ملتا ہوا تھا۔ آزادی کے ساتھ دنیا بھر کی خاک چھائے چھائے اب اسکے چہرے پر ایسی طرح کی گرد و مائل جم گئی ہے جس طرح کسی اس عورت کے گورے گورے چہرے پر دیکھنے والوں کی بری نظر پڑتے پڑتے معیشت کی ایک تجم گئی ہو جو بالکل بے پردگی کے ساتھ ہر شخص کو اپنے حسن کی تکلیف دہانی ہوئی پھر بری ہو۔ نہ تو آفتاب کی شعاعوں کا آب نہ اس سہارا رنگ جو صبح کو اپنے دیکھا ہو گا۔ نہ دھڑکنے کی آواز چاک اور ٹپ ہو جو اس پر دیکھنے والوں کی نظر کو تیر کر رہی تھی اور نہ اس کے حسن و علم و ادب کی

تہ قسطنطنیہ کی وہ فتح عظیم ہو جو ہارون رشید کو عظیم جری میں حاصل ہوئی۔ اس کی بنا اس طرح پر ہوئی تھی کہ قیصر روم اور لائون کے مابین میں جو صلح تھی اسکے ٹوٹنے کے متعلق قیصر روم نے ہارون رشید کو ایک خط لکھا جس کا دیکھتے ہی ہارون رشید کی آنکھیں سرخ ہو گئیں جو وہ تمنا گیا اور اس وقت غصے سے اسکے چہرے کی یہ حالت تھی کہ سارے دربار میں کسی تحریر پر متفرق نہیں کی یہ جرات نہیں ہوتی تھی کہ ہارون رشید کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ ہارون رشید نے اسی خط کی پشت پر سب سے اشد کہیں یہ جواب لکھا مہن ہارون امیر المومنین علی بن عقیل رجب الروم قدرت کتاب یا ابی الکافۃ والجواب اترہ لاسمعتہ یعنی امیر المومنین ہارون کی طرف سے روم کے لئے یہ فتوہ کہ سلطنت ہو کہ ای کا فہرہ کے بچے ہم نے تیرا خط چڑھا اور اس کا جواب تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ کانوں سے نہیں اور اسکے ساتھ ہی قمار فوج بیکر و روم پر دھاوا مارا اور اُس وقت تک راہ میں وہ کسی مقام پر خیمہ زن نہیں ہوا۔ جب تک قسطنطنیہ میں داخل نہ ہو گیا اور اس وقت نہیں کہ نہ تاریخ الخلفاء ایسوی ۱۲

وہ گرمی ہی باقی ہو جیٹھک دوپہر کو تھی۔ آفتاب مجھ پر ہکا آب سر جھکانے لیتا ہو۔ دھوپ غیرت کے مارے زرد ہوتی جاتی ہو اور سایہ اسکی شرمندگی پر رحم کھا کر پردہ درسی کے لیے پیچھے پیچھے چھڑھا جاتا ہوا۔ وہ بیوقوفی مذمت سے سر جھکا کر گیا ہو چون بھر بلا روک ٹوک بہت آزادی کے ساتھ کھلے میدانوں کی ہوا کھانا کیا ہو اور وہ پھول بھی بالکل مرجھائے ہیں جو آج کچھ دن چڑھے تک بھی بڑی میاکی کے ساتھ جوانان جن کے روبرو قہار لگا رہے تھے۔ یہ کیوں؟ ایسے لگا کر بھیجا اور بے پردہ دیکھ کر بہت سی لطیف دیکھنا ہوائی نظریں انہر پکاراں کی ٹوٹ پڑیں۔ چاروں طرف سے نوح کھسٹ کے لیے ہاتھ بڑھے۔ لوٹ ہو گئی اور قلع حسن میں سے جسکے جو ہاتھ لگائے بھاگا۔ بان وہ منہ بند کیا ان آب البتہ کھلنے کے قریب ہیں جو بڑی احتیاط کے ساتھ ایک ہرے ہرے نقاب اپنا منہ چھپاتے رہی ہیں۔ سایہ دور تک پھیلتا جاتا ہو جانوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اپنی بہار دکھاتی ہوئی چل رہی ہو اور ہم سیر کرتے کرتے بغداد میں اس طرف جانگے ہیں جس طرف اسماعیل کا مکان ہو۔

میان آج ہمارے آنے کی خاص یہ وجہ ہو کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم نے اس طرف سوسن کو اتارے ہوئے دیکھا تھا۔ معلوم نہیں وہ کیوں آئی ہو۔ کیا کام ہو۔ کچھ خبر ضرور لیا جائیے اور ہم سیر کرنے کے لیے بغداد میں اس طرف جانگے ہیں جہاں ابراہیم کا مکان ہو۔ ابراہیم کو تو پہنچے دیکھا نہیں ہو مگر ان اسکے اور رشتہ داروں کی حالت پر اندازہ کرتے اور اس کے مکان کی حیثیت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ شاید یہ ایک محکمہ ہو گا آدمی ہو۔ کچھ مکان ہو۔ دروازہ کھلا ہوا ہو اور مکان کے اندر محسن میں ایک پلنگ پر چند عورتیں بیٹھی ہوئی آپس میں کچھ باتیں کر رہی ہیں انہیں سے ایک تو سوسن معلوم ہوتی ہو اور باقی عورتوں کو ہم پہچانتے نہیں ہیں مگر ان قیاس سے کہہ سکتے ہیں کہ جب انہیں جو یہ سب ابراہیم کی رشتہ دار ہیں ہوں۔ سوسن کی میان آنے کی وجہ تو ظاہر ہو کہ وہ رشتہ میں ابراہیم کی بہن ہوتی ہو اور جب کبھی اسکو موقع ملتا ہو تو وہ قدسی الفت اور محبت اسکو کشان کشان میان لے آتی ہو جو ایک غریب کو اپنے عزیز کے رخ ہونی چاہیے مگر ان اس امر کا تعجب ہو کہ ششدر بنائے ہوئے ہو کس طرح رضیہ میان کی سی طرف نظر نہیں آتی ہمارے منتظر آنکھیں چاروں طرف اسکو ڈھونڈ رہی تھیں کہ وہی خیال جو ابھی ایک لڑیا یا اندازہ کے ساتھ ہمارے دل دروغ میں پھر رہا تھا اب رضیہ کی قیامت خیز رفتار کی آہٹ بن کر ہمارے کانوں میں آنے لگا اور ہم ساری آنکھوں نے دیکھا کہ رضیہ مسکراتی ہوئی ایک طرف سے آ رہی ہو۔ اسکے گھر نگارنے بال کھلے پہلے اور ہر طرف کا ندھے پر پڑے ہیں۔ اسکے سیاہ سیاہ بالوں سے پانی کے سپید سپید قطرہوں کا پاشا اور پانی بڑھ چکا ہو جسکے بل کا کھلنا دیکھنے والی نظروں کو اچھی طرح سے تیار ہو کر یہ بھی محسوس کر کے آئی ہو۔

اس سوسن کو دیکھتے ہی جھک کر نہ کی کی اور چکر لک طرف کو چلی گئی۔ سوسن بھی بڑے تباہ ک سلام کا جواب دیا اور مزاج پوچھ کر اس طرح کہنے لگی: "ای ہوی تم کہاں تھین؟" وہ کہہ کر میں دیر سے چلاؤ لطف دیکھ رہی تھی مگر تھاری صورت کہیں نظری نہیں آتی تھی میں ابھی پوچھنے ہی کو تھی کہ تم آگئیں کیا غسل ہوتا تھا؟" رضیہ بھی بان۔ اسیدو سے تو اتنی دیر بھی ہوئی ورنہ میں آپ کا تشریف لانا مستی اور فوراً نہ آتی! آپ تو اب اس طرف تشریف ہی نہیں لاتی ہیں یہ کیا معاملہ ہے؟

سوسن نے کہا کہوں بہن دم لینے کی تو فرصت ملتی نہیں ہو۔ پہلے تو بادشاہ سلامت روم کی طرف تشریف لے گئے تھے شاہزادی صاحب کی تنہائی کا خیال تھا اور اب جب سے وہ آگئے ہیں تو ہر وقت کی آمد رفت کے سبب ملت نہیں اور بڑی مشکل تو یہ ہے کہ ہماری مگر کسی وقت بھکولنے سامنے سے ہٹتے نہیں دیتیں رضیہ بان۔ یہ تو میں اتنی آنکھ سے دیکھ آئی ہوں یہ شک شاہزادی صاحب آپ بہت محبت فراقی ہیں خدا کو سلامت رکھے میں بڑی خلیق جب میں گئی تھی تو سیر ساتھ کسنا پیکیش آئی تھیں۔ ہیں بختیہ؟ سوسن بان ماشے اللہ اچھل تو اچھی ہیں۔ مگر آج کیسے قدر متشرف تھیں شاید بادشاہ سلامت حج کرنے کے لیے جانے والے ہیں؟ اسی قسم کی باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک مرتبہ رضیہ نے کہا: "ہیں بھکوتو یہاں شری معلوم ہوتی ہو میں تو دھوپ میں بیٹھوں گی۔ کسی طرح بال خشک ہی نہیں ہوتے شام ہوتی جاتی ہے" اور یہ کہ اگر ایسے مقام پر جا کر بیٹھی جس جگہ آخری وقت کے آداب کی شاعیں اپنے ڈھلے ہوئے جوہن کی ایک کچھ کچھ کیفیت دکھائی تھیں تھوڑی دیر کے بعد سوسن بھی اگر ایسے پاس چھ گئی اور پھر کچھ عرصے تک احمدی کی نیکی جتنی جھلکی۔ اور اس کی خوبی چال چلن کی باتیں ہوتی رہیں۔ یہ سلسلہ بھی ختم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ آخری وقت کی جلد جلد بھاگنے والی دھوپ گزرنے والے وقت کی طرح وہاں سے بھی بھاگ کر گئی جہاں رضیہ بیٹھیں ہوئی اپنے بال خشک کر رہی تھی اور رضیہ دھوپ کے اس طرح بھاگنے کی کیفیت اور بالوں کی بھٹی دیکھ کر اس طرح کہنے لگی: "ای ہوی تو بہن میں دھوپ کے لیے ہاں یہاں آتی تھی۔ بال ابھی خشک بھی نہیں ہوئے اور دھوپ کا یہ حالی ہو کہ یہ جاوہ جا آب دیوار پر چڑھ جاتی ہے۔ تو بہ! آئیے بہن کوٹھے پر ملیں۔ وہاں ابھی دھوپ ہوگی؟"

سوسن نے نہیں۔ اس وقت نہیں۔ شام کی وقت کوٹھے پر نہیں چڑھتے ہیں۔ بری گھڑی کوئی لینے نہیں جاتا خدا جانتے کیا اتفاق پیش آئے کیا نہیں۔ اور آج پنجشنبہ کا دن بھی ہے؟

رضیہ نے پنجشنبہ ہی تو ہوا کرے۔ میرا کیا کرے گا۔ اس میں ہرج ہی کی کیا بات ہے؟ سوسن نے تم ان باتوں کو کیا جانو۔ ایسی ضرورت ہی کیا پڑی ہے۔ بال خود بخود خشک ہو جائیں گے۔

اسوقت سب لوگ باہر آتے جاتے ہونگے۔ اگر کسی کی نظر ٹپکی۔ تو پھر کتنی رہ گئی!“

رضیہ بہت اچھا اگر آپ کی یہی خوشی ہو تو میں بخاؤنگی۔ مگر آپ ایسا بھی کیا کر میرے دیکھنے کے لیے کوئی ادھر اُدھر کھڑا ہی ہوگا“

سوسن: ”نہی۔ لیکن ہوٹلیوں کو اس کا خیال تو رکھنا چاہیے ہونا۔ تم جانتی ہو جیسی بین ہون ساری دنیا ہوگی۔ اسی ہی ہن! زمانہ بہت بڑا ہی چھوٹا ہے۔ کچھ نہ کر رہا ہے۔ تم کو معلوم نہیں ابھی اُس دن تک ایک شخص نے دیکھ لیا تھا جب تم شانہ زادی صاحب کے پاس گئی تھیں۔“

رضیہ: ”جیت کے بچے ہیں“ (مجھ کو)“

سوسن: ”جی ہاں آپ کو۔ آپ کو“

رضیہ: ”ای یہ کس نے۔ کس نے؟ معلوم تو ہو“

سوسن: ”آب اس سے کیا! کوئی ہو مگر دیکھا ضرور۔ مجھے خود ہی شخص کہتا تھا جس نے تم کو دیکھا۔ آپ پردہ کی لڑ سے جھانکتی جاتی تھیں اور اُس کی نظر ٹپکی“

رضیہ: ”ہنسک“ ”جی ہاں ضرور بیشک دیکھا ہوگا۔ آپ مجھ کو بھی یقین آگیا۔ خدا کی قسم آپ مجھے غصہ کرتی ہیں۔ معاذ اللہ۔ شانہ زادی صاحب کے حضور میں جب میں گئی تھی اسکو ایک سال کے قریب تو یہ عرصہ گزر گیا ہوگا اور اسدن کا واقعہ کوئی آپ آج کسے بیٹھا۔ درست۔ اچھا بالآخر میں بھی اُسے مجھ کو دیکھ بھی لیا مگر وہ یہ کیا جانتے کہ میں کون کون ہیں۔ اور پھر آپ نے کیوں اسے سمجھا نہ ہوا ہے!“

سوسن: ”خدا کی قسم میں سچ کہتی ہوں۔ آپ کو بھی اس میں شک ہے اور وہ آپ کے ذرا ذرا حال سے واقف ہے۔“

رضیہ: ”میں یہ کتنی ہوں ہن کچ آپ کو ہو کیا گیا ہے۔ آخر اس قدر جھوٹ بولنے سے فائدہ!“

سوسن: ”(تعجب کے بچے میں) جھوٹ! جھوٹ ہی ہوگا۔ کوئی بیس مرتبہ تو میرے ہی سامنے آپ کا تذکرہ اچھا کر رہی ہوں جانتی ہوں اسوقت سے آج تک شاید ایک دن بھی ایسا نہ گزرا ہوگا کہ جو تمہارا دیکھنے کے لیے وہ شام کے وقت تمہارے مکان کے گرد ایک مرتبہ چکر لگا جاتا ہو۔“

رضیہ: ”(سوسن کے منہ کی طرف دیکھ کر) یہ کیوں؟۔ وجہ!“

سوسن: ”ہاں کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہی ہوگی (تھوڑے سکوت کے بعد بہت ہی زبان سے) میں تو جانتی ہوں اُسے تمہاری حیوت کی اُس دن کہیں جھکنا دیکھ لی۔“

رضیہ: ”(گہرا کر) اسی ہو بھی۔ ہن تمہاری بھی کیا باتیں ہیں۔ آپ ایسا بھی مارتی کیا! واہ مجھ کو ایسی ہنسی اچھی نہیں معلوم ہوتی“

سوسن نے نہیں بہن۔ میں سچ کہتی ہوں۔ تمھارے سر کی قسم میں مذاق نہیں کرتی ہوں اچھا غلط بھی سہی مگر اس بات کا لحاظ تو ہمیشہ رکھنا چاہیے کہ کوئی دیکھ نہ سکے۔

رضیہ اب چپ بھی غصے نے اسکے پیارے چہرے کو دھوپ میں تھماتے ہوئے پھولوں کے منظر پر شرح شروع کر دیا تھا طبیعت کے سچے ذاتی ابرو پر بل آگے تھے اور ان کا عکس چہن چہن میں ملا ہوا اس امر کو بتا رہا تھا کہ اس وقت کی باتوں نے اسکے دل کے ساتھ بہت ہی بڑا سلوک کیا اسکی یہ کیفیت دیکھتے ہی سوسن کو فوراً شک گذر کر شاید میری اس وقت کی باتیں اسکو بڑی معلوم ہوئیں اور وہ اس خیال کے آتے ہی اس طرح بولی کہ کیوں بہن تم چپ کیسی ہو کیا مجھے خطا ہو گئی؟

رضیہ (ہنس کر) نہیں نہیں۔ آپ بھی عجیب چیز ہیں۔ واہ۔ اسیں بھگی کی کونسی بات تھی سارا چہن چہن اسکو کھل کر دیکھتے ہیں ان کو گھبرا کر آئی ہو اور وہی ہونڈیہ کو بڑی نظر سے دیکھتے ہیں۔ خدا انکو غارت کرے۔ آخر وہ تھکوں ہوا؟ سوسن نے آپ کیا بتا دیا کہ کون تھا۔ وزارت پناہ کا ایک ملازم ہو سب اسکو جواد کہتے ہیں ہی کجی کا مارا اسدن بازار میں آ رہا تھا کہ تمہرے نظر پڑ گئی۔

رضیہ (بھنبھلا کر) ہاں ہاں ہاں۔ خدا کی عار اس مو سے پر قربان کروں۔ اینڈی چوٹی پر اسے جھلکے بیان تک پہنچا کر رضیہ نے بہت گھبراسٹ کے ساتھ اپنی زبان روک لی اور پھر دم بھر کے بعد خدا جانے کیا اسکے دلیں خیال آیا کہ یہ سوسن سے اس طرح کہنے لگی ہاں بہن آپ ہی کے سامنے کی تو یہ بات ہو آپ ہی تو لینے آئی تھیں اور آپا جانی بھی تو میرا پاس ہی بٹھی تھیں آپ کو یاد نہیں بھلا سارا میں پردہ اٹھا اٹھا کر بھاگتی جاتی ایسا ممکن تھا!۔ اور احمدی بہن اسکو جاتا بھی رکھتیں تو؟ سوسن نے ہاں ہاں ہاں اور کیا۔ ایسا کہیں ہو سکتا ہی۔ ہوا کے زور سے کہیں پردہ سرک گیا ہو گا اسکی نظر چرکی ہو گئی میں اور کیا؟

رضیہ (بھی خدا کے لیے آپ اس تذکرہ کو جانے بھی دو۔ ان باتوں سے میرا جی گھبراتا ہی اور باتیں کرو۔ ہو گا؟ سوسن اب ادھر ادھر کی باتیں کر رہی ہو اور رضیہ بھی گواہ کے ساتھ ہاں میں ہاں ملاتی جاتی ہی مگر اسکا خیال اور ہی طرف ہو اور یہ باتیں دل ہی دلیں ہو رہی ہیں ہاں بیشک اسدن اسے تین چار لاکھ تھیں دیکھ لیا تھا۔ ہاں خوب یاد آیا سواری کے ساتھ ساتھ آئیے خود مجھ کو بھی تو کچھ شک گذر رہا تھا یقیناً وہی ہو گا وہی۔ یہ اسی قسم کے خیالات میں جو تھی کہ سوسن نے اپنے جانے کا قصداً ظاہر کیا اور جب وہ رخصت ہو کر چلی گئی تو رضیہ پھر انہیں خیالات کے دریا میں غوطے کھانے لگی سمیں سے اس طرح کی لہر اٹھتی ہوئی اسکی آنکھوں کے سامنے آ رہی تھیں اور دل میں پہنچتے ہی پہنچتے وہی مدد خد کی کیفیت پیدا

کر دیتی تھیں جو ماہتابی اور آفتابی کرنوں کی کشش سے اکثر بڑے بڑے دریاؤں میں پیدا ہو جاتی ہی۔
 جواو کی محبت سے سوسن کو ایک مدت سے واقف تھی۔ جواو کے بار احسان نے بھی کئی بار اسکی گزروں چھکا
 دی تھی اور اسی کے ساتھ رضیہ کے کان تک اس خبر کے پہنچنے کے لئے اس نے کئی مرتبہ سوسن کو بیڑ
 جو بھی کیا تھا مگر قدرتی جو مضبوطی و طاقت اس کے اور رضیہ کے درمیان میں پیدا کر دیا تھا اس نے جب تک
 اسکو بھی اس امر کی اجازت نہیں دی کہ وہ رضیہ کے سامنے بھی بھولے سے بھی اس واقعہ کو اپنی زبان تک
 لائے اور آج اُس نے جس طریقے سے اسکو بیان کیا وہ بتا رہا تھا کہ سوسن بہت نیک نیتی کے ساتھ رضیہ
 کو اسکی ان حرکات متنبہ کرنا چاہتی ہی تھی کہ باقیین خود اسکو تو محسوس ہوتی نہ تھیں مگر وہ اپنی شوخی
 مزاح اور لٹھچنے کی وجہ سے بعض بعض اوقات کر جاتی تھی۔ لیکن پھر ہم کہیں گے بیشک سوسن سے
 اس موقع پر بڑی غلطی ہوئی اسکو یہ تذکرہ کسی طور پر رضیہ کے سامنے کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔
 محبت کا یہ عام دستور ہی اور ہزل کا یہ قدرتی خاصہ ہی کہ جب کوئی شخص کسی کے دل کا تعلق اپنی طرف
 دیکھتا ہو کسی کی زبان سے اس قسم کا کوئی تذکرہ بھی سن لیتا ہو تو خود بخود اُس کے دل کو بھی کچھ نہ
 کچھ رنگاؤ پیدا ہی ہو جاتا ہو۔ سوسن کی زبان سے جواو کا تذکرہ سننے ہی رضیہ کے دلیں کچھ عجیب قسم کی کیفیت
 پیدا ہو گئی تھی کہ گوارا کے سمجھنے کے لیے اسکی کل ماضی تو بہت بھل بھل کر متوجہ ہو گئی تھیں مگر وہ اس
 پہلے اس قسم کا واقعہ کبھی اسکو پیش نہیں آیا تھا اسلئے اسکی بات تک یہ حالت تھی کہ وہ ابھی طرح اس امر کو
 نہیں سمجھ سکتی تھی کہ یہ کیا ہو۔ ساعت بساعت اس کیفیت میں آیا دیتی ہوئی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ
 اسکی دلچسپی بھی ترستی کرتی جاتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں جواو کی محبت اپنا رنگ دکھا چلی اور یہ طرح ہے
 دل سے کہنے لگی خود اگلے یہ کیا بات ہو جسے سوسن نے یہ تذکرہ چھڑا ہی میرے دل کی عجیب حالت ہوئی جاتی ہو
 بیشک اس قسم کی بے اعتدالی ابھی نہیں۔ آئندہ مجھ کو اسکا بہت لحاظ رکھنا چاہیے۔ مگر وہ روبرو مجھ کو اس بات
 کا خیال آتا ہو کہ اگر اتفاق سے ایک مرتبہ اسکی نظر پڑے گی تھی تو غیر پڑے گی تھی مگر یہ کیا بات تھی کہ جب اسکو
 اسوقت دیکھتا تو یہ اپنی ہی طرف دیکھتے پایا ہاں جانیوں کو بھی تو اسی نے مجھ کو دیکھا تھا۔ پھر اُسے اسقدر
 مہلا نظر آکر یوں کیا کہ میں گئی اور شاہراہی صاحبہ مل کر لپٹ بھی آئی (کچھ غور کر کے) اگر اسکو اتفاقات
 پر معمول کریں تو پھر یہ کیا بات تھی کہ یہاں مکان تک وہ میری سواری کے ساتھ ہی ساتھ آیا یا میں اچھا
 اسکو بھی جانے دو اسکی کیا وجہ کہ اُسے سوسن سے یہ تذکرہ کیا اور وہ بھی ایک مرتبہ نہیں کئی بار او
 میرے سبب حالات بھی اُس نے معلوم کر لیے۔ آخر یہ بات کیا ہو؟ (خود ہی کچھ غور کر کے) کہیں اس
 موے کے دل میں کچھ اور خیال تو نہیں آیا۔ میری صورت پر کہیں فریقہ تو نہیں ہو گیا۔

اس جیلے پر ہونچکر اسکے ہونٹوں پر خود بخود قسم کی کیفیت پیدا ہو گئی اور اسکے ساتھ شرم سے اس نے اپنی گردن بھی جھکا لی۔ دم بھرتو ساکت ہی مگر پھر ٹیٹھے ٹیٹھے کچھ لے سکے ذہن میں آیا اور اس نے اپنے گنگو کے سلسلے کو اس طرح خم کیا کہ بان بان ہنر را یا سا ہی ہو گا ورنہ تیرے حالات کی جستجو اور سواری کے ساتھ ساتھ اسکے آنے کی ضرورت ہی کیا تھی اچھا آؤ چل کر دیکھوں ناچ ہی کہ جھوٹا سو من تو کہتی ہی ہو کہہ رو سنا تمام بیان آتا ہو اور یہ کہہ رو بان سے اٹھی اور کوٹھے پر چڑھ کر چاروں طرف دیکھنا شروع کیا۔

شام کے سامنے سامنے وقت نے اسکی آنکھوں کو لطف تماشائٹھانے کا موقع دینے کے لیے اپنے منظر کو بہت دلنہیب کر دیا تھا سپید سپید صوب میں کچھ کچھ سنہرا رنگ آہل تھا۔ آفتاب کی حدت ہوئی تیر ہی موسم سواکی شام ہوتے دیکھ کر بالکل کم ہو گئی تھی سبزہ جو کسی کے بخت خفتہ یا فتنہ نواید کی طرح اب تک چپ رہ گیا تھا سایہ کو اب چاروں طرف پھیلا دیکھ کر چونک اٹھا تھا اور جوش خفتہ پانا سر کو بے ہمت پر کھڑی تھی۔ اسوقت اسکا گلہ ہوا رنگ کچھ دیکھ کر آفتاب کے غبار آلود چہرے پر رشک غیرت سے اوجھ کر دکھڑ کر جم گئی تھی رنگ بالکل نہ رہ گیا تھا اور وہ عاشق مزاج جو اداس کے دروازے کے سامنے۔ گر کچھ فاصلے سے ایک جگہ کھڑا گھبراہٹ کے عالم میں ادھر ادھر دیکھ رہا ہو رہا رہا رہا کرنے کے لیے منہ کی وقت روز اسلاف جاتا تھا اس بندہ خدا کے چہرے پر اسوقت کچھ عجیب طرح کی وحشت برس رہی ہو ادھر اس قسمی کے پاؤں کی چاپ مٹی اور ادھر اسکے کان اس طرح کھڑے ہو گئے جس طرح خوف اور شرمی کے اوقات میں مسامات کے انقباض جسم کے زمین کھڑے ہو جاتے ہیں کیسکو آتے جاتے دیکھا اور آپ ٹپٹنے لگے ذرا میلان خالی پایا اور آپنے رضیتہ کے مکان کی طرف جھک جھک کر بھاگنا شروع کیا۔ آپکی نظر کبھی کوٹھے پر پہنچ جاتی تو کبھی باہر آکر مکان کے دروازے پر پڑتی ہو۔ مگر ہر جگہ یہی ناگہیبانی نظر آتی ہو جس سے اسکو سامنا اول در سے آٹو تک باہر پانی شومی قسمت کی شکایت اپنے دل سے کر رہا تھا۔ آہن دل کو ہلاتی ہوئی لب تک رہتی تھی۔ کبھی افسوس مل رہا تھا اور نا کامی کی مہیب صورتیں دیکھ دیکھ کر طبی نا امیدی کے ساتھ آنکھیں میچے جھکی ہوئی خاک میں ملنے کے لیے ٹھکانا ڈھونڈ رہی تھیں کہ رضیتہ کی نظر اس پر جا پڑی دیکھتی ہی پہلے تو دیکھی مگر پھر اس طرح اپنے لیے کہنے لگی۔ کیون ہو کہیں ہوئی تو نہیں ہو جسکو سو کہیں تھیں سیکنا نام بتایا تھا۔ بان خود جواد کہہ کر کہنا تھا کہ اسکی قوت جیالیر نے ایک ایسی صحت اپنے خزانہ سے نکال کر اسکے ذہن کے سامنے پیش کی جو بالکل جواد کی صورت سے ملتی ہوئی تھی اور جسکو اسکے جس شریک نے بہت دن پہلے اسکے خیال میں امانت رکھنے کے لیے دیا تھا جب شاہزادی عباسہ کے حسب الطلب جاتی تھی اور راستہ میں اس نے جواد کو دیکھا تھا۔ رضیتہ اسی اثنا کے لیے ابھی جواد کی طرف دیکھ رہی تھی کہ جواد کی آنکھ اٹھی اور بالا خانے پردہ پیاری پیاری

صورت اسکو نظر آئی جس کے دیکھنے کے لیے اسکی مشتاق نظر مدت تک چارو و ترنٹ بھٹکتی پھری۔ جو
 نے پہلے ہی نظر میں پہچان لیا اور پچانتے ہی بیخود ہو کر بگیا کلیجہ خوشی سے پھل پڑا۔ دل شوق میں
 بھر ہوا آنکھوں پر لک آگیا مگر تیلیوں کی ننگلی دیکھ دیکھ کر حوصلہ پست ہو گئے۔ ارمان و تمنائوں میں
 جھگڑا ہو گیا۔ کچھ بے خودگی سی طاری ہو گئی۔ آنکھیں شوق میں کھلی رہیں اور یہ دل تھام کر بگیا۔
 جواد کی کیفیت دیکھ کر رضیہ کو آب اپنے پہلے خیال کے باور کرنے میں کوئی شک نہ رہا تھا اور گو اسکی خوشی
 خراج اس خیال سے کہ اس نے آج تک کسی عاشق کی خراب حالت اپنی آنکھ سے نہیں دیکھی تھی وہ اب بھی
 کی ہوت کی کیفیت دیکھتی مگر پھر وہ جیابھی اسکو اس ارادے سے روک رہی تھی جو ایک بڑے نشین عورت
 کو ضرر پہوننا چاہیے۔ وہ بھی گردن جھکا کر دیوار کی آڑ میں ہو جاتی تھی اور کبھی سر اٹھا کر جھانک لیتی تھی مگر محبت
 کی نظر میں ضرر پر اثر نہ ہوتا جواد کی لچائی ہوئی نگاہ وساعت بساعت رضیہ کی آنکھوں کے ساتھ وہی
 مقناطیسی اثر دکھانے لگی جس پر سحر نرم کا عمل بالکل موقوف ہو آب رضیہ اپنے بدن کے پیرانے
 اور منہ کے چھپانے میں بھی اس گنجلٹ اور جلدی سے کام نہیں لیتی تھی جو پہلے تھی بلکہ ساعت بساعت
 اس زمانہ کو زیادہ قیام ہوتا جاتا تھا جہاں جواد کو رضیہ سے پیار سے چہرے پر اپنی مشتاق نظروں کے تیار
 کرنے کا زیادہ موقع ملے۔ اُن رضیہ پر اسوقت بلا کا جو بن تھا اسکا رخ مغرب کی طرف تھا اور آفتاب
 کی سنہری سنہری کرنیں شوق میں پھری ہوئی جواد کی لچائی ہوئی نگاہ کی طرح اسی کے چہرے پر ڈورے
 ڈال رہی تھیں جھکا نورانی پرتو بھلا بھلا کر آفتاب غریب کی طرف پڑا تھا اور ایک قسم کی کلبی کلبی روشنی
 اس طرف پھیلی ہوئی تھی۔ سر کے کھلے ہوئے بال بل کی لیتے ہوئے پشت کی جانب پڑے تھے جلی اتنا کہ
 تک پہونچ کر ختم ہو گئی تھی مگر ان کے سیاہ سیاہ رنگ کا عکس اسقدر تیز تھا کہ شوق کی طرف آب خود بخود
 ایک قسم کی تیار ہی پھلتی جاتی تھی جس کا قبضہ اسوجہ سے کہ اسکے پیلاسے بالوں کا کچھ حصہ دونوں کوٹھونج
 بھی تھا جنوبی اوٹھا لی قطبوں تک پہونچ رہا تھا۔ اسکے چہرے کی جگہ دیکھ دیکھ کر محبت کے داسے آفتاب
 کی یہ حالت بھی کہ بالکل نرود ہو گیا تھا کرین چھپتی تھی نگاہوں کی طرح نیچے نیچے پڑی تھیں اور اب جھانک
 مارے مغربی پہاڑوں سے سر نہر نہر کر رہا ارادہ کر رہا تھا کہ رضیہ کے سامنے سے جھاک کر کسی ایسی دھری
 دنیا میں جا کر نہا لوں جہاں پر ایسی ندامت نہ اٹھانی پڑے۔ اسکی کرینیں ساری جینا سے سمٹ سمٹ کر
 مغربی افق کی طرف جھاک رہی تھیں اور جواد سر سے سر کے اتار کر اب بالکل اسی دیوار کے نیچے پہونچ گیا
 تھا جسکی منڈیر سے رضیہ اپنی گردن نکالے ہوئے کھڑی تھی۔ جواد اسوقت وحشت کی محبت میں غما ہوا تھا
 ارمان و تمنائیں اپنی اپنی آرزو میں دکھانے کے لیے اسکے بنائش چہرے پر خوش خوش آرائی ہوئی پڑی تھیں

جنہیں سب زیادہ حسرت کا حصہ ملا ہوا تھا دل بیٹھا جاتا تھا کلیجہ پھیل جاتا تھا ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں
 لیجانی تھیں اور سینے پر ہاتھ رکھ کر حال دل بتایا جاتا تھا۔ اور رضیہ ہاتھ کے شالے سے اسکو منگ کر
 رہی تھی آپ کا آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھتا تھا اور شوق دل کے وہاں تک پہنچانے کے لیے اسنے
 تار ہائے نظر سیر بھی لگا رہے تھے کہ رضیہ یکبارگی بیڑج بھیجی اسکا چہرہ خوف سے دھچک کر کے بیڑج
 فوراً سپید ہو گیا اور جلدی سے جھک کر دیر بیٹھ گئی رضیہ کا یہ حال دیکھ کر خواجہ کی نگاہ بھی تھر تھرا کر کوٹھے
 سے نیچے گری اور یہ گھر اگر دھیر دھیر دیکھنے لگا چاروں طرف کوئی نہ تھا مگر مان بچھان کی طرف سے ایک شخص
 آ رہا تھا جو سوت فحش و غضب کی بالکل شکل محسوس بنا ہوا تھا۔ اسکا چہرہ غصہ سے تمنا ہوا تھا۔ اسٹھیر
 خون کی طرح سرخ تھیں اور یہ اس طرف کو جلد جلد بیڑج قدم بڑھانے چلا آتا تھا جڑج ہوا آفتاب کی گرمی
 پاکر تیر ہو جاتی ہے یہ بھی خواجہ سے دل بندہ قدم کے فاصلہ پر تھا کہ آپ ڈر کے مارے ایک ہی سانس
 میں جلدی جلدی گھر لٹ کے ساتھ سب باتیں کہہ گئے ”حضرت فیلیات۔ بندگی۔ مرنج شریف۔ آپ کو
 اس قدر جلد جلد کہاں جاتے ہیں۔ با غلطی ہوئی معاف کیجیے گا آپ کا تو یہی مکان ہی۔ کہاں قصد ہے؟“
 خواجہ اسوقت ایسا گھبرا ہوا تھا کہ بندہ خدا کہتا کیا تھا اور زبان سے نکلتا کیا تھا۔ حواس بالکل اڑے ہوئے
 تھے اور اسکی وحشت کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسوقت سخت انتشار میں ہی اس آئینو الے
 شخص نے قریب پونچھ گزرت پر غضب لیجے میں اس طرح جواب دیا ”جواب میں کہیں آتا ہوں کہیں جاؤں گا۔
 آپ کی بلا سے مرگ آپ یہ تو فرمائیے گا کہ آپ کیا قصد کرکے ہیں آپ فرمایاں تشریف کہاں لائے ہیں؟“
 خواجہ۔ (بت تیز ہو کر) ”آپ اسوقت باتیں کیا کرتے ہیں گویا لڑ رہے ہیں میرا بھی جہان دل چاہتا ہے
 آتا جا تا ہوں۔ آپ کون ہیں میرے فعل کے مختار؟“

وہی شخص نہ تو راہ چلے گئے ہوئے دیوار کے نیچے کھڑے ہوئے کہ کیا معنی! اور نہ اس طرف آنے طلب
 ہوا اور نہ ہر ایک مطلب ہی بہم تو ہزار مرتبہ آئیے۔ آپ کو قضا اپنے گھر کا اختیار ہی یا راہ میں بھی آپ کا دعویٰ ہے
 آئے ہیں بڑے قاضی بننے (اپنے دل میں) اور تو کچھ نہیں خدا عزت کرے اسکو میرا اس لطیف بحث نے آست
 خاک میں ملادیا۔ سو خدا خدا کر کے آج میں رضیہ بچا تھا تو یہ ملائے ناگمانی کی طرح آپہنچا!
 وہی شخص دیکھا کہ ایک بک لگائی ہے کچھ معلوم بھی ہی ان راستہ کہاں ہی۔ اور تم تو زمین پر گھر
 لگا کر چل دیتے ہو۔ آخر اسکی وجہ؟“

اس شخص کا نام ابراہیم ہی یہ سبیل کا بیٹا ہی اور یہی وہ شخص ہی جو رضیہ کا شوہر ہو اور کیا عجیب ہی
 کہ رضیہ اسکو آتے دیکھ کر اس طرح چھی ہو۔

جواد چونکہ سر شام یہاں آکر ٹھہرا تھا اسوجہ سے ابراہیم اس سے کس قدر صورت آشنا اور مشکوک ہو چکا تھا اور اسکے ساتھ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ وزارت پناہ کا ایک خاص ملازم ہوا و شاید یہی ایک ایسی خاص ہوگی کہ جو ابراہیم کے ساتھ اس قدر ملائت سے پیش آیا ورنہ اسکے بڑا و تیرہ کے بل تیار ہے تھے کہ یہ اسوقت جواد کے خون کا پیا سا ہو کر آیا ہو۔ ابراہیم کے اس سوال کرنے کے بعد جواد نے پھر وحشت کی لی اور گھر لوٹ کے ساتھ اسطرح کہانے جی کچھ نہیں سون ہی چلا آیا تھا۔ آپسے ملاقات ہی نہیں ہوتی۔ ہماری طرف بھی آپ تشریف نہیں لاتے۔“

ابراہیم ”بھیا!۔ آپ ان باتوں کو تو رہنے دیجئے اور یہ تو بتائیے کہ آخر آپ کے یہاں روزانہ کی دھکیا ہو۔“ جگہ آپ کچھ آوارہ آدمی معلوم ہوتے ہیں (تیرہ بدل کر) اور اسی باتیں کس کرتے تھے۔ ایں باتیں آپ جواد کی عجیب حالت تھی۔ بن کی طرح کانپا ہوا تھا طرح طرح کے اندیشے اسکے دلیں آتے تھے اور ہر ایک اندیشہ والی ساعت کو اسکا یہی اندیشہ آگے بڑھ کر لیتا تھا کہ دیکھیے آپ کیا ہو۔ اس کے ہوش و حواس اسکے چہرے کے رنگ کی طرح اسوقت اڑے ہوئے تھے اور آجکل کے ٹھنڈے موسم و ٹھنڈے وقت کی فضا اس گھر کی کسی طرح خورہ نہیں کر سکتی تھی جو اسکے قلب کی اٹھیں اور روح و خون کے جھجکا کر اندر بیٹھنے کی وجہ سے اسکے رنگ پر مین پیدا ہو گئی تھی اور چمک کی قدرتی نالیان (مسامات) بڑے زور شور کے ساتھ اٹھنا پڑنا لطیف حصوں کو اپنی حرارت سے بھاپ بنا بنا کر اڑا رہی تھیں۔ اور جو جلد کے پاس آتے ہی خارج ہوا کی برودت سے متاثر ہو کر مکمل قاعدے کے موافق پانی یا سینہ بن رہے تھے۔ اس کو آپ جتنی بوجھا تھا کہ ”ابراہیم“ نے جگہ اسوقت اپنی بی بی رضیہ سے باتیں کرتے ضرور کیجیے اور دیکھیے آپ میرے اور میری چچی کے سر پر کیا آفت آتی ہے۔“

یہ خیالات دل سے داغ نمک ابھی ہو چکے تھے نہیں پائے تھے کہ ابراہیم نے پھر کہہ کر کہا کہ آپ یہاں سے کچھ کہیے گا بھی یا یہ نہی چپ کھڑے رہیے گا؟ آپ کس سے باتیں کرتے تھے بتائیے۔“

جواد نے دیکھیے بتاتا ہوں۔ اُون اُون۔ اُون (جلدی سے) کسی سے نہیں۔“

جواد کا یہ جمل جواب مسکندہ لوگ بے اختیار ہنسنے پڑے جو اسوقت کا شور و غل عکس یہاں صبح ہو گئے تھے اصل واقعہ بھی بعض بعض کو اب معلوم ہو گیا تھا غیبت سے ابراہیم کی آنکھ کیسے سانسے نہیں ہو سکتی تھی اور آج اس معاملہ میں جواد سے زیادہ پوچھنا اور بھی اپنی رسوائی کا باعث سمجھ کر دم بخود تھے۔ رسولی کا خیال اور تھے کا جوش وہ دیکر اس کے تیرہ جمل دیتا تھا۔ بار بار اس کا ہاتھ تکرار کے قبضہ پر جاتا تھا اور وہی بار بار اس کے دلیں آتے تھے جو ایسے ننگے ناموس اور استعمال طبع کے موقعوں پر انسان کو بالکل

بے اختیار کر دیتے ہیں مگر اگر اسیم کوئی جاہل شخص تھا جو ہر علم نے اسکے آئینہ عقل پر عیاں دیدی تھی اسلئے
کے برگزیدہ قیودات کی پابندی نے اسکے نفس پر اسکو غالب کر دیا تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ اگر عباد کو
میں نے ہلاک کیا تو علاوہ اسکے کہ میں ایک خون کے مواخذے میں خدا کا گنہگار بنوں وزارت پناہ
اور بادشاہ وقت کی باز پرس اور مواخذہ کے سطح بچھکتا ہوں۔ اگر اپنی جان پر کھیل جاتا ہوں تو
فائدہ ہا۔ اور اگر کچھ فی صاحبہ کی پیر لیتا ہوں تو رسوائی اور بدنامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے

ان سب خیالات کے ذہن میں آنے اور احباب کے سمجھانے سے جو آدمی کو تو اسے چھوڑ دیا۔ یہ تو ہزار بار اپنی
جان سلامت لیکر زبان سے چلے ہوئے اور رضیہ بھاری پر کچھ گندگی گندگی۔ ابراہیم کا دل کسی طرف
بالکل ہٹ گیا۔ طبیعت کو نفرت ہو گئی اور اسے گھر میں جانے ہی اپنی بی بی کو صرحی الفاظ میں طلاق دیدی
گورضیہ سے اس موقع پر ضرور غلطی ہوئی۔ وہ بیشک خطا وار تھی لیکن شاید وہ اس عقیبت کی سنوار
نتیجی جو اسوقت اسکے ساتھ کی گئی۔ مگر یہ ہم بچہ کہیں گے کہ جب کوئی بی بی کی چال چل کی طرف سے شکوہ
ہو تو بجائے سفاکی اور وحشیانہ حرکات کے ہی ہنس دے کہ وہ اس نیکیت سے کنارہ ہی کرے۔

رہیت کے رنج اور افسوس کی آہ کوئی انتہا نہ تھی۔ آوارگی کا الزام بدنامی کا داغ بنکر اسکے دامن پر
لگا چلنے سے طعن و تشنیع شروع ہوئی اور وہ خود بھی اپنی اسوقت کی حرکت پر نفوس کرنے لگی لیکن
آب اس سے کہیہ ہو سکتا تھا۔ بے پردگی کا نتیجہ تھا وہ اسکے سامنے آیا۔ آٹھ ٹھہر آئوے لگی اور
بالآخر بڑی دلت و رسوائی کے ساتھ اسکو وہ گھر چھوڑنا پڑا جو پہلے اسکا تھا لیکن کسی حماقت سے آہ
اسکا گھر نہ تھا اور اٹھ بیٹھے اعر طعن کی وہ باتیں سننے کے لیے اسکو اپنے ماں باپ کے گھر جانا پڑا جو اس
قسم کی لادارشی بیٹیوں کو ماں باپ کے گھر بیٹھ کر بڑی دلت و خوار کی کے ساتھ سنبھال پڑتی ہیں۔

پندرھواں باب

افشائے راز

ہم بھی رسوا ہو گئے وہ جنت بھی رسوا ہو گیا
راز دل جتنا چھپایا اتنا افشا ہو گیا

جعفر اور عباسہ کا حال جاننے والے اپنے دل میں کہتے ہوئے کہ ہارون رشید کیسے بیدار مغز بادشاہ
تھا جسکے خود گھر ہی میں ایسے بڑے واقعات ہو گئے اور اسکو مطلق غم بھی نہیں ہوئی۔ لیکن کیا اچھا ہوتا
جو اسکا قوی سبب ہا عیاط اور انتہائی کوشش خیال کیا جاتا جو عباسہ نے اپنے اخلاصے راز میں کی اور

بارون رشید اس بدگمانی سے معاف رکھا جاتا۔ بیشک عباسہ نے اس پچھنے والے معاملے کے چھپانے میں جس ہیشامی سے کام لیا وہ اسی کا حصہ تھا۔ اسے آؤں تو اس معاملے کو ظاہر ہی نہیں ہونے دیا اور چونکہ خاص کمیز میں اس سے واقف ہو گئی تھیں ان سخت تالک کر دی تھی کہ جزا کی بھی اسکا تذکرہ کسی کے سامنے زبان تک نہ آئے۔ یہ کمیزیں چونکہ اس کے انعامات، اکرامات اور اس کے مزاج سے ہمیشہ خوش تھیں اسوجہ سے وہ خود اس واقعہ کا زبان پر لانا بھی معنی بھی اپنے دل سے بھی اس قسم کا تذکرہ نہیں کرتی تھیں مگر زمانے کو عزت و آبرو والوں سے ہمیشہ کی دشمنی ہو۔ آسمان آفتاب اور متاب کی ہر جگہ ہونے والی شعا میں ایسے ہوئے رات دن اسی فکر میں رہتا ہوں کہ کمیز کوئی پرے کی بات دیکھیں اور ساری دنیا میں شہو کر دیں۔ لوگوں کی آنکھ اسی پر لگی ہوتی ہو کہ کسی میں کچھ عیب نظر آئے اور تکتے جینی کی ٹھہرے اور غیبت کرنے والے اپنے منہ میں زبان اسی بے رکھے ہوں کہ دھوکا نون سے کوئی جھڑپیں یا آنکھوں سے کوئی بات دیکھیں اور ساری دنیا میں دھندلے ہو رہے ہیں۔ عباسہ سے اتفاق یہ طور پر چونکہ ایک مرتبہ ہو گیا کہ اسکو کوئی نصف مزاج عیب بد تماظف سے تعبیر نہیں کر سکتا لیکن انصاف کی بات یہ ہو کہ عباسہ کی شرم و حیا نے انجک اسکو عیب ہی کی طرح چھپایا مگر پچھنے والی بائیں کمیز چھپتی ہیں!۔ نہیں چھپتیں۔ نہیں چھپتیں۔ اتفاق سے ایک مرتبہ کمیز کسی خاص وجہ سے اس کے خلاف ہو گئی اور اس نے موقع پا کر عباسہ کے وہ سب حالات زبیدہ سے بیان کر دیئے جنکے چھپانے میں عباسہ نے اتنا بڑی کامیابی کے ساتھ کوشش کی تھی۔ ان سب باتوں کو زبیدہ نے بہت نچوڑ کے کانوں سے سنا لیکن وہ اسوقت تک ان سب باتوں کو اپنے دل میں چھپائے رہی جب تک چلی ابن خالد کی بعض بعض سختیوں نے اسکو تنگ نہیں کر دیا۔

اصل بات یہ تھی کہ جعفر کا باپ چلی کو وزارت کے عہدے سے مستوفی ہو گیا تھا لیکن بارون رشید نے اسے اعتبار اور اطمینان کے لیے شاہی قصر کی نظارت عرصے سے اس کے سپرد کر دی تھی اور بغیر اسکی اجازت کے کوئی متفلس شاہی قصر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا اس پر یہ طرہ تھا کہ چلی جب اپنے مکان کو آگیا اور کمیز جاتا تو قصر کے سب دروازے مقفل کر دیتا تھا اور اسکی گنجیا اس کے پاس رہتی تھیں۔ گویا اس قصر میں جسد خاتون تھیں انہیں ایک بھی ایسی شے تھی کہ جسکے پالہ امنی پر حمت اور پارسائی کو ناز نہ ہو اور نہ انکا اس کوئی ہرج تھا لیکن پھر بھی بمقتضائے بشریت اسقدر احتیاط اپنہ شائق گذر نہ لگی اور بالآخر زبیدہ نے مجبور ہو کر بارون رشید سے اس باب میں چلی کی شکایت بھی کی مگر بارون چونکہ چلی کے کاموں میں دخل دینا بالکل بے موقع سمجھتا تھا اسوجہ سے اس شکایت کا بھی کوئی اچھا نتیجہ نہ پیدا ہوا اور مفت مفت میں زبیدہ کو ایک قسم کی سخت اٹھانی پڑی لیکن یہ بات زبیدہ کے دل سے نکلنے

والی نہ تھی۔ اسکا خیال کانٹے کی طرح اسکے نازک دلیں اکر کھٹکا گیا۔

ایک روز اسی خیال نے عشاق کی تنائوں کی طرح اسقدر ترقی کی کہ آفتاب بہت بلند ہو گیا اور مٹی چاروں طرف پھیلنے والی شمعیں ہر چیز کے سایہ کو دور دور بھٹکا آئین اور پہلے کاٹنا نہ کھشت سے استک برآمد نہیں ہوئی۔ پرستارین خلافت معمول آج یہ حالت دیکھ کر ریشیان تھیں اور زبیدہ خاتون شال سے مٹھ چھاپنے پلنگ پر پڑی تھیں اپنے دل سے یہ باتیں کر رہی تھیں وہ جین بھٹی کی اس روز شکایت کی اور خلیفہ نے میرے کئے کا مطلق خیال نہیں کیا۔ آخر یہ بات کیا ہو۔ کیا جھگڑی ہی بنایا ہو کہ جیت بھی جائے تو دروازے بند۔ یا خدا تھا ستم میری پارستانی میں شک ہو۔ اور خیر اگر مٹی طرف سے بھی یہ بات ہوتی تو چندان مضائقہ نہ تھا۔ یہ بھی کون ہوتا ہی عوا سطح کی سختی کرنا ہو۔

زبیدہ خاتون اپنے دل سے اسی قسم کی باتیں کر رہی تھی کہ اتفاق سے ہارون رشید آیا اپنی بی بی بی زبیدہ کو غلط معمول اسوقت پلنگ پر پڑے ہوئے دیکھ کر گھبراہٹ کے عالم میں خواہوں سے پوچھا یہ کیوں۔ یہ کیا ہو! آج تمھاری حضور انجک آرام ہی میں ہیں خیرت ہی مزاج اچھا ہو؟ اور زبیدہ کے چہرے سے شال اٹھا کر دیکھنے لگا۔

زبیدہ آنکھیں بند کیے چپ پڑی تھی اسکے بھولے پیالے چہرے پر رنج اور افسوس کا کچھ بکا ہلکا رنگ پایا جاتا تھا اور وہ اپنے خیالات میں اسوقت کچھ ایسی محو تھی کہ نہ تو اسکے کانوں نے بادشاہ کے آنے کی آہستہ سنی اور نہ ہی باتیں اسکی قوت سماعت تک پہنچی ہیں جو ابھی ہارون رشید نے مضطربانہ لہجے میں اُسکی پرستاروں کی تھیں اس نے چہرے سے آنچل کے اٹھتے ہی جھجک کر اپنی آنکھیں کھل دیں اور ہارون رشید اسکی پاس بیٹھ کر اس طرح محبت کے لہجے میں لگا "کیوں! آپ کا مزاج اچھا ہو۔ آج یہ خلافت عادت اب تک آرام کیسا؟"

زبیدہ "ہست آواز میں" ہاں آپ کے اقبال سے اچھوتن۔ کچھ جی نہیں چاہا پڑی رہی؟ ہارون رشید "آخر کیوں! کوئی سبب۔ خدا کے لئے جلدی کیئے۔ مجھ اٹھن ہوتی ہو؟"

زبیدہ "کچھ مسکرا کر" ای ہی تو بہ۔ اٹھن کی کیا بات ہو۔ عرض تو کرتی ہوں کہ میں بالکل اچھی ہوں۔ جیکو کوئی شکایت نہیں۔ ہاں حضور سے ایک بات دریافت کرنی تھی اگر اجازت ہو تو عرض فرماؤں؟ ہارون رشید "یا اللہ تو کچھ کیئے گا بھی۔ میرا تو کچھ مٹھ کو آیا جاتا ہو لہذا جلد فرمائیے؟"

زبیدہ "مر جھکا کر" جیکو عرض کرنا تھا کہ جی کو کیا حضور نے حکم دیا ہے کہ جب وہ یہاں سے جائیں تو قصر کے سب دروازے بند کر جائیں؟"

بارون رشیدؒ نے نہیں۔ میں نے یہ حکم نہیں دیا۔

زبیرہؒ نے نہیں۔ اگر حضور ہی کا یہ حکم ہو تو ہم سب اس کے بجالانے کے لیے بہت خوشی سے حاضر ہیں اور اگر ایسا نہیں ہو تو پھر میں نہیں جانتی کہ اس قسم کی احتیاط کا اسکو کیا حق حاصل ہو۔ میں نے شاید ایک مرتبہ اس سے پہلے بھی یہی شکایت کی تھی لیکن میری کلم نصیبی اس پر لحاظ نہیں فرمایا گیا۔
بارون رشیدؒ معاذ اللہ۔ میں تو گھر گیا تھا۔ بس اسی بات کا آپ کو اس قدر مبالغہ تھا! میں آج بھی بچی کو سمجھا دوں گا۔ لیکن اس بات کو میں حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ تمھاری نسبت تو کیا بیان کسی عورت کے متعلق بھی مجھے کبھی اُسے کوئی ایسی بات نہیں کہی کہ جس سے بچہ کو ہمان کی کسی عورت کی حقیقت کی نسبت کچھ بھی شک گذرنا۔ وہ ایک بہت تجربہ کار اور عاقبت اندیش شخص ہے۔ اس باب میں اُسے جو کچھ کیا وہ فقط احتیاط کے خیال سے۔ آپ اسکا خیال بھی نفرا میں۔ احتیاط بہت اچھی چیز ہے۔
زبیرہؒ نے بجا۔ کیا اچھی احتیاط ہے۔ خود اُسے فرزند ارجمند جعفرؒ کو کچھ قسم کر رہے ہیں اُس کی احتیاط اور حفاظت نہیں کی جاتی!۔

بارون رشیدؒ (حیرت کے لمحے میں) جعفر! جعفر کیا کرتا ہو؟

زبیرہؒ نے آپ کیا عرض کروں۔ کچھ نہیں۔ اور باتیں کیجئے۔

بارون رشیدؒ نے نہیں۔ نہیں۔ تمہیں غلامی قسم۔ کچھ بتاؤ تو سہی آخر بات کیا ہو؟

پہلے تو زبیرہؒ نے بیان کرنے میں کچھ تامل کیا مگر پھر جعفر اور عباس کے عشق اور محبت کا حال۔ باغ کی مالٹا آپس کی آمد رفت ان سب باتوں کو تفصیلی طور پر بیان کرنا شروع کیا۔ زبیرہؒ کہہ رہی تھی اور بارون رشیدؒ دانت کے نیچے لنگی ہائے چپ سکوت میں بیٹھا زبیرہؒ کے چہرے کی طرف بہت حیرت کی نظر سے دیکھ رہا تھا گویا اس کے چہرے کا نقشہ۔ اُسکی نگاہ۔ اور اُس کے نیور ان باتوں کو بالکل بے اصل سمجھ کر اپنی زبانِ حال سے اس وقت بتا رہے تھے کہ بارون رشیدؒ زبیرہؒ کے چہرے اور ہونٹوں کی حرکت پر غور کی نظر سے اسلئے دیکھ رہا ہو کہ کہیں پر اسکو وہ نشانیاں مل جائیں جو عموماً غلط واقعہ کے بیان کرنے کے اوقات میں کہنے والے کے منہ پر اُسکی ذہنی کیفیت کے اثر سے بے اختیار پیدا ہو جاتے ہیں لیکن اُسکی نظر دیکھتے دیکھتے تنگ گئی اور شروع تھرتھارنے لگی تاکہ زبیرہؒ کے چہرے پر اُنھی جھلکیاں اس سے ظہور نہ پدید آتی تھیں۔ جب زبیرہؒ نے اپنی اس جرت انگیز تقریر کو ختم کیا جو بارون کے ذہنی یقین کے بالکل خلاف تھی تو اس نے بہت لعج کے لمحے میں زبیرہؒ سے آہستہ ملا کر کہا: "سچ! گو یا وہ پھر زبیرہؒ کی نظر کا امتحان کرتا تھا کہ وہ اس کے

بیان کے سحران ہی یانین لیکن اسکے حروم و بدہ نے اپنی شعاعی زبان سے جو کچھ اس وقت جواب
 دیا وہ وہی تھا جسکو اُسکی زبان اس وقت بھی کہہ رہی تھی اور کیا جھوٹا ہی؟
 ہارون رشیدؒ کیونکہ معلوم ہوا گو میں تمہارے کئے کو غلط نہیں سمجھ سکتا ہوں مگر اسکی کوئی دلیل؟
 زبیدہؒ (خزیرہ لہجہ میں) دلیل! بچے کے پیدا ہونے سے بھی کوئی اور بڑھکر دلیل ہو سکتی ہے؟
 ہارون رشیدؒ (بہت حیرت کے لہجہ میں) آئیں! کیا لڑکا بھی ہوا؟
 زبیدہؒ (جی ہاں۔ جی ہاں۔ لڑکا ہوا)
 ہارون رشیدؒ یہ کب؟
 زبیدہؒ جب آپ قسطنطنیہ تشریف لے گئے تھے۔ اُسی کے بعد ہوا؟
 ہارون رشیدؒ یہ کیسے۔ اور وہ ہی کہاں؟
 زبیدہؒ میں تھا۔ مگر جب آپ کی تشریف آوری کی خبر مشہور ہوئی تو خوف کے مارے
 کہ معظیہ بھیج دیا گیا؟

ہارون رشیدؒ (طیش کے لہجہ میں) ہوں۔ اس حال سے کوئی اور بچہ اُتھ ہی؟
 زبیدہؒ کوئی! بعض رعایا انکی کینزوں میں سے شاید کوئی بھی ایسی نہ ہوگی جو اس حال سے
 واقف نہ ہو لیکن آپ کوئی کہے یا نہ کہے یہ بہت نہیں عرض کر سکتی؟
 ہارون رشیدؒ اللہ کبریا کچھ ہو گیا اور کچھ خیرین! غضب ہو گیا (اپنے دل میں) بہت بے پروا
 عمارت کو کتہہ سمجھا دیا تھا مگر میرے کئے کا مطلق خیال نہ کیا۔ بڑی بد عہدی کی۔ بڑی ناؤمانی کی
 اور ہائے لڑکا بھی پیدا ہو گیا جسکا جھوٹا اور جس خوف خدا اور جس غرض سے بیجا یہ سب جلالت کی تھی۔ بیشک
 عورتوں کے لیے پردہ ضروری ہے۔ بہت ضروری۔ اگر میں انکی بے پردگی جائز نہ رکھتا تو شاید کبھی ایسا نہ
 ہوتا۔ بیشک مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی۔ افسوس! لیکن مجھ کو ان دنوں سے ایسی امید ہرگز نہ
 تھی غضب ہی کیا۔ ہاں۔ اب معلوم ہوا یہ باغ میں دعوت کرنے سے یہ مطلب تھا۔ اچھا۔
 اسکی سزا انشاء اللہ میں عنقریب بہت اچھی طرح دوں گا۔ بہت اچھا اچھا چاہئے گا۔

اب ہارون رشیدؒ کا غصے سے عجیب حال تھا۔ آگ کا ایک شعلہ تھا۔ بونوں۔ بان میں بھڑک اٹھا تھا
 یا طیش کی کوئی بجلی تھی جو خود بخود چاک کر اسکے رگڑے میں۔ مہارت کر گئی تھی۔ خون میں ہیراں طہیت میں
 جوش اور دل میں اتنا سام لینے کا ناتہ پیدا ہو گیا تھا۔ انھیں لال لال ہو گئی تھیں۔ چہرہ سوخ ہو گیا تھا۔
 اور انکے خستہ و خجلت اور اخلاص کا مادہ دھواں بن کر اسکی خوراک بن گیا۔ اسکی طبیعت کی طرح مکدر

کر رہا تھا جعفر اور عباس کو ہمیشہ سے اس کے صاف دل میں دل سے بھی زیادہ عزیز بنائے ہوئے تھے۔ دیر تک بیچ و تاب کھاتا رہا۔ غصے سے عرصے تک ہونٹھ چائے گئے اور پھر زبیدہ سے یہ کہہ کر باہر چلا گیا۔ دیکھئے اب اس کا تذکرہ اور کسی کے سامنے نہ آئے پاسے۔

ہارون رشید کے طیش و غضب کی اس وقت حالت دیکھنے سے ایسا خیال کیا جاتا تھا کہ جعفر اور عباس اس وقت غضبِ سلطان سے کیسے طرح نہیں بچ سکتے۔ مگر نہیں ہارون رشید نے اس موقع پر کسی حملے کا کام لیا جو ایک ایسے جلیل القدر و فخر و مختار بادشاہ کے لیے زیادہ ہی جسکے غلط ایک اشارے سے خلق خدا کی زندگی اور موت کا بظاہر فیصلہ ہو سکتا ہو۔ ہارون رشید نے رفران کیا کبھی کسی پہلو ان دونوں پر اس امر کو ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اسکو ان کے حالات کی خبر ہو گئی ہو۔ وہ جس رعایت اور محبت کے ساتھ ان سے ملتا تھا اسی طرح ہمیشہ ملتا رہا۔ اور کبھی کوئی ایسی بات زبان سے نہیں نکلتی جس سے انکو کچھ بھی اندیشہ ہوتا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ ہارون رشید کے دل سے بڑبڑ و بجا نہ نکول گیا ہو۔ نہیں وہ ایک کانٹا تھا جو اس کے دل میں ہر طرح کھٹک رہا تھا وہ ایک بچپن کے رونا لاد اور تھا جو ساعت بساعت ترقی کر رہا تھا۔ جعفر اور عباس کی محبت کے وہ گہرے نقش جو اسکی لوح دل پر تھے زمانے کے ہاتھوں حرف غلط کی طرح مٹ رہے تھے اور ابھی جگہ اب خطِ عیار میں دشمنی کے وہ نقش کھینچ رہے تھے جو یوں بظاہر دیکھنے میں تو بہت جلی قلم سے لکھے ہوئے معلوم ہوتے تھے مگر انکا پڑھنا نوشتہ تقدیر کی طرح مشکل تھا۔ اسی مابین میں اتفاق سے چند اور ایسے امور بھی جعفر سرزد ہوئے جو بادشاہ کے بالکل خلاف خاطر تھے۔ مگر ہارون رشید نے اس پر بھی جعفر سے کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا اور نہ کبھی بھولے سے کسی امر کو زبان پر لایا لیکن ہاں اب درپردہ قلبی حسد و مت روز بروز ترقی کرتی جاتی ہو اور جھٹ اور عباس ان باتوں سے بالکل بے خبر ہیں۔

سولھواں باب

محمد بن ابی بکر نے جعفر بن محمد بن عبد اللہ بن حسین کو بادشاہ کے خلاف مرنے قید سے رہا کر دیا تھا۔ دوسرے یہ خداداد محمد کو جس سے بادشاہ کو نہایت محبت تھی بادشاہ کے حضور سے ایک مدت تک نائب رکھا اور اس کے مرنے کی بھی خبر نہ سہر کر دی لیکن جب اتفاق سے کہیں شکار میں ذرا دیر کو ہارون نے خود واپسی آنکھوں سے دیکھا تو جعفر کی اس حرکت سے اسکو سخت صدمہ پہونچا۔ تیسرے یہ کہ ہر ایک کے مسلمان ہونے میں ابدال و بیعت کا لین الیٹ نے جو اس زمانہ کا ایک مشہور عالم اور واعظ تھا بادشاہ کو ٹٹوک کر دیا تھا۔ ۱۲۔

کچھ امید ہو چلی تھی کہ شاید اس اندیشے سے بھی رہائی مل جائے کہ پھر کل وہ بھائی جان کے پہلو سے کوچ کو چلے
 دیکھئے اب وہاں سے کب آتا ہو تاہی۔ اور بھائی جان نے بھی ابلی مرتبہ حج کا قصد اس طرح کیا کہ رگڑا کچھ
 میں نہیں آتا۔ پرسوں ارادہ ظاہر کیا آج تیاری ہو گئی۔ اور نیچے کل صبح کو کوچ۔ سبحان اللہ۔ روم سے
 واپس آنے کے بعد فقط ایک ہی تفصیلی ملاقات ہوئی۔ اور پھر موقع ہی نہیں ملا لیکن رٹکے کے ہونے سے
 انکو بھی سخت اندیشہ ہو گیا اور انکا انتشار بھی بجا نہ تھا۔ لیکن شاید اب تو راز فاش ہو۔ بہت دن گذر
 گئے۔ اپنے خیالات کے سلسلے کو یہاں تک پہنچا کر اس نے ایک مرتبہ اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور سوچے جو کیفیت
 سایہ کی طرح اس سے جدا ہوئی تھی متوجہ ہو کر اس طرح کہنے لگی جیون سوسن اب تو امید ہوتی ہو کہ شاید میرا
 اور انکا (جھگڑا) وہ راز فاش نہ ہو چکا ہے نہ بہت مشکل تھا حقیقت میں خدا نے بڑا فضل و کرم کیا اس کا
 لاکھ لاکھ شکر ہی آبرو رہی۔ ورنہ امید نہ تھی۔ کیوں؟

سوسن (بہت پست آواز میں) جی وان اور کیا؟

عباس (بیشک خدا کی عنایت ہی عنایت تھی ورنہ ایسی باتیں چھپانے سے کہیں چھپتی ہیں) اہل نظر اللہ۔ تمکو
 یا نہیں جب پہلے پہل تھے انکو اس امر کی مبارک باد دی تھی تو سوقت ان کے چہرے کا کیسا رنگ بڑھ گیا
 تھا اور وہ کیا کیا کچھ کہتے تھے؟

سوسن (جی وان) اور پھر خاموش۔

عباس (سوسن کی طرف دیکھ کر) کیوں خیر ہی۔ آج تم چپ چاپ کیسی ہو۔ مزاج تو اچھا ہی؟
 سوسن (ہاتھ جوڑ کر) اللہ جنور کو سلامت رکھے۔ آپ کے اقبال سے لونڈی کو کسی قسم کی شکست
 نہیں ہو باقی اچھی ہوں؟

عباس (نہیں بھلا چہرہ کچھ اوداس۔ اوداس ضرور ہی۔ کہو تو بات کیا ہے؟)

سوسن (تھوڑے سکوت کے بعد) حضور بات کیا ہے۔ رضیہ پر تو اُد کے زہنیہ کے کا تذکرہ تو حضور کے سامنے
 بار آور چکا ہے۔ آج میں جتنی ہوں کہ اس کے خاوند نے اسکو چارے باتیں کہنے کی کوشش کی اور شاید قرطاطی بھی دیا
 عباس (ہا۔ بہت ہی بڑا ہوا۔ رضیہ بیچاری کی نو جوانی ہی تھا کہ میں مل گئی۔ آپ یہ حال نہ کر سکیں
 اسکو کون قبول کرے گا۔ مگر جو اونے یہ بڑی طاقت کی کہ شوہر در اعزرت سے متعلق ہو گیا۔ تو بہ۔ تو بہ۔
 اور خیر خواہ تو جو اُد میں رضیہ کو کتنی ہوں کہ یہ اسکے دل میں کیا سوائے کہ اس نے خیر خواہ سے آنکھ ملانے کے باقی
 مسعود اللہ شاید اس کے دل کو بھی کچھ تعلق ہو گا مگر جو ت سے تو وہ ایسا نہیں معلوم ہوتی تھی؟
 سوسن (نہیں بیوی وہ بہت نیک لڑکی ہے۔ وہ یہ باتیں کیا جانے۔ بس ایک مرتبہ کے سوا تو جو

کو پھر اسکی صورت دیکھنے میں آئی۔ اُسی دن جب وہ پہلے پہل حضور میں حاضر ہوئی تھی اور اس امر کی تو
مجھ سے چاہے جیسی قسم لیے لیجئے کہ رضیہ کل شام تک توجہ داد کے نام سے بھی واقف نہ تھی۔ تعلق کا ہونا تو
دوسری بات ہے اور اس کے بعد اس نے اپنے کل کے جانے کا حال اور وہ سب باتیں تفصیلی طور پر بیان کر
جو اس کے اور رضیہ کے درمیان میں کل ہوئی تھیں۔ ان باتوں کا سلسلہ بھی ختم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ
ایک خواص نے آکر سوسن کو اشارے سے علیحدہ کر دیا اور کان میں کچھ باتیں کرنے لگی۔ عباس کو سوسن کے
بیوقوف اٹھنے اور سطح آہستہ آہستہ باتیں کرنے سے کچھ شک گذرا اور پھر اس سطح پر کہا: ”کیا ہر“

سوسن بھی حضور کچھ نہیں۔ حاضر ہوتی ہوں (قریب آکر آہستہ سے) توجہ داد آیا ہو“

عباس نے (خوشی کے جھجے میں) توجہ داد چاؤ چاؤ دیکھ تو کہیں آیا ہے“

سوسن توجہ داد کے پاس گئی اور عباس سے کہی تو یہ کہتی ہے کہ ”کل جانے کو میں کوئی بات کہنا بھیجی گی
یا توجہ داد یا علی الاطلاق توجہ داد سے کہنے آیا ہو اور تو کوئی بات دہن میں نہیں آتی ہاں شاید بھائی جان کا
کسی مصلحت سے بہت بآب ہین مناسب سمجھا ہو اور اس خوشخبری کے دینے کے لیے توجہ داد یہاں آیا ہو“

ان مختلف خیالات کی الجھن اس کے دل کو پریشان کر رہی تھی اور اٹھکین بہت بڑے انتظار کو اپنے
ہمراہ لیے سوسن کے آنے کی راہ دیکھ رہی تھیں کہ سامنے سے سوسن جلدی جلدی قدم بڑھاتی ہوئی
آئی اور اگر ایک رقعہ پیش کیا۔ یہ جھک کر رقعہ لے کر دھڑکا اور منہ جانے اس میں کیا کیا لکھا ہوا تھا کہ اس کے
دیکھتے ہی دیکھتے عباس کے چہرے پر خوشی اور انتشار دونوں کو مختلف نشانیان نمودار ہو گئیں۔ پہلے
کچھ مسکرائی اور پھر سر تمام کر اس طرح کہ کسی جسطرح کوئی کسی کا راہم میں غور کرتا ہو۔

سوسن نے (اسکی حالت دیکھ کر کہیں بیوی کیا ہے۔ کچھ آپ منتہی ہو گئیں“

عباس نے ہاں پر ہمت ہی۔ وہ یہاں ملنے کے لیے پائین باغ میں آئے ہیں اور توجہ داد بلاتے ہیں۔
مگر میرے دہن میں نہیں آتا کہ اس وقت وہ کہاں آئے۔ اُنکی تو کبھی یہ عادت ہی نہ تھی۔ کئی بار
میں نے خود ان سے کہا جب تو انھوں نے یہاں آنا جائز ہی نہیں رکھا“

سوسن نے (بیوی تو ہے۔ آپ کا بھی کیسا دل ہے۔ معاذ اللہ ذری سے) بات میں گھبرائی
جاتی ہیں۔ ذری سے بات میں۔ حضور دل ہی تو ہے آپ سے ملنے کے لیے چلے آئے ہیں ایسے
انتشار کی بات ہی کیا ہے“

عباس نے ہاں خدا کرے ایسا ہی ہو مگر میں کیا کروں سوسن۔ میرے تو اس وقت ہوش اڑ گئے
ہیں۔ اس وقت درامیہ بدل پر ہاتھ رکھ کر دیکھنا (خود ہی اپنا ہاتھ رکھ کر) افوہ معاذ اللہ۔ تو پھر

چلتا چاہیے۔ ہاں تمہارا انتشار بھی رفع ہوا۔ جو آد سے پوچھا تھا؟۔ آج اس پر کیا گذری! سو سن مجھے جی ہاں خود ہی کہتا تھا کہ مدت کے بعد آج رضیہ کی صوٹ دیکھتی تھی تب ہی میں پورا دیوار کے نیچے کھڑا تھا اور وہ کوٹھے پر سے ہاتھ کے اشارے سے منع کر رہی تھیں کہ اُن کے خاوند آفت ناکمانی کی طرح آگئے اور آتے ہی مجھے اوجھڑے۔ خدا خدا کر کے بڑی شکل سے جان بچوٹی! عباسہ بیس اور کچھ نہیں کہتا تھا! طلاق کا بھی حال تھے پوچھا تھا؟

سو سن مجھے حضور اصل بات یہ ہو کہ جبر وقت سے میں نے یہ خبر سنی ہو میرا دل نہیں چاہتا کہ جو آد سے بات بھی کروں۔ نہ میں نے پوچھا نہ اسے بیان کیا۔ اور اسکو اسکا حال ہی کیا معلوم! عباسہ بیس ہاں بات تو اسے بیشک بہت بڑی کی مگر ہائے سو سن تم تین جانتی ہو جب انسان کا دل کسی پر آجاتا ہو تو پھر کیا وہ اپنے ہوش و حواس یا اختیار میں رہتا ہو؟۔ تو بھر کچھ نہیں سوچتا۔ میں تو اپنا سب کچھ کا حال جانتی ہوں اور ہاں تم کہتی ہو کہ طلاق ہو گئی اگر خدا چاہے یہ بات سچ ہو تو پھر ان دونوں کا نکاح ہی نہ کر دیا جائے آخر جو آد کا بھی ہم کوئی حق ہو کہ نہیں سو سن ہاں حضور۔ کام تو اس سے بہت نکلا۔ ایمان کی تو یہ ہو کہ اگر جو آد تو تو وزارت پنا کے پاس اس طرح بہولت میرا آنا جانا بہت مشکل تھا۔ اس نے اس کام میں بہت مدد دی ہو! عباسہ بیس اچھا تو تم ایک دن رضیہ کو میرے پاس لے آنا۔ مگر کچھ جو آد کو طلاق کی مطلق خبر نہ ہو یہ کہہ کر عباسہ اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر ہنس کر کہا جو آد سے یہ تو کہہ دو کہ وہ چلے! اور پھر ایوان خاص سے نکل کر چلنے کا انتظام کرنے لگی۔

عباسہ اس وقت جس باغ میں جانے کا قصد رکھتی ہو وہ شاہی باغ ہو۔ اس کا صدر دروازہ شہر کی جانب ہو اور اسی طرف سے ہر گز بھی اس وقت باغ میں پہنچنے کا موقع ملا ہو۔ یہ شاہی عمارت کے بائیں مغربی سمت کو واقع ہو۔ اس باغ کی صاف اور شگفتہ میوہ ہوا جس میں سے کاربن کا زہر بلانا مژدہ درختوں کی کہر بانی قوت نے جذب کر لیا ہو جس میں طرح طرح کے پھولوں کی لادیں خوشبو کن ایسی طرح ملی ہوئی ہیں جس طرح پیر لون میں رنگ۔ اور جس میں قوت اسبہ کی رطوبت کا اجڑا ملے ہوئے ہیں جسکو درختوں کی چڑیاں نہ ہیں کی جہین گھس کر لے کر خدا کو شمشیر سے اوپر کھینچ لائی ہیں۔ شاہی مکانات کی نیسہ زینت۔ یہ تہ کیے عمارت پریشاں ہیں بہت سے ایسے ایسے ایک قسم کا رنگ بکشت۔ مادہ بھی خطا کرتی رہتی ہو گو یہ گل شاہی مکانات کے موقع کے اعتبار سے پائیں باغ بن گئے ہو اور اگر ان مقامات شاہی خاندان کی چوتھیں اپنے اپنے بالا خانوں میں ٹھیک کچھ درختوں کی

راہ سے اس باغ کی ترقی و ترقی اور بار سے اپنی آنکھوں کو لطف سیراٹھانے کا موقع دیتی ہیں مگر باغیانا قدرت نے چونکہ سب سے زیادہ اس قسم کا خلق زبیدہ اور عباس کی پاک اور نفیس طبیعتوں میں عطا کیا ہے اس وجہ سے ان دونوں کے محل سے اس باغ میں گئے جانے کیلئے بھی ایک ایک روزانہ لگا ہوا ہے۔

بیان کی اس قدر حالت دکھانے کے بعد ہم اب آپ کو اسی باغ میں لے چلتے ہیں مگر افسوس اہم مسوقت بیان آپ کو لاتے ہیں اگر دن ہوتا تو البتہ بیان کی بہار دکھاتے۔ اس وقت نورات کی تاریکی دیکھ دیکھ کر نظر خانہ بچشم سے پاؤں باہر نکالتے ڈرتی ہو اور اس باغ کی بھی اس وقت میں متا ہو رہی ہے جو اس زاہد خشک کے باطن کی ہونی چاہیے جسکے دل میں نام کو بھی در و محبت ہو۔ یا اس حسرت نصیب عاشق کے سینے سے اسکو مشابہت دیکھتے ہیں جن یوں کہنے کو تو بیٹھا روئے اور نہ چون کا تختہ کھلا ہوا ہے مگر شب غم کے جوش سے دیکھنے والے کو کچھ بھی نظر نہ آتا ہو۔ اور اگر یہ بھی نہیں تو ان دو عاشق و معشوق کی حسرت پر حالت سے تو ضرور پوری تشبیہ ہو سکتی ہے جو عین فصل میں چپ او دہاں ہند معنوم اس سوچ میں بیٹھے ہوں کہ ہائے آپ کوئی دم میں ہم ایک دوسرے سے چھٹے ہیں اور اس لیے ہم سے ساری دنیا کی آنکھوں میں کچھ ایسی تاریکی ہو گئی ہو کہ ان کے ارمان اور تمنا بھی انکو کہیں نظر نہ آتے ہوں۔ رات کے گیارہ بج چاہتے ہیں سستا ٹا پھولوں کی پھیلنے والی خوشبو کی طرح چاروں طرف پھیلا ہو اور رات کی تاریکی سارے چہرے پر کچھ اس طرح قبضہ کیے ہو گئے ہیں جس طرح کس کے کھلے ہوئے بال اسکے رخ و روشن کو اپنے گھر لگتے ہیں پھر پائے ہوئے ہوں۔ ہاں تارو کی کچھ روشنی ہے جو اپنی شعاعی انگلیاں اٹھا اٹھا کر اشارے سے بعض بعض چیزوں کو بتا رہے ہیں اور اس میں کیا کی سیڑیاں کچھ یوں بھی مٹی مٹی معلوم ہوتی ہیں صدر دروازہ پر تو دو چار آدمیوں کو پیر و بھی تھا مگر وہ دونوں دروازے تو سونے والوں کی آنکھ کی طرح اس وقت بند ہیں جو اس باغ کی شرفی بہت پر واقع ہیں جو ان میں چہرے کے سوا کوئی میان فترتیں انکا گروہ بھی کچھ یوں ہی سے شہ کو۔ یا وسط باغ میں وہ عالی شان عمارت نظر آتی ہے جسکی نقاش کورات کی تاریکی اس لیے اپنے آغوش میں بھاپے ہو کہ خطا خواستہ اسکو بزم فلک کے ذیب و زینت دینے والے ستاروں کی کہیں نظر نہ لگائے۔ روشیں دل عشاق کی طرح سو فی ٹپری ہیں سناٹے کی طرح سکوت ہر ایک چیز پر پرس پا ہو اور مہر و فیاض کی سی ہوتی قوت سامعہ اس وقت بالکل بیکار سی معلوم ہوتی ہے یا اس وقت کی حالت دیکھ کر ایسا دم گزرتا ہے کہ شاید وہ قوت ہی ہم سے سلب کرنی گئی ہو مگر ہمیں کچھ کھٹکا تو ہو اجرات کے سناٹے میں چاروں طرف پھیل گیا۔ سنا۔ مگر یہ سیطرے کی آہستہ آہستہ شاید چھانک پر ہر سے والے ہونگے (ذرا خاموش رہیے) (یہ باغ

یہ تو بہت ہی نزدیک کی آواز ہو اور بہت پست۔ اور ادھر مشرق اور جنوب کی طرف سے آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ دیکھئے نا۔ وہ اس طرف والا دروازہ کھلا۔ دیکھا؟ جہان سے پہلے کچھ روشنی کی شعاعیں اپنا بدین چراتی ہوئی انگلیں اور پھر دروازے کے بند ہوتے ہی غائب ہو گئیں۔ دیکھئے اسی دروازے سے دو عورتیں بھی نکل کر اس طرف کو آ رہی ہیں۔ کیوں۔ مگر یہ کون ہیں؟ آبا۔ اب معلوم ہوا۔ وہ ہوں گی شاہزادی عباسہ۔ بیشک وہی ہونگی۔ جعفر سے ملنے کے لیے آئی ہوں گی۔ ہاں دیکھئے نا۔ وہ باغ والی کوٹھی کے سامنے جعفر بھی ٹپل رہا ہے اور وہ دیکھئے جو آتے بھی اگر کچھ اس سے کہا۔ شاہزادہ زادی صاحب کی آمد کی خبر دی ہوگی۔ اب وہ دونوں آنے والی عورتیں بھی بالکل قریب آ گئی ہیں اور جعفر آہٹ پا کر خود اسے اس طرح کہہ رہا ہے جو دیکھئے نا تو سہی یہ کون آتا ہے۔ کوئی اور تو نہیں ہے جو آئے (عورت سے دیکھ کر) نہیں حضور سوسن آتی ہوئے

جعفر نے جہاں اس طرف ٹھہر دیا اور یہ کہہ کر اسی طرف کو بڑھا جس طرف سے عباسہ اور سوسن آ رہی تھیں۔ عباسہ جعفر کو آتے دیکھ کر پہلے تو کچھ ٹھٹھکی مگر پھر اس کے محبت بھرے دل نے خدا جاسے کہا اس کے کان میں کہہ دیا کہ وہ مٹھن ہو کر آئے ہیں اور جعفر نے اپنے اس دل کے یقین لانے کے لیے جیکو عاشقوں میں رہ کر حسینوں کی طرف سے ایسے موقعوں پر ضرور بدگمان ہو جانا چاہیئے بہت پست آواز میں کہا: کون سوسن؟

سوسن نے جی حضورؐ اور آداب تسلیمات بجا لاکر جعفر اور عباسہ کے مابین سے اسی طرح ہٹ گئی جس طرح ایسے موقعوں پر دنیا نامیہ کے افکار چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ پہلے تو دونوں طرف بہت شوق اور محبت کی نگاہیں آپس میں اترتی رہیں مگر آخر کار حیا نے انھیں آنکھوں کو ضعیف پا کر نیچے جھکا دیا جسکو خدا سمجھے شعر الازل سے پیار باندھتے آئے ہیں۔ جعفر نے ہاتھ میں ہاتھ لے لیا اور محبت اور پیار سے عباسہ کے پیار سے پیار سے ہاتھوں کو بوسہ دے کر مزاج پوچھا۔ اسکا جواب عباسہ کی زبان نے جن الفاظ میں ادا کیا وہ وہ نہیں تھا جسکو مزاج پر مہر کی وقت ایک عالی قدر شاہزادی کی طرف سے ہونا چاہیئے اور نہ وہی جواب تھا جو دنیا سازی کے طور پر حسینوں کی زبان سے ایسے موقع پر نکلا کر بلکہ ایسے خلوص و ادب کو لیے ہوئے تھا جو ایک فرمانبردار اور محبت کرنے والی بی بی کی زبان سے ادا ہونا چاہیئے مزاج پر مہر کی بعد عباسہ اسی جگہ کھڑے کھڑے دیر تک جعفر کے اس وقت آئے کا شکریہ ادا کرتی رہی اور پھر اس طرح کہہ کر خلافت معمول آج یہ کیا عنایت ہوئی

جعفر نے کچھ نہیں۔ بیٹھے بیٹھے اس وقت دل میں آیا کہ صبح چلنا ہی۔ ایک نظر اور آپ کی زیارت کر لوں

خدا جانے پھر کب دیکھنا نصیب ہو۔ چلا آیا

عباسہؑ آپ نے بہت ہی اچھا کیا۔ میں بھی اس وقت یہی باتیں کر رہی تھی کہ جو اپنے آپ کی تشریف آوری کی خبر دی گئی۔ مگر ملائی۔ تو کیا کل صبح ضروری قصد ہو؟

جسٹریجی ہاں۔ بادشاہ سلامت کا حکم۔ کیا کیجئے جانا ہی پڑے گا۔ مگر شاہزادی صاحبہ! خدا جانے یہ کیا معاملہ ہو کہ میرا دل مطلق جانے کو نہیں چاہتا۔ اس نہر کے نام سے دل کو کچھ ایسی محبت ہوتی ہے

کہ معاذ اللہ اور یہی گھبر لٹ ایک ایسی زبردست چیز تھی کہ جو جھک کر کشان کشان اس وقت یہاں بھی لے آئی در نہ آپ خیال کر سکتی ہیں کہ یہاں کے آنے جانے کی بابت میں کس کس مجبوری کے ساتھ

آپ کے فرمانے کے خلاف کیا۔ پیاری شاہزادی اس وقت کی ستر ہوا اور پر سے گرنے والی شبنم تھارے نازک جسم کے ساتھ ہوا اثر کر رہی ہوگی اور کھڑے کھڑے تمھارے پاؤں بھی دکھائیے ہوئے آئیے اس

کوٹھی میں بیٹھ کر باتیں کریں۔ اور یہ اکثر دونوں اُس کوٹھی کی طرف متوجہ ہوئے جو وسط باغ میں واقع تھی۔ کوٹھی کے دروازے چاروں طرف سے بند تھے اور رات نے بھی اپنا بہت حصہ صرف ہو جانے

کی وجہ سے وہ محل روشنی بھری ہوئی تھی جس کوٹھی میں پہلے در شام ہوئی تھی۔ تاریکی پھیل گئی تھی اور عباسہؑ گھبرا گھبرا کر یہ کہہ رہی تھی ہاں ہی تو یہ بیان اس وقت کس بلکا کا اندھیرا ہی معاذ اللہ! عباسہؑ کی

یہ کیفیت دیکھ کر سوسن نے جلدی جلدی روشنی کا انتظام کیا جس کی شعاعیں ہر سانس کے لہر دوں کاٹھ دیکھیں اور کسی طرف نہیں پھیل سکتیں۔ اور جھجھجھکیں اُن کر سوسن پر بیٹھ گئے کچھ ہر دم سے میں پڑی ہوئی

تھیں۔ ادھر ادھر کے تذکرے کو درمیان میں آکر ان دونوں کی طبیعت کو اور طرف متوجہ کر رہے تھے مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ انکا دل اس وقت مطلق نہیں بدلتا تھا اور نہ ان کے چہرے پر اس مسرت اور

خوشی کا کہیں نشان پایا جاتا تھا جو ایسے معتد اور قابل قدر وقت میں بہت کثرت کے ساتھ ان لوگوں کے گھر سے میں آجاتی ہے۔ چلے چہرے اور دل پر فراق کے صدمے اٹھاتے کھلاتے ہوئے پھر لوگوں کو طرح

نزدی اور اوروں کی چھاجاتی ہے۔ وہ ہر جھجھکاؤں کے سینے میں گھبراتا تھا اور پھر ٹھنڈی سانسین لینے کے اس قسم کی دل خوش کن ایک بات بھی زبان تک نہ آتی تھی جس کو ٹھنڈے کے عالم میں ارمان اور تباہی

کے اصرار سے انسان کسی طرح ضبط ہی نہیں کر سکتا۔ عباسہؑ چپ بیٹھی ہوئی جھجھکی یہ حالت دیکھ رہی تھی طرح طرح کے خیالات دل میں اٹھیں پیدا کرتے ہوئے اس کے ذہن میں آتے تھے اور پھر وہ جھجھکی

ٹھنڈی سانسین لینے دیکھ کر اس طرح یکبارگی اس کے دل سے نکل جاتے تھے جس طرح جھجھکی ارمان اور آرزو میں اس وقت دل کی طرح شدت انقباض سے تنگ آکر آہ میں ملے ہوئے غیب کا حال دریافت

کر نیکی لیے آسمان کی طرف جاتی تھیں۔ عباسہ سے آپ جذبہ بنو سکا اور وہ بہت حیرت اور تعجب کے
 لیے بین اس طرح جعفر سے کہنے لگی "آخر اس قدر آپ کو ترو دو کیوں ہے؟"
 جعفر نے کیا بتاؤں۔ خود مجھ کو بھی اسکی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ مگر ہاں دل کے اضطراب کی آج جو
 حالت ہی ایسی کبھی نہ تھی۔
 عباسہ "یہ کیوں سبب!"
 جعفر "پیاری شاہزادی کتنا تو ہوں کیونکی وجہ ہو تو کہی جائے۔ ہاں ایک، اور خاموش رہا۔
 عباسہ "کیا کیا کہتے کیوں نہیں ہو۔ ایک کیا؟"
 جعفر "نہیں کچھ نہیں"
 عباسہ "نہیں۔ میں ایک نہ مانوں گی۔ آپ کو ضرور کناٹا چڑے گا۔ خدا کے لیے بتا دیجئے۔ ورنہ
 دیکھئے میری بری حالت ہوتی جاتی ہو؟"

جعفر (خندہ دہی سانس لیکر) پیاری شاہزادی اصل بات یہ ہے۔ ابھی تھوڑے دنوں کا مگر وہ
 کہ ایک دن شب کے وقت میں آپ کے بھائی جان رخصت ہو کر چلا اسوقت وہ پلنگ پر استراحت فرما رہے
 تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نیند آئی آٹھوں میں آتی جاتی ہے مجھے چھپا ہوا تھا اور اس کمرے میں بجز
 تیر اور ان کے کوئی تیسرا نہ تھا ان کا خیال تھا کہ میں فوراً وہاں سے چلا گیا ہوں لیکن اتفاق سے اسوقت
 تک میں کمرے سے باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ میں نے سنا اگر میں اس لمخت کو قتل یا زہن کو کسی صورت
 دیکھنے سے یہ بدرجہا اچھا ہے کہ یہ نہ ہو جس کو قتل کر ڈالے یہ باتیں آپ کے بھائی جان صاحب کی زبان
 سے نکل رہی تھیں۔ اس جگہ کے ختم کرنے کے بعد معاہدہ نہ اپنا اٹھنے کا ہدف سے نکال دیکھا اور محکوم دیکھے ہی
 ان کے چہرے کا رنگ اس طرح بنتی ہو گیا جس طرح سچ کا آواز نکلنے کے بعد پہلی شب کا رنگ اڑ جاتا ہو گیا۔
 اور پھر اس طرح فرمایا جو میں نے ابھی کہا تھا مجھے اسکو بس لیا۔ پیاری شاہزادی اب تک میرا خیال تھا کہ کتنا
 اعلیٰ آٹھ کچھ کہتی ہے اور وہ خواب میں اس طرح کہہ رہی ہیں لیکن ان کے اس سوال نے میرے خیال کو فوراً
 بدل دیا اور چونکہ اسوقت یہاں میرے سوا کوئی اور نہ تھا اس سبب میرے پاس اسکی کوئی وجہ نہ تھی کہ میں اسکو
 اپنے حق میں نہ سمجھتا۔ میں نے جواب میں فوراً کہا "نہیں، امین نے کچھ نہیں سنا، مگر یہ میرا انکار ایسا نہ تھا کہ
 باور کیا جاتا۔ پھر ارشاد ہوا "نہیں تم نے ضرور سنا لیا۔ اس وقت میں تمھارے اختیار میں ہوں۔ جو
 چاہو کرو۔ اور کسی بات کا آئندہ مجھ کو متوقع نہ دو۔ میں نے پھر ہاتھ جوڑ کر عرض کیا "نہیں، میں نے
 مطلق نہیں سنا۔ حضور یہ کیا فرماتے ہیں۔ میری سمجھ میں مطلق نہیں آتا۔ میں سچ کہتا ہوں۔"

اس قدر گفتگو کے بعد میں چلا آیا اور گواہ سوقت سے اب تک میری نئی قدیم عنایات میں کسی قسم کا فرق نہیں پایا لیکن اس کا اندیشہ پیاری شانہ زادی اس طرح کا بنا ہوا میرے دل میں شک ہے کہ جو طرح خدا رکھے تمہاری محبت بھری نظریں بے طرح دل میں ہر وقت غلش پیدا کر دیتی ہیں بس فرق صرف اس قدر ہے کہ اس میں تو زندگی کا لطف ملتا ہے اور اس میں موت کا مارا۔

عجاسہ حیرت کی تصویر بنی ہوئی یہ سب باتیں چپ چپ سے ہی تھی۔ ایک مرتبہ چکر لگا کر خون گون میں خشک ہو گیا تھا۔ طبیعت کے انقلاب سے اٹھتے ہوئے مجازات کی طرح اس کا سر پھر رہا تھا جبکہ وہ ایک ہاتھ سے سنبھالے ہوئے کبھی تو اچھے اٹھا اٹھا کر اس طرح کچھ قمار کی طرف دیکھتی تھی جو اس کی دشمنی پر پڑا ہوا تھا اور کبھی ہتھ پڑا ہو کر اس زمین پر گر پڑتی تھی جہاں بہت باروس کے ساتھ اس وقت اس کی سارے تنہا اور زخمیوں میں ابھی تھیں جھجھکتے جھجکتے اپنی تقریر کے سلسلے کو ختم کیا اس وقت عجاسہ کو مطلق ہوش نہ تھا اور اس کے دل کی طرح کوئی قوت اس کے اختیار میں نہ تھی مگر سوقت دل کا چلچلا تھا

تجربہ اور استعجاب ایک ایسی چیز تھا جس کی زبان سے یہ کلام کرنا خاموش کر دیا۔ لین اس پر ۹۔ جھجھکتے (تھنڈی سانس لیکر) کیا کہوں۔ یہ وہی تو ایک ایسا اشتہار تھا جو اس وقت مجھ کو نکھارے پاس کشان لے آیا۔ پیاری شانہ زادی! خدا کی یہ خیال کو غلط کرے۔ مگر ان کی آمدن کی باتوں سے مجبور رہ کر اسی امر کا اندیشہ ہوتا ہے کہ خدا نخواستہ خدا نخواستہ ان کو کہیں میرے عشق و محبت کا حال نہ معلوم ہو گیا ہو؟

عجاسہ بے مشاید! مگر میں نے تو اس کے چھپانے میں جھجھکتے کو شش کی بو اس کو آپ خوب جانتے ہیں۔

جو حضرت ہاں بہن شکستیں مگر پیاری شانہ زادی آپ خیال تو کیجئے۔ محل اور بچے کا تہلہ یہ کچھ ایسی باتیں ہیں جو کسی کے چھپانے سے چھپ سکیں! بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ میرا فقط ایک خیال ہی خیال ہے۔ جائز ہو کہ وہ ان کا اس شب میں گنا کسی اور ہی خفگی کا باعث ہو۔ لیکن ہاں اب مجھ کو اطمینان تو ان کی طرف سے نہیں رہا۔

عجاسہ: ہاں بیشک اطمینان کس طرح ہو سکتا ہے۔ مگر میں نے تو آپ کے اور اپنے معاملے میں ان کی طرف سے آج تک کسی قسم کا فرق نہیں دیکھا جس طرح پہلے ان کی نظر عنایات تھی ویسی ہی اب بھی ہے۔ ظاہر میں تو کوئی بات نہیں معلوم ہوتی۔ اور کیا مجھ ہی کو کہ آپ کے گمان کے موافق وہ منہ پر فقرہ ان کی زبان سے سونے ہی میں نکل گیا ہو۔

جعفرؒ بان میرا تو یہی شبہ تھا مگر اس کے بعد انھوں نے مجھ کو دیکھ کر جو کچھ کہا اس نے میرے خیال کو بالکل پلٹ دیا اور اس امر کو ثابت کر دیا کہ جو کہا میری بابت کہا اور خالت خواب میں بھی نہیں بلکہ بیداری میں۔“

عجیبانہ نہیں۔ سونے کی حالت میں وہ الفاظ اپنی زبان سے نکلے ہونگے مگر عجیب ہو رہا ہوں گے کہ بعد آپ کو دیکھا ہو گا تو اس خیال سے کہ مباد آپ اسکو اپنی نسبت سمجھیں انھوں نے اس امر کو کہہ دیا کہ اگر تم کو میری طرف سے کچھ بدگمانی ہو تو اس وقت میں تمہارے اختیار میں ہوں یا اگر یہ نہیں تو یہ بات ہوگی کہ حالت خواب میں بھی آپ کے دشمنوں کی طرف یہ ارادہ کرنا ایسا بڑا سمجھ کہ فقط اسی کی یادداشت میں انھوں نے اپنے آپ کو مجرم بن لیا۔“

جعفرؒ بان خدا کرے ایسا ہی ہو۔ تمہارا ہی خیال سچ نکلے۔ مگر سیاری شانہ زادی مرد دم تو یہ کھٹکا آپ کی سیطرہ میر دل سے نہیں نکل سکتا۔ آہ میرے دلیں بہت بُرے بُرے خیالات آتے ہیں۔ بہت ہیبت ناک صورتیں میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہیں اور یہ کچھ نئی بات ہو کہ آج کسی طرح تمہارے پاس سے جلنے کو میرا جی نہیں چاہتا۔ میں نے خدا جانے کس کس شوق کی نظر سے تم کو دیکھا ہے مگر سیاری شانہ زادی جس حسرت کی نظر سے تم کو میری آنکھیں آج دیکھ رہی ہیں شاید میں نے اپنی یاد میں اس طرح تم کو کبھی نہیں دیکھا۔ خدا جانے کیا بات ہے۔ مگر نہیں اب آپ کو جانا چاہیے۔ کہ سفر کی تیاری کی وجہ سے اکثر لوگ جاگتے ہوئے شاید آپ کی تلاش میں اگر زندگی ہو تو پھر ملیں گے مگر سیاری شانہ زادی میں تمہارا بہت خطا وار ہوں۔ میں نے تمہارے نازک دل کو بہت رنج پہنچا ہے ہیں۔ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں خدا کے لیے میرا کتنا شامعاف کرنا۔“

جعفرؒ لب لہجہ میں یہ باتیں کر رہا تھا وہ بہت ہی پُرورد تھا۔ دل کی افسردگی سے انتہائی درجہ کی اداسی چہرے پر چھائی ہوئی تھی اور جب آخری فقرے پر پہنچا اسکی زبان قہر قہر قی ہوئی آواز میں رُکی تھی تو بے اختیار اسکی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے تھے عجب اسے گلاب تک اس کا انتشار کم کرنے کے لیے کیا۔ اپنے آپ کو بہت سمجھالے ہوئے تھے مگر جعفرؒ کی یہ حالت دیکھ کر آپ اسکو بھی ضبط کی تاب نہ تھی بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور بھڑائی ہوئی آواز میں اس طرح کہنے لگی۔“خدا جانے اب کو کیا ہو گیا ہے۔ کس کس طرح کی آج آپ باتیں کرتے ہیں۔ خواہ مخواہ کے لیے ایک بات فرض کر لی ہے۔ خدا نے چاہا تو بہت جلد ملیں گے۔ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ آپ آہیدہ کیوں ہوتے ہیں۔“

جنت سے آہ پیاری شاہزادی میرا دل بہت مضبوط تھا کیسے طرح کا رنج و غم میری دلچسپی
نہیں کر سکتا اور نہ کبھی کسی قسم کے خوف سے مجھ کو ڈر تھا مگر وہ پیاری شاہزادی مختاری محبت
اپنے میرے دل کو ہوا کر دیا ہی بالکل ہوا۔ آہ۔ آپ سب سے کچھ دیر تین اپنی بگلی
ہیں اور رنج و غم کی بڑبڑی آنے والی موجوں سے اُٹے ہوئے دریا کی طرح دل بھرتا ہوا
اور یہی جی چاہتا ہے کہ خوب دل کھول کر روؤں اور یہ لکیرے اختیار عباس کے گلے سے
لپٹ گیا اور کچھ اس درد سے رویا کہ عباس بھی زار و قطار رونے لگی۔

آہ نہیں معلوم تھا کہ جنت کے دل پر اس وقت ایسے کیا اندیشاں خیالات آ رہے تھے اور اس کے
دل پر کیا گز رہا تھا کہ وہ باوجود ایک مستقل مزاج انسان ہونے کے اس وقت اس قدر خود رفتہ
اور بڑھ چلا ہو رہا تھا۔ دیر تک دل کے بخارات زمانے کی سرسری دیکھ دیکھ کر اشک حسرت
بہنے ہوئے آنکھوں سے نکلتے رہے اور پھر اس رونے کے تار کو جس چیرنے توڑا وہ وہی افنائے راز
کا اندیشہ تھا جس کا خیال اس وقت بھی موت کے گھٹنے کی طرح لگا ہوا تھا۔ مگر اب بھی اس کا
سلسلہ باقی تھا۔ آنکھیں اگر اشکبار تھیں تو آنسو آنکھوں میں ڈھلے ہوئے ضرور تھے
اور بھرائی ہوئی آواز میں فی امان اللہ اور خدا حافظ کے دل ہلانے والے الفاظ زبان سے
نکل نکل کر ایک دوسرے کو رخصت کر رہے تھے۔ آہ وہ بہت بڑی گھڑی تھی جس میں عباس
جنت کے رخصت کرنے کے بعد باغ سے اپنے محل کو پھری۔ سارا باغ سنسان تھا۔ اندھیری
رات میں درخت کالی کالی ہلے معلوم ہوتے تھے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں بدن میں لرزہ
پیدا کرتی ہوئی چل رہی تھیں۔ کانٹے اسکے دامن سے اُلجھ رہے تھے شاخیں چپ سکوت
میں گھڑی تھیں اور پتے کف افسوس مل رہے تھے۔ پھولوں نے اپنے دل کی پڑمردگی دیکھ کر
رات کی تاریکی میں اپنا منہ چھپا لیا تھا اور دلنگنجی بھر رہی کی راہ سے بہت افسوس
کے ساتھ شاخوں کی آغوش میں اپنی اپنی گردن جھکا کر رہ گئے تھے۔

عباس آہنگ جو بہت استقلال کے ساتھ اپنے دل کو سنبھالے ہوئے تھی اسکی خاص وجہ تھی
کہ اسکو جنت کے خیالات کا بدلنا اور اسکے دل کو سنبھالنا نہ نظر تھا۔ لیکن اپنے آرام کرنے کے کوہیز
پہونچے ہی پہونچے اسکو اپنا دل سنبھالنا مشکل چلیا۔ جنت کی باتیں یاد کرنا شائے میں الگی اور
اس انتشار میں خدا جانے اسے چپ بیٹھے بیٹھے کمان کمان کی سیر کی اور کس کس قسم کے خیالات
اسکے جواس پریشان کرتے ہوئے اس کے دل میں آئے۔ دل کی افسردگی سے کبھی تو بیگانگی لپٹ جاتی تھی

اور کبھی اٹھ بیٹھی تھی۔ اسکی ڈلی الجھن اور بے قراری اسطرح اسکو پہلو بدلواری بھی تھی کہ یکبارگی وہ قلم کا غدے کر پیچھ گئی اور اس مضمون کا ایک خط لکھ کر ریاس کے نام اس وقت مکہ معظمہ روانہ کیا کہ تم اس کے کوئے کر فوراً اور کسی طرف نہ کو چلے جاؤ اور پھر طے انتشاراؤ۔ اضطراب کے ساتھ کروٹیں بدل بدل کر رات کی کٹھن گھڑیاں اسطرح کاٹنے لگی ج طرح کوئی جان توڑتا ہو۔ گورات اب بہت کم رہ گئی تھی مگر جقدر تھی عباسہ کے لئے بہت تھی۔ وہ بکسین تو فرزند انسان بداشت کر جاتا ہو جکے بعد کچھ راحت و خوشی کی امید تھی ہو لیکن وہ گھڑیاں اسطرح نہیں کٹتیں جکے بعد بھی کسی طرح کی کوئی دل خوش کن امید نہیں ہوتی۔ یہ رات عباس کے لئے بہت سخت رات تھی۔ جو لمحہ گزرتا تھا نہایت مشکل سے گزرتا تھا اور جو کبست گھڑی آتی تھی اسکی جان ہی لئے کا تہیہ کر کے آتی تھی۔ خدا خدا کر جب رات آخر ہوئی تو اس نے وہ قیامت غیر ساخہ اپنی آنکھوں سے جس کے چھپانے کے لئے رات نے اب تک تیار کی کا پردہ چھوڑ رکھا تھا اور جکے دیکھنے کے اندیشے سے اسکی نظر اسکی آنکھ کے پردوں میں اب تک چھپی بیٹھی تھی نکھا۔ یعنی جلد جلد سفر کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سارے گھر میں چھل پھل مچ گئی۔ وزارت پناہ گئی جانے کے لئے آگئے اور بادشاہ سلامت بھی چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔

ہائے صبح ہوتے تو اکثر دیکھی ہو گئے ایسی ڈراؤنی صبح کبھی دیکھنے میں نہیں آتی۔ تناؤں نے خوف زدہ ہو کر آسمان کی نیلی چادر سے اس وقت اپنا منہ چھپایا تھا اور جکے گھبراہٹ میں ابھی اسکا بھی موقع نہیں ملا تھا وہ دانت نکال نکال کر رہ گئے تھے۔ چڑیاں ڈر کے مائے اپنے اپنے نشیمنوں میں چلا رہی تھیں اور دل شکستہ اور اندوہیں عباسہ اُن مسافران حجاز کو شوق و حسرت کی نظر سے دیکھ رہی تھی جکے جانے کی ابھی جلد جلد تیاریاں ہو رہی تھیں۔ آہ تھوڑی دیر میں جانے والے تیار ہو گئے۔ باڈی گاڑو کا رسالہ بھی کیل کاٹنے سے درست ہو گیا اور پھر اس نے اپنی حسرت بھری آنکھ سے دیکھا کہ جعفر اور ہارون شہید مع اپنے ہمراہیوں کے کئے شہرین کی طرف روانہ ہو گئے۔

سترھواں باب

الہی خیر

گرہ ابرو پہ ہی منہ لال سہ چتون ہی پھری آج انہیں اور ہی سامان سے ہم دیکھتے ہیں

جعفر اور عباس کے حالات کو زبیدہ نے بہت تفصیل کے ساتھ ہارون رشید سے بیان کر دیے تھے اور اس نے بطور خود بھی دریافت کرنے میں جہاں تک ممکن تھا کوشش کی لیکن اس پر بھی اس غلط اور اطمینان نے جو اس کو ان دونوں کی جانب تھا ایک عرصے تک اس امر کا اچھی طرح موقع نہیں دیا کہ وہ اسی طرح ان سنی سنائی باتوں پر یقین ہی لے آئے جس طرح زمانے کے بدگمان لوگوں نے اپنا عام اصول کر لیا ہو لیکن جب متعدد طریقوں سے زبیدہ کے کہنے کی تصدیق ہو گئی تو پھر کوئی اس کی وجہ بھی نہ تھی کہ وہ اس واقعہ کو محض غلط اور بے اصل ہی سمجھتا۔ اس کو چونکہ یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ لڑکا مکہ میں ہی اسوجہ سے اس کو ضرور ہوا کہ وہ وہاں جا کر اس قومی شہادت کو بھی خود اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ نکتہ چینی طبیعتوں اور عیب جو لوگوں کے دلوں کو اب بھی رہ رہ کر لچھیر چڑھ رہی ہوگی اور وہ اپنے ظہین کہتے ہوئے کہے کہ ہارون رشید نے جب عباس کا عقد جعفر کے ساتھ کر دیا تھا تو پھر اس کو اس قسم کی انوکھی اور نرالی شرطیں بھی لگانا بالکل بے موقع یقین اور اگر شاہی نازک فراخی اور صدمے ایسا بھی کہلا دیا تھا تو خیر لیکن اس پر اس قدر مہم کرنی کیا ضرورت تھی اگر وہ پوشیدہ طور پر کسی حرکت کے متنب ہو گئے تھے تو خیر بشرطے چشم پوشی کرنی چاہیے تھی۔ لیکن نہیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس کا فیصلہ کچھ اچھی طرح وہی شخص خوب کر سکتا ہو جس سے خود اسی کی ذات کو تعلق ہو اور اس کے قبضہ اقتدار میں ایک بڑی سلطنت کی عنان حکومت بھی رہی ہو۔

پردہ کے شرعی غدر رفع کرنے کے لئے ہارون رشید نے عقد تو بیشک ان دونوں اطمینان پر کر دیا تھا لیکن اسکے مالک محروسہ میں جعفر کی جیسی دباکت بیٹھی نہ تھی۔ جیسا کہ اس کا اختیار تھا۔ اور جس طرح ساری رعایا کے دل جعفر کے ہاتھ میں تھے اس کو ہارون رشید خوب جانتا تھا۔ اور اس کو ابتداء سے اس امر کا خوف اور اندیشہ لگا ہوا تھا کہ اگر خدا خواستہ جعفر کی کوئی اولاد نہ نہ عراسہ بطن سے ہو گئی تو شاید پھر میرا تخت و تاج میرے خاندان میں نہ رہا بہت مشکل ہو جائیگا۔ پولیٹیکل (ملکی) معاملہ پر غور کرنے والے اس معاملے کی نزاکت کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے کہ یہ واقعہ ہارون رشید کی بڑی مزاج کے لئے کما تکتہ تر ہو سکتا تھا۔ وہ اس پیش رو غضب میں بھر لہو آئے ہوئے پورا ارجح کے خارج ہونے کے

بعد پوشیدہ طور پر وہ اسی فکر میں مصروف ہوا جو اس مرتبہ اسکے بیان لائے کی قوی باعث تھی لڑکے کی میان تلاش و جستجو کی لیکن عباسہ کا خط اس سے پہلے بیان آگیا تھا اسوجہ پر اس نے غیر اسکے ساتھ لیکر کسی اور طرف کو نکل گئے تھے۔ بیان کہیں اس کا پتہ نہ ملا مگر یہاں بہت مشکل اور بڑی تدبیر سے اس قدر معلوم ہو گیا کہ واقعہ سچا ہی۔ اور وہ لڑکا آجکل من میں ہی۔ فوراً وہی روانہ کیے گئے اور انھوں نے جلتے ہی جاتے من کی لگیوں کی خاک چھان ڈالی۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کو انھوں نے نہ ڈھونڈا ہو اور کوئی تدبیر ایسی تھی جو انھوں نے اٹھا رکھی ہو بلآخر وہ صاحبزادے لے اور لائیہ الوں نے کئے میں لا کر ایسے وقت خلیفہ کے حضور میں پیش کیا کہ اسوقت پھر تین آدمیوں کے چلنے ذریعے سے یکدم انجام پایا تھا اور کوئی غیر موجود تھا۔ یہ ابھی سال ڈیڑھ سال کا بچہ تھا۔ زبان کو چھوٹ چلی تھی مگر منہ سے نکلے والے الفاظ مطالب کہ ابھی اچھی طرح نہیں ادا کر سکتے تھے اور اس کے حسن و جمال کی نسبت نہ فقط سیتہ خیال کر لینا چاہیے کہ وہ عباسہ سی حسینہ و جلیلہ عورت کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور پھر اسی جھڑکا بیٹا تھا جسکی شکل و شمائل کی دلفریبیاں دیکھ دیکھ کر پری سکر عباسہ کا سارا رخ و حسن اس طرح سے نکل گیا تھا جس طرح جعفر کی صورت دیکھتے ہی اس کا دل اسکے قابو سے نکل گیا تھا۔

باردن رشید دیکھتے ہی آگ ہو گیا۔ آنکھوں و حواس نکل گیا شے منہ سے نکلے لگے اور اس لڑکے کی صورت مثل جعفر اور عباسہ بہت مشابہہ پارا اسکو زیر ہ کے بیان کا بالکل یقین آگیا۔

آپ باردن رشید اپنے اختیار میں تھا وہ غصے سے جوا تک دل میں پھیا بیٹھا تھا کیا یہی تیرہ لڑکے غوں کی طرح رگ لگ میں دوڑتا ہوا ظاہر کم طیف، اسی طرح نکل آیا ج طرح کوئی طیش اور غضب میں اپنے جانے سے باہر ہو جاتا ہی اور پھر اس طرح اپنے دل سے کہنے لگا دیشک یہ جعفر کا لڑکا ہی۔ اور عباسہ کے بطن سے دیشک اسی دونوں کی موت کے ملے ہوئی ہے۔ جو نے غضب ہی کیا۔ اتوہ طر غضب۔ میں نے کہ نہ منع کر دیا تھا۔ مگر مانا نہ مانا اور اس شک خاذلن عباسہ دیکھے کس طرح سے سمجھا دیا تھا میں لیکن کجخت نے ایک قسمی۔ اچھا اب وہ وقت و قرب ہی آگیا ہے کہ اس نا فرانی اور دوسری کی سزا و مجائے بہتر بہتر۔ مگر دیشک ایسے معاملات میں کسی پر طمینان کرنا بالکل عقول کے خلاف ہے جو مجھے بڑی غلطی ہوئی۔ افسوس!۔ آہ جعفر اور عباسہ مجھ پر عزت تھے مگر اب اسوقت انکا خیال بھی بچا گیا کالی ملاسا معلوم ہوتا ہے۔ بالکل نفرت ہوئی جاتی ہے بالکل نفرت۔ آپ بیان صاحبزادے کے سامنے آئیں اور ماموں کوں پر چھ کا ہاں لوب

جعفر کے قابو میں ہیں سب انھیں حضرت کا کلمہ پڑھیں۔ افسوس۔ افسوس۔ حقیقت میں اسکا زندہ رہنا اچھا نہیں۔

سلطنت میں بہت خرابیاں پڑ جائیں خرابیاں کیا۔ یہ کہنا چاہیے کہ سلطنت کا خاندان میں نہیں ہو سکتی اور
اس پر اور غصہ ہو گیا ہو کہ جعفر بیٹے کے میں منتا ہوں بہت ہو گیا ہو۔ سنا ہو اس نے اپنے سلطنت خانہ کو
بھی آجکل بہت ترقی ملی ہو یہ سب سیکر ہی لئے سامان ہوئے ہیں ضرور سیکر ساتھ دنا کرے گا۔
ان خیالات کے آتے ہی اس کے چہرے کا وہ رنگ جو ابھی حشوق طبعوں کے مزاج کی طرح رنگ بدل رہا تھا
بالکل سرخ ہو کر رہ گیا۔ گویا اس کے خیالات کا سلسلہ اس خیال تک آئے ہی ایک ایسی حد پر پہنچ گیا تھا کہ جس سے
اب اس کو بچاؤ کرنے کی قدرت نہ تھی اور نہ یہ اس کا خیال پیشتا ہوا نظر آتا تھا اس کی انگلیاں آنکھوں کے اوپر ٹپک رہی تھیں اور
تبع قضا کی طرح کھینچے ہوئے تھے اور چین چین کے بدلتے ہوئے تیر کو کچلے لیے معلوم ہوتے تھے کہ گویا کھانا تیرا
سرتپ تپ کر مل رہی ہیں۔ ٹیڑھی اور ترچھی نظریں بہت قدر اور تھیں جگہ خوف اور رعب سے وہ پتیلیاں غیبی
گوشت چم کی طرف پھری جاتی تھیں جس نے یہ نگاہیں تیر تم بنی ہوئی نکل رہی تھیں۔

غضب سلطان کا جوش اس وقت اس کی زبان سے وہ حکم ناطق نکلا نا ہی چاہتا تھا جو اس بیٹے کی جان بچانے کے لیے
کافی تھا کہ اس کی ترچھی نگاہ وہ فتیہ سیدھی ہو کر اس کی آنکھوں کی طرف پھری اور وہ صفت ترکان کے سوچ بچ کر
نیچے جھکی۔ جو اسی کو مضبوطی بخشتی تھی۔ سخت کی طرح ابھی نیزے سے بھولے ہوئے تیار کھڑی تھی۔ سنا دھلا تیرے
کے خوف نے اسے ناکارہ کر لیا کہ وہ کو ہلا دیا اور اپنے دل سے اس طرح کہنے لگا کہ مگر اس مجسم بیچے کیا لیا ہو۔ اس کو کیا
خطا آجھنا تو جعفر اور عباس کے چاہیے جو اس طرح خوف اور ڈر ہو کر اس کے عدم سے لائیکے باعث ہوئے کیوں؟

اس خیال کے آتے ہی اس کے چہرے پر ایک قسم کی بدیہی ناخوشی ظاہر ہوئی جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کا ارادہ
خیال سے ابھی مخالفت کر رہا ہو۔ مگر نہیں ایک ناکارہ گناہ بچے کے خون خرقہ میں پناہ مانگتا کوئی معافی گناہ تھا
خدا کا خوف ہر ایک پاک پر غالب آجائے الی خیر ہو۔ ہارون رشید یہ سم گیا اور بالآخر اس کو اپنی بات سے یہ کہہنا پڑا کہ
”اس کی کوئی خطا نہیں ہو۔ اس کو تم لوگ جہاں جی چاہے لیجاؤ مگر ایسی جگہ کہ ہم کبھی پھر اس کا نام نہ سنیں۔“

گویا یہ بہت رحم کا حکم تھا مگر جس لب لہجہ سے یہ سننے والوں کے کانوں تک پہنچا یا گیا تھا وہ بہت ہی خوفناک
لانے والے لوگ خیر اس کو شاہی نظر کے سامنے لے بٹالے گئے اور پھر نہیں معلوم یہاں سے لیجا کر خدا جانے کون
اس بچے کو کس پر دے میں پھپھار کھا کر اہل زبانی اس وقت کے بعد پھر اس کا ذکر بھی نہ سنا۔ ہارون رشید
اس وقت جس انتہائی درجے کے رحم سے کام لیا اس سے بظاہر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ شاید سلطان کی فکر کی جڑیں
ہوئی انگ کھٹا ب دیکھی مگر نہیں اس کے چہرے کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غصہ غضب کا شکار نہ ہوا
ہو اس کی گون میں بہت تیزی سے ساتھ آب بھی دوڑ رہا ہو۔ گویا اس کے ساتھ چم کے پیرجا با ضبط اور قفل کے
نشان بھی نظر آتے ہیں مگر وہ اس طرح نہ تھے سے ہیں جن طرح اب جعفر اور عباس کے اقبال اور عروج کے

چکڑا رہا ہے ایک طاقت اندیش اور ذہین شخص کی دور بین نگاہ میں دیکھ کر دھت کر نظر آتے ہیں۔
 گویا صابرا کے کی تلاش۔ ان کا پتا تھا اور پھر انکا زندہ اور سلامت نکلوا دیا جانا یہ سب باتیں بہت
 اخفا اور احتیاط کے ساتھ کی گئیں لیکن ایسی باتیں کیں بھی تھیں ہیں۔ ایک سے دوسرے کو دوسرے سے تیسرے کو خبر
 ہو گئی اور فوراً یہ خبر سارے لشکر میں پھیل گئی کہ وزارت پناہ اور شاہزادی عباسہ میں ایسا سا کچھ ہوا اور
 وہ لڑکا بھی بادشاہ سلامت کے حضور میں پیش ہو گیا۔ خیر جان تو اسکی سچ گئی۔ مگر شہر بدر بھی کر دیا گیا۔
 یہ سنتے ہی سب متحیر ہو گئے۔ سب کو اچھا سا ہو گیا۔ علی الخصوص وہ لوگ تو اسکی نیچے انگلی ہی دبا کر
 رہ گئے جھکو آتے۔ اب جعفر اور عباسہ کے عقد سے بھی خبر نہ تھی۔ مگر آہ۔ وہ گھڑی بہت ہی بڑی تھی
 جو وقت جنت کے کانون میں ان سب اوقات کی وحشت انگیز خبر ستم ڈھاتی ہوئی پہنچی۔ اُن! اُن!
 دل تھام کر رہ گیا۔ سوچیں جو اس کے تن سے نکلنے کے لیے ادھر ادھر ہر رگون میں ڈھونڈنے
 لگی اور دل کے ایک بیک اٹھنے والے بخارات آنکھوں کا حجاب نیکو دنیا کی گل کائنات کو اسکی نظر سے
 چھپانے لگے۔ دل کی افسردگی دیکھ دیکھ کر دل میں کی وہ تنگ گذرگا ہیں بند ہو کر رہ گئیں جنہیں جس اور حرکت
 کی قوتیں قدرتی طرز پر سیر کرتی رہتی ہیں اور تھوڑی دیر کے لیے بیخودی کی ایک کیفیت سی طاری ہو گئی
 خدا خدا کر جب اس حالت میں کچھ کی ہوئی تو رنج۔ اشتیاء۔ غم۔ فکر۔ بدنامی۔ عزت و آبرو کا اندیشہ
 پیاری عباسہ کی رسوائی اور اسکی جان کا خوف اور اس کے ساتھ اپنی جان جانے کا یقین آجانا یہ
 وہ باتیں تھیں جو بلائے ناگمانی کی طرح کیا بارگ جعفر کے دل پر ٹوٹ پڑیں اور اپنے اڑے ہوئے حواسوں کو
 مجتمع کر اسطرح اپنے دل سے کہنے لگا آہ۔ اب کیا ہوگا! جسکا جواب اسکے افسردہ اور بایں دل نے بہت
 نامیدہ سی کے ساتھ اسطرح دیا۔ بس اب کیا ہونا ہو۔ جو مقدر میں تھا وہ ہو گیا۔ اب جان بچنے کی
 کوئی صورت نہیں۔ بس فقط حکم کی دیر ہو۔ ایسی نافرمانی اور ایسا قصود دیکھ کر کوئی کسی کے دگر کر سکتا ہو
 ہرگز نہیں۔ اور پھر بادشاہ وقت! کبھی نہیں ہو سکتا! آہ۔ اس اندیشے اور خوف کے تو میں ہیشاں سے
 کھنچا کھنچا رہتا تھا۔ مگر باغ میں اُس دن انکی چھین کر لینے والی حرکتوں اور زبردستی کے ارادے نے
 جھکوا بھل مجبور کر دیا۔ آہ! سوقت میں اندھا ہو گیا تھا۔ کچھ نہیں سوچا۔ پیاری شاہزادی یہ سب تھا کہ
 ہی عنایتوں کے نتیجے ہیں۔ اگر تم جھکو اسطرح مجبور نہ کرتیں تو شاید مجھ سے ایسی حرکت کبھی نہ ہوتی مگر جنہیں
 تمہاری بہن کیا خطا! اگر بادشاہ سلامت سیر تمہارے درمیان سے وہ شرعی چہ نہ تھا دیتے جو اسکا
 صدمہ خراب ہو سکتا ہے کیے مرد اور عزت کے درمیان میں چھوڑا گیا ہو تو ایسا کیوں ہوتا لیکن
 نہیں۔ انصاف شرط ہو۔ انھوں نے بھی شرع اور محبت کی وہ مجبور کر دینے والی ضرورتوں سے لاپرواہ ہو کر اس امر کو

جائز رکھا تھا۔ ورنہ وہ ایسا کیوں کرتے کچھ نہیں۔ یہ خوبی تقدیر تھی۔ آخر میرے مارج اور مرثیہ کی کوئی انتہا بھی تو ہونی چاہیے تھی۔ ناپیشک ملاطین کی مصاحبت بہت اندیشناک چیز ہے بیشک دوسری پہنا چلیے۔ مگر آہ پیاری شانزدہ کی کیسی رسوائی ہوئی۔ ہاسکے جب وہ یہ خبر سنیں گی تو اس کے دل کی کیا حالت ہوگی۔ آفت غضب ہو گیا۔ بڑا غضب۔ میری جان کی آہ کیسی طرح خیر نہیں ہے ان خیالات کے آتے ہی اسکی طبیعت نے محدود کی طرح پھر رنگ بدلا۔ اس بیکار سے ہو گئے اور یہ مٹھ چھا کر نہیں دینا ہے بالکل بیزار ہو کر پلنگ پر گر پڑا۔

یہ خبر فوراً اس کے باپ بھائی اور بھائی فضل اور موسیٰ کو بھی ہو گئی جو اتفاق سے اس مفرح بادشاہ کے ہمراہ تھے اور ان سبکو بہت بڑے صدمہ اٹھانے کے ساتھ یہ امر بھی طرح یقین آنے لگا کہ دنیا ایک چھوٹا والا مقام ہے اور اسکی سب چیزیں فنا ہونے والی۔ ہارون رشید کا طیش بہت ترقیوں پر تھا۔ اس کی طرح جس وقت سچ کو دیکھا ہو غصے کے مارے اپنے اختیار میں نہیں ہو کر سے میں بھی ادھر سے اُدھر ملتا رہو اور کچھ ٹھیکہ جاتا ہو ایک بیک خدا جانے اس کے دل میں کیا خیال آیا کہ اگر اسوقت رات بھی گئی تھی مگر اس نے سنسری بن شاہک کو طلب کیا اور جیت آیا تو بہت سرگوشی کے ساتھ آپس میں کچھ باتیں ہوئے لیکن اسوقت اس جگہ اور کوئی شخص تھا اور باتیں جس احتیاط کے ساتھ کجائی تھیں اس سے ایسا خیال ہوتا تھا کہ شاید یہ بہت راز کی باتیں ہیں اور جس پورے وہ کجائی ہیں اس طرح طبع کی ہنگامیان میں اس میں اتنی ہیں۔ ہارون رشید نے اسوقت اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ کر دیا اور پھر دیر تک کچھ سمجھا رہا۔

تقریباً ایک گھنٹہ تک ان باتوں کا سلسلہ قائم رہا اور بالآخر سنسری بن شاہک کا داب تلبلیات بجالا کر کچھ اس طرح رخصت ہو گیا جس طرح کوئی بڑا امر اہم انجام دینے کے لیے کہیں دور جاتا ہو۔ یہ شخص بیان سے نکل کر سید صالحی فرود گاہ پر پہنچا اور وہاں سے اپنے ساتھ کے سپاہی ہمراہ لیکر سیوقت آدھی رات کو شمال اور مشرق کی طرف سے روانہ ہو گیا اور ان صاحبزادے کے یہاں سے جہانے پرچہ اولاد کو وقت کے پورے مصدق تھے آپس میں چار روز کا نام نہ لگد رگیا ہو لیکن ہارون رشید کے طیش اور غضب کا ہوا جسک آپس طرح بڑھا ہوا ہے جس طرح جعفر کا دلی صدمہ اور غم اس انتہائی حد پر پہنچا ہوا ہے جسک بعد محض کسی اور کو کچھ نہ نہیں کر سکتی۔ اس باتیں میں گو کوئی جلعنہ والا دن اور آنے والی رات ایسی تھی کہ جس میں ہارون رشید اور جعفر کی کجائی نشست نہ ہوتی ہو۔ لیکن ان واقعات کا تذکرہ آنا کیا سنی کبھی ہرگز اور کیا تو کو بھی فیصل تھا کہ وہ اشارے ہی اشاروں میں ایک دوسرے سے کچھ کہتا لیکن دونوں کے دل کی جو حالت تھی اسکو وہ خود ہی

ام یہ ایک بہت بڑے مہر شہر کا نام ہے جس پر ہارون رشید کو بہت ڈکاوا اور اٹھا تھا اور وہ باتوں کی کار میں کسی عمدہ طریقہ پر رہتا تھا ۱۲

خوب جانتے تھے یا خدا جانتا تھا جعفر کا کھانا پینا پھوٹ گیا تھا اور خوف اور اندیشہ کے مارے
اُس کے خون نے خشک ہو کر اُس کے رنگ کو بالکل ہلکی سی رنگ بین لگایا تھا۔ خوشی نے جعفر کے
بھی اُس کے دلمین کئے۔ ہنسی نے اُس کے خشک ہونٹوں پر اور جان پہنچنے کے خیال نے اُس کے دماغ میں کئے
کی قسم کھالی تھی مگر وہ ایسی خراب حالت میں اُس کی موت کو بھی خدا جانتے کیا دل لگی سو بھی تھی کہ
وہ تنہا کر کر اُس کو ملتا تھا مگر وہ سامنے دور سے کھڑی ہوئی اُس کی صورت دیکھ کر وہی تھی مگر تپا
نہیں آتی تھی۔ اُس کے جھنڈے ہوا خوار تھے وہ بھی یہی طرح کانپ رہے تھے اور شخص سی سج تھا کہ دیکھ کر ہنسا
یہ سب ایسی امیدیں ہیں جتنی کہ کیا ملے گی ہارون رشید نے کئے سے کوچ کیا اور جاتے جاتے عمر میں خیرہ لایا۔
تین روز تو معمولی طور پر رہا مگر قیام رہا لیکن چوتھے روز صبح جوتے ہی ہارون رشید نے اسی مقام پر ایک تین
عظیم کیا جہیز ساتھ کے سب معزز لوگ شریک کیے گئے۔ گو یہ صحبت کا نئے دور اس کی کے اعتبار سے پیش کی
لیکن عام قاعدہ ہو کہ جب کسی طبیعت غلگین ہوتی ہو۔ دل پریشان ہو تا ہو تو پھر اُس کو کچھ اچھا نہیں معلوم
ہوتا۔ اسی اعتبار سے چونکہ سب لوگ جعفر کے باب میں اندیشناک تھے اس لیے کسی کو بھی کچھ لطف نہیں مل سکا
ہاں یہ مقرر ہوا کہ سب دیکھنے والے بادشاہ کی آج بے انتہا نظریات جعفر کی طرف دیکھ کر کھینچنے لگے
دلمین کئے لگے کہ شاید اب تل اللہ کا غصہ فرو ہو گیا اور خطا معاف کر دی گئی ہو اور حقیقت میں ہارون
نے آج جعفر کا جس قدر اعزاز کیا جس قدر مہرہ رحم کے ساتھ وہ اسے پیش کیا وہ بظاہر ضرر اس امر کا
یقین دلاتے تھے کہ ہارون رشید کو جعفر پر بلا شبہ رحم آگیا۔ اس نے جعفر کے اُن سب اعزاز کو اس شخص
شریفیت بہت انعام الازم دیا اور جعفر کو ایک گران با خلعت دیکر اپنے پہلو میں خاص اُس سپریشٹے کیلئے
مجبور کیا جس پر وقت وہ خود رونق افروز تھا اور جس کی فرو و بشر کا قدم پہنچا کیا مگر یہ نظریہ طیف حیر کے لیے بھی تھا
رحم و اب کی سخت مخالفت تھی کہ بے ادب کر وہاں تک ہرگز نہ پہنچے لیکن آج کی یہ بے عمل اور غیر معمولی
عنائیں دیکھ کر جعفر کے اور بھی ہوش حواس اُڑے جاتے ہیں۔ اس وقت اس کا ذرا سا متھل لگا ہوا تھا اور
اپنی بے اختیار طبیعت کو زبردستی سنبھالنے لگے اپنے دل سے یہ باتیں کر رہا تھا یہ کیا معاملہ ہو گا جو آج
کچھ رنگ بیٹھ رہا ہے۔ یہ غنائت۔ یہ خلعت۔ یہ اعزاز اور یہ ہنس ہنس کر باقی کر خالی راز غلت کر
میرا دل آج سینے کے اندر یہ طرح کانپ رہا ہو۔ انہیں معلوم کیا ہو نہ والا ہو۔ نہ لانا نہ خیر کرنا خیر
گو انہیں خیالات کی وجہ سے اس کا دل اس وقت یہاں کی شش کے بالکل بیزار تھا لیکن جس طرح اس سے
ہو سکا جو اُردو پر تک یہاں بیٹھا رہا لیکن ظہر کے بعد سچا رہا یہ بیٹھا گیا اور مجبور ہو کر اس نے اپنے
۴ یہ ایک مقام کا نام ہے جو صوبہ انار میں شہر رڈ کی طرف واقع تھا ۱۲

خیچے کی طرف چلے گا قصبہ کیا۔ اس وقت بھی یہ ایک بالکل نئی بات تھی مگر کئی خلاف دستور
ہارون شہید مخالفت کے طور پر اسکے ساتھ اس مقام تک گیا جس جگہ جعفر کی سواری تھی۔ یہ بے انتہا
عنایتیں کچھ دیکھ کر جعفر اپنے دل میں سوچا جاتا تھا لیکن کیا کہہ سکتا تھا۔ بہت دیر بچے کے ساتھ
ہارون ارشد کے مکان میں روانہ ہوا کہ اس کا شکریہ ادا کیا اور سوار ہو کر چپ خیمہ اپنے خیمے کی طرف چلا گیا۔

جعفر کے جانے کے بعد یہ صحبت بھی درخواست ہو گئی اور ہارون ارشد بھی بیان اسٹھ کر اس خیمے میں چلا گیا
جس میں اس کی عورتوں کی زمین رہتی تھیں۔ مینہ کا دور چلنے لگا اور سرد ہوا جانے کے لئے خوش گلوں کی زمین
کی مست آواز اسکے کانوں کی بھری ہوئی ہو این موج پیدا کرنے لگی۔ یہ اسی لطف کی صحبت میں بیٹھا
ہوا تھا کہ نہیں معلوم اسکے دل میں کیا آیا کہ اسنے ایک شخص جعفر کے پاس اس غص سے بھیجا کہ وہ جا کر دیکھ آئے
کہ جعفر اس وقت کس حال میں ہو جعفر کا خیمہ ہمارے بہت فاصلے پر نہ تھا مگر ڈیڑھ میں جا کر دیکھنے کے لئے آکر
بیان کیا کہ حضور وہ تو اس وقت چپ چپ ٹھہرے ہیں، ہارون نے یہ سنتے ہی حکم دیا کہ جاؤ اور راجی
طرف سے کہو کہ انجناب آج کی شب کینروئے کے ساتھ عیش و نشاط میں مشغول ہیں آپ بھی ہماری خاطر
داو عیش طرف دیکھئے اور شراب کباب کی صحبت گرم کیجئے یہ بادشاہ کا کوئی معمولی حکم نہیں تھا جو فقط
ایک بار زبان سے کہہ دیا جاتا۔ نہیں۔ بلکہ اسکو اس وقت تک کسی طرح میں نہیں آیا جتنا کہ ہارون نے
اپنے کانوں سے یہ نہیں سُن لیا کہ جعفر نے اُس کے حکم کی تعمیل کی۔

آب رات کے تھینا دس بج گئے ہیں اور خدا جانے بادشاہ سلامت کو کتنے بیٹھے بیٹھے ایسا کیا کیا
آگیا ہو کہ وہ بیکارگی اس صحبت سے اٹھ کر باہر چلا آیا ہو اور تھیلے کے خیمہ میں بیٹھا ہوا اپنے متعہ
خادم مسرور سے کچھ آہستہ بہت احتیاط کے ساتھ باتیں کر رہا ہو۔

اٹھارہواں باب

سلاطین کا قرب

مجموعہ دربار غمیں مین مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری میکی کی شرم

قری عینے کی آج آخری تاریخ ہو اندوہ بھی محرم کی۔ رات کا وقت ہوا اور رات بھی اندھیری اور ہائے
وہ بھی سنہری۔ افوہ۔ معاذ اللہ کیسی بھیجا تک اور ڈرونی رات ہو۔ پناہ بخدا! دل نہ بچ گئے ہیں اس
میدان میں خدا جانے کہاں کی محنت برس ہی ہو جہیں ہارون ارشد کا آج کی روز کے کچھ بچے۔ اس میں

وہ چلے والا ہر ستارہ جو تقریباً تیس دن میں اپنا سارا دورہ تمام کر جاتا ہو کج خوف کے مارے لوگوں کی نظر بچائے ہوئے چوتھے آسمان پر جا کر چھپ با ہو اور جن ستاروں کی رفتار اس قدر تیز نہیں جو انہیں سے اکثر تو کسی کا قطعہ دہان نا بنے ہوئے آسمان پر موجود ہیں اور بعض سطح آسمان سے ٹوٹ کر چھڑتی ہوئی ہوائیوں کی طرح ادھر سے اُدھر بھاگتے ہوئے جا رہے ہیں۔ ہوا گھبرا گھبرا کر چل رہی ہو اور طیش سے اُن کی روشنی بخشنے والی چیزوں پر زامن مار رہی ہو جو یہاں روشن مہین جیسے ساتھ ہی چلتی ہوئی وہ آگ بھی انکرم بخود ہو جاتی ہو جو لشکری لوگ بھی جا بجا روشن کر رہے تھے اور پھر رہ رہ کر کیا بتیال کی طرح جا بجا چمک بھی اٹھتی ہو چکی روشنی شمعائیں اسوقت کی ہوا کا بدلا ہوا رخ دیکھ کر کانپتی ہوئی اس تاریکی میں بھی اُن خیموں کو بتا دیتی ہیں جو اس میدان میں نصب ہیں اور جنکو آج میں بھی اپنے یہاں دیکھا تھا مشرق کی طرف ہارون رشید کے خیمے ہیں اور مغرب جو بکے کوئے میں جعفر کے۔ اور ادھر ادھر اور اُن لوگوں کے ڈیرے خیمے جو اس سفر میں بادشاہ کے ہمراہ رکاب ہیں لیکن بات چونکہ کاپے پاؤ اگئی ہو اسوجہ سے سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں آرام کر رہے ہیں اور وہ سناٹا اور بھی ترقی کرنا چاہتے ہیں جبکو چرنے اسوقت کے لیے ازل سے مخصوص کر دیا ہو مگر ان سرپردہ شاہی میں ساز چھڑ رہا ہو اور جعفر خیمے سے بھی کچھ سرلی سرلی صدائیں نکل کر ہوا میں ملی ہوئی چاندو غلط جھیل رہی ہیں۔ یاران بہم اور جوش کینین جعفر کے پاس حاضر ہیں اور ایوڑ کا نہ بٹھا کچھ الاپ رہا ہو۔ لیکن یہ عجیب بات ہو کہ اسوقت یہاں کچھ اس درجہ اوداسی اور وحشت برس رہی ہو کہ الامان انھیضہ نہ آئے کھونچے کبھی دیکھ اور نہ کانوں سے سنی۔ ساز کے پرے بہت شیون کے ساتھ بول رہے ہیں غنچہ میں ہو ہو نالہ کی کیفیت پائی جاتی ہو۔ اور سنے والے کانوں کو بجائے اسکے کہ انکو کچھ حظ حاصل ہوا تھا تائی دیکھ کی۔ یہ بطنی ہو رہی ہو۔ سب کچھ اوداس اوداس معلوم ہو رہا ہے۔ اور جعفر سرچھکائے غمگین بیٹھا ہوا ہو۔ شمعیں گور روشن ہیں مگر فرش پر جھللا جھللا کر گرنے والی انہی اوداس روشنی۔ اسکی کو کے منہ سے سیاہ سیاہ نکلتا ہو اودھوان اور نیچے گلن ہیں ٹپ ٹپ گرنے والے رائے آسواپنی زبان حال سے دیکھنے والے کو اچھی طرح سے بتا رہے ہیں کہ یہ بھی بڑی رنگدازی کے ساتھ اسوقت کسی کے غم میں ناز قطار رو رہی ہیں۔ میکشی کا سامان اگوسانے قرینے سے لگا ہوا ہو مگر لوگوں کی نظریں پھری دیکھ کر دشت ریزہ غصہ میں آگ بھسکا ہوا ہے۔ مٹی ہی جو جام کسی کی چشم منظر کا نقشہ اڑا کے ہوئے تھے۔ مینا اپنا خون شدہ دل بڑا بڑا بین لے چھپ رہا اور وہ سناتے صدائیں کہیں کان میں نہیں آتیں جو اسی شرب کباب کی صحبتوں میں سیتھے کے منہ کے نکل کر سیر طرہ میں آگدہ می پیدا

۴۔ ایک تابیا سنی کا نام ہے جو جعفر کی سرکار میں لگو کر تھا۔ وہ اپنے زائے کا مشہور گزرا تھا ۱۱

کر دیتی ہیں جس طرح کسی پرچم کی سناں چال میں بازیب کی دلکش جھنکار کچھ عام سننے والوں پر موقوف نہیں ہڑے ہڑے اٹھا بکھارنے والوں کے دلیں بھی ایک سیامت بپا کر دیتی ہیں صحت کا یہی رنگ تھا۔ اُداسی اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ حاجب نے اگر عرض کیا یہ پروم شد۔ بادشاہ سلامت نے کچھ تحفہ بھیجا ہی اگر حکم ہو تو حاضر کیا جائے؟

جعفر (اپنے دل میں) ”یہ اللہ آج کی مرتبہ تحفے آئیں گے۔ شام سے اس وقت تک تین مرتبہ تو آپکے ہیہ (بہت پست آواز اور صست لہجے میں) اچھا اور اجازت ہوئے ہی کشیدمان لایو لوں نے سنا لاکر لگا دیں۔ انہیں سے ایک میں طرح طرح کے میوہ جات تھے۔ ایک میں قلعہ غیرہ اور ایک میں کچھ عطیات اور خورکی چیزیں تھیں جنکو جعفر ایک نظر دیکھ کر چپ رہ گیا اور پھر بادشاہ کی اس عنایت کا شکریہ ادا کر کے اپنے اُن لوگوں کو رخصت کیا جو لے کر آئے تھے لیکن یہ عجیب بات تھی کہ بارون رشید کی یہ عنایتوں پر عنایتیں اُسکے نگاہیں دل کے لیے کچھ بھی مسرت کا باعث نہ تھیں۔ اُداسی اُسکے چہرے پر ترقی ہی کرتی جاتی تو اور یہ چپ بیٹھا ہوا اپنے دل سے یہ باتیں کر رہا تھا ”نہیں معلوم کیا بات ہو جو آج صبح سے پھر بادشاہ کی یہ برابر عنایتوں پر عنایتیں ہو رہی ہیں۔ کسی طرح سلسلہ منقطع ہی نہیں ہوتا۔ اس سے پہلے تو ایسی کبھی عادت نہ تھی۔ اور پھر بلا وجہ۔ بے سبب!۔ اور وہ بھی ایسے جرم اور قصور کے کھل جانے کے بعد۔ اچھے نہ کچھ حال میں ضرور کالایو۔ میں تو اب اُنکی طرف سے ایسا خوف زدہ ہو رہا ہوں کہ اب اُنکے خلاف معمول ایسی عبرتیں بھی جو دیکھنا ہوں تو اور بھی مل جاتا ہوں۔ آج صبح سے سلو میں ان میں دھڑک رہا ہوں۔ خدا جانے کیا ہو نیا لایو۔ اُٹ! کس بلا کی اُنھیں ہے۔ نہیں معلوم ان باتوں کی خریداری شاید ہی کو بھی ہوئی کہ نہیں۔ شاید ریاس نے لکھا ہو تو لکھا ہو۔ لیکن مجھے وہ نہیں ملا۔ مگر ہاں اس انتشار اور گھبرائش میں اس کو ایسا موقع ہی کمان مل سکتا تھا لیکن ہائے پیاری شاہزادی کو جب یہ خبریں پہنچیں گی تو اُس کے نازک دل کی کیا حالت ہو جائیگی۔ اور آہ! دیکھیے اُسکے بھائی صاحب اُسکے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں (جھمک کر) خدا کی پناہ اندر سے دل کا پناہ جاتا ہو۔“

یہ اضمین خیالات کے دریا میں غوطے کھا رہا تھا کہ جبریل بن مستوح نے اسکو ہتھکا پریشان دیکھا غم غلط لکھے خیال سے کہا ”آخر آج آپ پریشان کیوں ہیں؟ بادشاہ سلامت کی آج کی عنایتیں دیکھ کر اب تو یقین ہو چکا کہ لکھ آپ بالکل صاف ہو گئے اور گذشتہ باتوں کا اب مطلق خیال نہیں رہا اور چاہے یہ بھی یہی تھا۔“ جعفر (ایک ٹھنڈی سانس لے کر) ”جی ہاں درست۔“ نگلے آئے زبان پر یہ شکایت آئی۔ اور صاف ہو گئے۔ اس طرح کوئی کہیں صاف ہوتا ہی؟

جبریل بن بخششوعؓ ہاں بیشک آج صبح تک بہت خوف کا عمل تھا۔ جگو خود طرح طرح کے اندیشے تھے لیکن جو آپؐ بن آپکے ساتھ آج وہ جن شہزادہ مرہم سے پیش لگے ہیں ان سے کبھی قسم کا خیال نہیں ہو سکتا۔ جھنڈہ کیا کہتے ہو۔ یہ سب دکھانے کی باتیں ہیں۔ آہ! میں آج انھیں عنایتوں سے تو اور بھی کھٹک رہا ہوں۔“

جبریلؑ نے نہیں حضورؐ آپ کس خیال میں ہیں۔ خدا نخواستہ۔ خدا نخواستہ۔ اگر اُنکے دل میں کسی قسم کی برسی ہی ہوتی تو انکو پھر اس اظہاری التیام کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ آپ اب کچھ شراب کا شغل کیجئے۔ غم اور اندوہ کے دور کرنے۔ دل خوش رکھنے اور میرے خیالات اور خواہاں بدلنے کے لیے دنیا میں اس سے ابھی اور کوئی چیز نہیں ہے۔“ اور اُس کنیز کی طرف اشارہ کیا جو اسوقت ساتھی گری کی خدمت پر مامور تھی کہ نہ تو فوراً ایک جام بھر کر جھنڈے کے رو برو پیش کیا جو جھنڈے کو جبریل کے بیچارے سے غیرتی تو لیا مگر آہ سیڑج منھ بگاڑ بگاڑ کر صلیح زہر کے ٹوٹ پڑے جالتے ہیں۔ شراب نے حق سے نیچے اُترتے ہی اپنا فرحت بخش اثر دکھایا۔ دلی بالقاض میں کچھ کچھ کمی ہوئی طبیعت کی صفہ بھلی چمک چمک کچھ رنگ بدلا اور یہ ابودکاؤغی سے مخاطب کر اس طرح کہنے لگا کہ کوئی ابھی چیر گاؤں اور پھر خاموش ہو گیا۔ اب آدھی رات قریب آگئی ہو صحبت اُسی رنگ پر ہو اور ابودکاؤغی بہت کلمے بازی کے ساتھ امین کے برٹن میں یہ گارہا ہو۔“

قلعہ تبعد کل فتنہ سیاقی	علیہ الموت یطرق اوبینادی
مرگ در مردمان ہمہ آید	باہادور شہباز گنگہ و بیگاہ
وکل ذخیرہ لا بدیوماً	وان بقیت نصیر اکتے اقصا و
گر چہ پنهان کنی از خود را	آشکارا کتہ ر بھوید راہ
ولو فودیت من حارث الیالی	فدیتک بالطفیف و بالتواد
انخسہ داری پست اگر بہی	حسہ نیابی از تو بچ پناہ

ابودکاؤغی اس آخری مصرعہ کو ابھی طرح ادا بھی نہیں کرتے یا ہاتھ لگایا کی جیسے کے صدر و رداؤ کی پڑی ہوئی چلیں اٹھی اور مسٹر راندر داخل ہوا سب فرش اُکڑ کچھ ٹھٹھا اور حرکت کر بیان کا رنگ صحت دیکھنے لگا۔ چلن کے اٹھتے ہی جھنڈے کی آنکھ بھی اٹھی اور وہ مسٹر کو اسوقت تک بیک و بچ کر گھبرا گیا۔ اس کے دلی انتشار نے اسکے دلیں ابھی دو ایک انقلاب بھی نہیں پیدا کیے تھے کہ جو آؤنے اگر اُنکے کان میں کہا کہ حضورؐ یہ اسوقت بلا اجازت حاصل کیے انھیں چلے گئے ہیں۔“

جعفر کے دل میں الجھن تو پہلے ہی سے ہو رہی تھی جو اس کی یہ تقریر سنتے ہی اور بھی اسکے ہوش و حواس کو ہلکا کر دیتی تھی۔ اس کی گویہنت ہی بڑی حالت کر دی تھی مگر پھر بھی بہت استقلال کے ساتھ اس نے اپنے ہوش و حواس کو سنبھالا اور مسرور کی طرف متوجہ ہو کر اس طرح کہنے لگا "مسرور! اس صحبت میں تمھارے آنے سے تو میں بہت مسرور ہوا لیکن اس طرح اچانک اور بلا اجازت اور بچھڑنا اگر ایسے بے وقت آنے کے باعث ہو تو اتنا سخت انتشار میں مبتلا کر دیا ہی نہیں ہو کہ ان آگے؟ آئیے بیٹھیں" مسرور نے جی ہاں انتشار کی بات ہی ہو۔ یہ بھی کوئی آنے کا وقت تھا۔ آدھی رات کو۔ مگر بادشاہ سلامت کا حکم کیا کیجیے؟

ان الفاظ کو مسرور نے کچھ اس لمحہ و لمحہ سے ادا کیا کہ جیسے ادب کا وہ پہلو ہرگز نہ تھا جو ایک خادم کی تقریر میں وزیر سلطنت سے گفتگو کرتے وقت ضرور ہونا چاہیے جس کی وجہ سے جعفر کے انتشار کو کچھ اور بھی مدد ملی۔ مگر پھر اس نے اپنے دل کو سنبھالا اور کہا "خیر یہ کیا حکم ہو؟ کیسے؟" مسرور نے جی ہاں دیکھے غرض کرتا ہوں۔ مگر راز کی بات ہی اس طرح علانیہ نہیں کہنا چاہیے۔ یہ سنتے ہی جعفر کو کچھ ایسی الجھن ہوئی کہ وہ گھبراہٹ میں ہاں سے اٹھ کر اُس جگہ خود ہی چلا آیا جہاں مسرور کھڑا تھا۔ لیکن چونکہ یہاں بھی ہی اندیشہ لگا ہوا تھا کہ کوئی اُسے اس وقت جعفر خیمہ سے نکال کر اُس شہنشاہ کے نیچے چلا گیا جو یہی خیمہ کے سامنے نصب تھا اور مسرور سے پوچھنے لگا "ہاں کیا حکم ہو؟ کیسے؟"

مسرور نے دیکھے غرض کرتا ہوں۔ ذرا اور تکلیف ہوگی۔ یہاں سے حاجب قریب ہی۔ شاید منے کے وقت اس طرف اور بڑھ آئیے۔ اور یہ کہرا آہستہ آہستہ چلے لگا۔ خود ہی اور گھبراہٹ کے عالم میں جعفر بھی مسرور کے ساتھ ساتھ چلا جاتا تھا لیکن چارابی قدم چلنے کے بعد اسکے پاؤں خود بخود سیڑج و قلعہ سے فے کر زمین اُٹھ گئے جس طرح ٹھہر جانے کے قریب آہستہ آہستہ چلنے والے کے قدم دیر میں اُٹھتے ہیں اور مسرور نے اس کی قنار کا رنگ بدلا دیکھا اس اندیشہ سے کہ شاید اب یوگنٹ جائے اس طرح تقریر شروع کی "موجودہ! میں ابھی اپنے خیمے میں رہا تھا کہ بادشاہ سلامت نے مجھ کو یاد فرمایا اور جب میں حضور میں حاضر ہوا تو اس طرح ارشاد ہوا "میں نے اس وقت تجھ کو یاد کیا کہ کام کے لیے بلا یا ہو جس کے قابل میں۔ امین۔ امون۔ اور قاسم کو بھی نہیں سمجھتا تجھے ہو سکے گا؟" میں نے عرض کیا "مسرور! کھنوج۔ جوارشاہ ہو۔ اگر حکم ہو کہ میں اپنا گلا اپنے آپ سے خود کاٹ لوں۔ تو دوائے غلام خوشی سے اس کے لیے بھی حاضر ہوں (پست لیسے میں) اُنھہ۔ اب تو یہ آدمی بالکل قریب آگے ہیں میں لین گے۔ آگے بڑھ چلے تو عرض کروں" اور خاموش ہو گیا۔

جن آدمیوں کو مسرور دیکھ کر اس وقت چپ ہو رہا تھا۔ وہ وہی پہرے والے لوگ تھے جو ہمیشہ پہلے جعفر کے

جبریل بن بخشش "ہاں بیشک آج صبح تک ہم خوف کا محل تھا۔ بجاو خود طرح کے اندیشے تھے لیکن جنو آب بنیں۔ آپ کے ساتھ آج وہ جن غمزدہ مراحم سے پیش آئے ہیں ان سے کبھی اس قسم کا خیال نہیں ہو سکتا جعفر کیا کہتے ہو۔ یہ سب دکھانے کی باتیں ہیں۔ آہ! میں آج انھیں عنایتوں سے تو اور بھی کھٹک رہا ہوں۔"

جبریل نے نہیں حضور۔ آپ کس خیال میں ہیں۔ خدا خداستہ۔ خدا نتختہ۔ اگر ان کے دل میں کسی قسم کی بدی ہی ہوتی تو انکو پھر اس اظہار ہی القیام کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ آپ اب کچھ شراب کا شغل کیجیے۔ غم اور اندوہ کے دور کرنے۔ دل خوش رکھنے اور میرے خیالات اور توجہات بدلنے کے لیے دنیا میں اس سے ابھی اور کوئی چیز نہیں چہچہیے۔ اور اس کمینہ کی طرف اشارہ کیا جو اس وقت ساتی گری کی خدمت پر مامور تھی کمینہ نے فوراً ایک جام بھر کر جعفر کے رو برو پیش کیا۔ جعفر نے گوجرل کے بیچارے سے غیری تو لیا مگر آہ اس طرح ٹھنڈا بگاڑ کر صراح زہر کے ٹھوٹ پیے جاتے ہیں۔ شراب حلق سے نیچے اترتے ہی اپنا خروش نش اثر دکھایا۔ دلی انقباض میں کچھ کچھ کمی ہوئی طبیعت کیستہ سے تسخیر ہو گیا۔ کچھ رنگ بالا اور یہ ابو ذر مثنیٰ سے مخاطب ہو کر اس طرح کہنے لگا کہ کوئی اچھی چیز گوارہ نہ ہو۔ اور پھر خاموش ہو گیا۔ اب آدھی رات قریب آگئی ہو صحبت اُسی رنگ پر ہو اور ابو ذر کا بہت گئے بازی کے ساتھ امین کے مرثن میں یہ گارہا ہو۔"

علیہ المبت یسرق او یبناوی
بامداد و شبانگہ و بیگاہ
وان بقیت تصویرائے اقتصاد
آشکارا کند بجوید راہ
فدیتک بالطریق و بالتلاو
صسم نیابی از تو بیچ پناہ

فلا تبعد کل فی سیاقی
مرگ در مردمان ہمہ آید
و کل ذخیرہ لا بدیو ما
گر چہ پنهان کنی از خود را
و لو فودیت من حدث الیامی
انخپم داری بدست اگر بدی

ابو ذر ابھی اس آخری مہرہ کو اچھی طرح ادا بھی نہیں کرتے پایا تھا کہ کیا رنگی عجمی کے صدرہ رواؤ کی پڑی ہوئی چلن اٹھی اور مسرر اندر داخل ہوا سب فرش آکر کچھ ٹھٹھا کا اور رنگ کریمان کا رنگ صحت دیکھنے لگا۔ چلمن کے اٹھتے ہی جعفر کی آنکھ بھی اٹھی اور وہ مسرر کو اس وقت تک بیک دیکھ کر نگہ لگایا۔ اس کے دلی انتشار نے اسکے ذمیں ابھی دو ایک انقلاب بھی نہیں پیدا کیے تھے کہ جواو نے اگر اسکے کان میں کہا کہ حضور۔ یہ اس وقت بلا اجازت حاصل کیے اندر چلے آئے ہیں۔"

جعفر کے دل میں الجھن تو پہلے ہی سے ہو رہی تھی جو ادنیٰ یہ تقریر سننے ہی اور بھی اسکے ہوش و حواس کو گھٹا دینے لگا۔ اس وقت اس کی گونہت ہی بڑی حالت کر دی تھی مگر پھر بھی بہت استقلال کے ساتھ اس نے اپنے ہوش و حواس کو سنبھالا اور سرور کی طرف متوجہ ہو کر اس طرح کہنے لگا: ”موسر ورا۔ اس صحبت میں تمھارے آنے سے تو میں بہت مسرور ہوا لیکن اس طرح اچانک اور بلا اجازت اور بے خبری سے ایسے بے وقت آنے نے البتہ مجھ کو سخت انتشار میں مبتلا کر دیا ہے۔ خیر ہر کسان آئے ہے۔ آئیے بیٹھے“ مسرور بھی بان انتشار کی بات ہی ہے۔ یہ بھی کوئی آنے کا وقت تھا۔ آدھی رات کو۔ مگر بادشاہ سلامت کا حکم کیا کیجیے۔“

ان الفاظ کو موسر ورا نے کچھ اس لب و لہجہ سے ادا کیا کہ حسین ادب کا وہ پہلو بھرتا نہ تھا جو ایک خادم کی تقریر میں وزیر سلطنت سے گفتگو کرتے وقت ضرور ہونا چاہیے۔ جبکی وجہ سے جعفر کے انتشار کو کچھ اور بھی مدد ملی۔ مگر پھر اس نے اپنے دل کو سنبھالا اور کہا: ”خیر ہر ایک حکم ہو۔ کیسے؟“ مسرور بھی بان دیکھ کر عرض کرتا ہوں۔ مگر راز کی بات ہی اس طرح علانیہ نہیں کہنا چاہیے۔ یہ سننے ہی جعفر کو کچھ ایسی الجھن ہوئی کہ وہ گھبراہٹ میں بان سے اٹھ کر اس جگہ خود ہی چلا آیا جہاں مسرور کھڑا تھا۔ لیکن چونکہ یہاں بھی یہی اندیشہ لگا ہوا تھا کہ کوئی شے لے آئے ہو تو جعفر جھجھکے سے نکھڑ کر اس شے کے نیچے چلا گیا جو اسی غیمہ کے سامنے نصب تھا اور مسرور سے پوچھنے لگا: ”بان کیا حکم ہے؟ کیسے؟“

مسرور نے دیکھ کر عرض کرتا ہوں۔ ذرا اور تکلیف ہوگی۔ یہاں سے حاجب قریب ہو۔ شاید مرنے لے۔ دو قدم اس طرف اور بڑھ آئیے۔ اور یہ کہہ کر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ بخودی اور گھبراہٹ کے عالم میں جعفر بھی مسرور کے ساتھ چلا جاتا تھا لیکن چار ہی قدم چلنے کے بعد اسکے پاؤں خود بخود وسیط طرح وقفہ سے نہ کر زمین اٹھنے جسطرح ٹھہر جانے کے قریب آہستہ آہستہ چلنے والے کے قدم دیر میں اٹھتے ہیں اور مرنے لگے۔ اس کی رفتار کا رنگ بدلا دیکھ کر اس اندیشہ سے کہ شاید رات بیک جاٹے اس طرح تقریر شروع کی: ”موجود! میں ابھی اپنے غصے میں رہا تھا کہ بادشاہ سلامت مجھ کو بلا دیا اور جب میں حلقوں میں حاضر ہوا تو اس طرح ارشاد ہوا: ”میں نے اس وقت تجھ کو بلا دیا کہ کام کے لیے بلا دیا ہے۔“ ”میں۔ امون۔ اور قاسم کو بھی نہیں سمجھتا۔“ ”تجھے ہر سب کے گاہ؟“ ”میں نے عرض کیا ہے سر آٹھ سو۔“ ”جو ارشاد ہو۔ اگر حکم ہو کہ میں اپنا گلا اپنے ہاتھ سے خود کاٹ لوں۔ تو دانہ غلام خوشی سے اس کے لیے بھی حاضر ہوں (پست لہجہ میں) اٹھ۔ اب تو یہ آدمی بالکل قریب آگے ہنسنے لگے۔ آگے بڑھ چلے تو عرض کروں“ اور خاموش ہو گیا۔

جن آدمیوں کو مسرور دیکھ کر اس وقت چپ ہو رہا تھا۔ وہ وہی پہرے والے لوگ تھے جو ہمہ پاز جعفر کے

نیچے کے گرد پروا دیا کرتے تھے۔ جعفر کے اب ہوش بجا نہ تھے۔ دل ہی دل سینے میں دھڑک رہا تھا اور اس کی مددگاری جو اس کو اپنے باب میں آجکل ہارون رشید کی جانب سے ہو چکی تھی اور وہ اس کو ہوس یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے لیے مسٹر بلا گیا تھا شاید میری ہی جان سے متعلق ہو۔

اس امید پر میری آنکھیں دو چار قدم تو اس کو اور پیچھے لے گئی لیکن پھر اس نے لڑ گیا اور بے اختیار ہوا کر رہا۔ مسٹر خدا کے لیے جلد بیان کر دہ ایسا کیا کام تھا؟ میرا کچھ تو اب سمجھ کر آیا جاتا ہے؟

مسٹر سر (چلتا جاتا ہوا اور کہتا جاتا ہے) ”ہاں وہ اس سے بھی زیادہ خوفناک امر ہو۔ نہایت ہی خوفناک“ جعفر گھبرا کر آخر کچھ کہہ سکے بھی۔ کیا میرے قتل کا حکم دیا ہے؟ کئے کیوں نہیں ہوا؟

مسٹر سر بھی ہاں کیا عرض کروں کچھ کہا نہیں جاتا۔ فرمایا ابھی سر کاٹ لاؤ۔ ابھی؟

مسٹر کی زبان سے یہ سنتے ہی جعفر کی نظروں میں دنیا تیرہ و تار ہو گئی۔ خون رگوں میں خشک گیا۔ دل دھڑک کر اور روح جھجک جھجک کر سینے میں لگتی سناتا ہو گیا۔ رات کی تاریکی شب غم کا بڑھاپا ہوا تو اس نے ہر وقت کا اندھیرا اس وقت کے دیکھنے والی آنکھوں کو کسی طرح اس امر کا موقع نہیں دیتا تھا کہ وہ اس وقت جعفر کے چہرے کی کیفیت دیکھنے سے اس کی اپنی حالت کا اندازہ کر سکیں مگر ہاں ہزاروں کہہ رہا ہو کہ اس کے حکم کے نتیجے میں اگر اس کی جان بچ نہیں گئی ہوگی تو اس کی روح کا بہت حصہ اس کی گذشتہ عیش اور نشاط کا خیال بکھر کر لٹک گیا ہوگا۔ تو اس طرح جس طرح پانی کے بڑے بڑے ٹیلے ٹوٹنے کے بعد سطح آبی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بن کر رہ جاتے ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس وقت اس کا

ماریوں دل اس کی کیا کہہ رہا ہوگا۔ اس کا پریشان دماغ اس کے معاملے میں کیا صلاح دے رہا ہوگا اور اس کی بے تکلیف دنیا کو اس نذر سے اس کے پیچھے پاؤں تھے اس طرح رہ گئے تھے۔ اب اس کی وجہ خواہ یہ ہو کہ بخود ہی کے عالم میں اس کے پاؤں چلتا رہی بھول گئے ہوں یا اس وقت کی بڑھی ہوئی حیرت نے اس کے پاؤں زمین میں گاڑ دیے ہوں کچھ ہو مگر یہ خوب یاد ہے کہ یہ خبر سن کر وہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکا اور وہیں ٹھک کر سکتہ بیٹھ گیا تھا۔

جب دریا نے غم اور بخود ہی میں غوطے کھائے کھائے ایک بار یہ تین تین پہونچ کر پھل پھلا تو اس نے منہ پھر لکرائی گھبراہٹ ہوئی نظر سے چاروں طرف اس کی دیکھا کہ شاید اس بلا سے نجات پانے کا کوئی ذریعہ مل جائے لیکن یہ بھی وقت کی بات تھی کہ اس کا یہی بکھر پڑ کا خیال اور یہی اس کو ماریوں سے کرنے کا باعث ہو گیا۔ اتنا کہ تو یہ جانتا تھا کہ فقط ایک مسٹر ہی اس کے ساتھ ہے لیکن نظر پھرتے ہی اس نے دیکھا کہ اس وقت میں ایک مسلح گروہ کی سخت حراست میں ہوں جو شاید پہلے ہی سے یہاں کہیں آ کر زمین بھینچا رہا ہوگا۔

اس کا خیال یہاں سے چالیس قدم کے فاصلے سے زیادہ دور نہ تھا اور اس کے غم کے پہرے اور بے ڈاکوئی پنڈو ویس قدم پر موجود تھے لیکن نامردی کے ساتھ بھاگنے یا غل جھانکنا خیال بھی نہیں ملا اور

شاہی حکم کی نافرمانی کرنا وہ اپنی شان کے بالکل خلاف سمجھا اور اس وقت چوراسک سو خیر نے سب زیادہ دھوکا دیا وہ بارون رشید کی قدیم عنایتیں اور اسکے خلوص کا خیال تھا۔ اس نے گھبرا کر ایک مرتبہ بہت بڑی ٹھنڈی سانس لی اور سرسری سے کہا بیچ ہے۔ بادشاہ نے میری نسبت ایسا ہی حکم دیا ہے؟“

مسٹر (کسی قدر خوش آواز سے) ”ہاں صاحب ہاں۔ آپ ہی کی نسبت اور کیا میرے لیے؟“

آہ جعفر کو آپ اپنی مرگ کا بالکل یقین آگیا تھا۔ بے اختیار اسکے منہ سے ایک پردہ واہ نکلی جس کو یہ سنگدل سننے والے بھی دل تھام کر رہ گئے اور آہ کے خاتمے پر دل ہلادینے والے لہجے میں ”وہ انا اللہ“ پڑھا گیا جس کے سننے سے معلوم ہوتا تھا کلاہ و لکھو طینان خیش کے لیے نہیں پڑھا گیا ہو بلکہ ایک عالم یاس میں بے اختیاری کے ساتھ یوں ہی مضطرب میں اس کی زبان سے نکل گیا ہو۔

گو مسٹر کی اس گستاخانہ تقریر کو وہ کان تو کسید طرح نہیں سن سکتے تھے جن میں وزارت کی ہوا بھری تھی۔ جبکہ دماغ عرش پرین پڑھا اور جو ہمیشہ سے جی۔ بجا اور درست سننے کے عادی تھے لیکن آہ! وقت چرنے پر مقبوضہ سناتا ہو وہ انسان کو شہنشاہی پڑتا ہو۔ ہائے زمانہ کے انقلابات کے عبرت خیز سین آپ نے کمان دیکھے ہیں۔ دیکھیے مقدر راجھی آگے کیا کیا اور دکھاتا ہو۔ آہ جعفر کے لیے بڑے افسوس کا تو وہ وقت تھا جب جعفر نے مسٹر سے اس امر کا اظہار کیا کہ اگر بادشاہ کا مکتوب یہی حکم ہے تو تم لوگو میں بھی کچھ غدر نہیں؟“ انھیں کی جان پر اور انھیں کی عنایتوں سے اس پرورش بھی پائی ہر جان کوئی جان بچ کر نہیں بچتا ہو کہ میں نے اس کے لیے بہت خوشی سے تیار ہوں مگر ہاں اس قدر چاہتا ہوں کہ تم مجھ کو ایک مرتبہ سیر بھیجے تب جانے اور وصیت کر آنے کی اجازت دیدو پھر تم اپنا کام کرنا“ آہ اسی جعفر نے خلیے فقط اس کے ایک اشارے پر غواہ شہنشاہ کی بڑی بڑی آرزو میں نکل جاتی تھیں اس وقت کس کس بجائے ساتھ اپنی اس آخری تمنا کی خواہش کی۔ آہ! اس اپنا وہ سر تک مسٹر کے قدموں پر رکھ دیا جس کے سامنے بڑے بڑے اپنا سر جھکا تھے اور جو اس وقت تک بھی وزارت کی منہل لکھی ہوئی۔ مگر آہ سنگدل مسٹر کو مطلق رحم نہیں آیا اور یہی طرح اس مردود نے اس کو اس کے اعز و اقارب سے مل کر اپنی اجازت نہیں دی۔

جعفر کو جب اپنی اس تمنا سے بھی ناامیدی ہو گئی جو اسکے دلیلیں معیت کی ہونا کج صورت سامنے کھڑی دیکھ کر آتی تھی تو اس کا جھٹکا ہوا خیال اس کو پھر بادشاہ کی رحم دلی کی طرف لے گیا اور وہ اس طرح مسرور ہو کر نکلا کہ اچھا اگر تم میرے جھٹکے کرنا لے بادشاہ نے یہی حکم دیا ہے کہ میرا وہ سر گرجے اور اوچا جاجید میں بھی اُن کی طرف سے اچھی خیالات بھرے ہیں تو بس اللہ۔ میں بادشاہ کا باغی ذریعہ نہ رہنے سے یہ بہت پسند کرتا ہوں کہ فرماؤ اور جان تیار و ذریعہ کا ذریعہ تھپ اپنے لیے چھوڑ کر خوشی کے ساتھ شاہی حکم کی

تعلیل کے لیے تسلیم کر دوں۔ مگر مگر امیر ساتھ بادشاہ سلامت جو محبت فرماتے ہیں اسکو نہ مانا جاتا ہو اور اسی اعتبار سے مجھ کو اس امر کے باور کرنے میں بہت شک اور شبہ بننا پڑا کہ میں نے اس قسم کی محبت بھری ہو اور پھر اسی حل سے ایسا منت حکم پا جائے۔ میں چلے ہوائے نہیں کرنا ہوں نہ تم جانتے ہو کہ اس حالت میں بھی فقط اپنی ایک ہی آواز کے ساتھ سب کچھ کر سکتا ہوں جسکا نتیجہ کو میری جان بچانے کے لیے کچھ بھی مفید ثابت ہو لیکن اسقدر تو ضرور ہو سکتا ہے کہ یہ میدان ابھی حشر کا نو نہ بن جائے اور زبان کی خشک نے میں میرے خون کے عوض میں خون بانیوں کے آدمیوں کا خون خوب سیراب کر لی ہے اور اچھی نشوونما سیراب ہو گئی ہے۔ اس کٹنے سے میری یہ غرض ہو اور میں یہ کہتا ہوں کہ میں ایسا نہ کر سکتا کہ میں بادشاہ کی ہمتی ہوئی زبان ایسا حکم نکل گیا ہو اور پھر اسکی آفت تھار سہرا جائے اور مسرور نہ ہوں۔ آپ اس سے اطمینان رکھیے۔ میں اپنا اطمینان کر لیا ہوں۔ اسکا میں پہلے ہی عذر کیا تھا مگر اس کا جواب مجھ کو بہت سختی کے ساتھ ملا۔

جعفر نے ہاں شاید ایسا ہی ہو۔ مگر مجھ کو اپنے محبت کر نیوالے بادشاہ سے اسکی طرح امید نہیں ہو سکتی۔ مجھ کو نزدیک بہتر ہو گا کہ تم جا کر پہلے میرے قتل ہو جائیں اور اسکو اطلاع دو اسوقت اگر اسکی تقدیر محبت اور میری بے گناہی بہت ریخ اور بے اختیاری کے ساتھ افسوس کرنے پر مجبور کرنے تو تم اس نافرمانی کے عذاب میں کیوں پھنسو گے اور اگر وہ یہ خبر سنکر خوش ہوں تو پھر مجھ کو اختیار ہی چاہیے کہ نہ اسکو مسرور (بہت بے اعتنائی کے ساتھ) جی نہیں۔ میں کبھی آپ کو چھوڑ نہیں سکتا۔

آہ! اسوقت اس دل کی کیا حالت ہوگی جو بجز محبت و وابستہ کے کبھی اپنے حاجت لیکر کسی کے سامنے نہ گیا ہو لیکن آج جو ہی انسان سب ہی کچھ کر دیتی ہو جعفر نے پھر اپنے دل پر چرب کیا اور ستر گویا ہوا اور پھر تمام کو ہی جان نہیں رکھتے ہو تو تم مجھ کو اپنے ساتھ ہی شاہی خیمے کے لیے چلو۔ میں اُنکے سامنے نہ جاؤنگا کسی پوشیدہ ہی مقام وہ حکم کسی طرح میں اپنے کاؤن سے من لیتا جاؤ اسوقت بادشاہ کا انصاف زیریری تقدیر اپنی زبان گملائے مسرور و خیر۔ یہ آخری تمنا ہی کیوں نہ جائے۔ آئیے۔ میں چلتا ہوں۔ اور یہ کہ شاہی خیمے کی طرف متوجہ ہو جاؤ اس مقام سے ساتھ مترنم کے فاصلے پر۔ جعفر اب ایک مسلح گروہ کی حراست میں شاہی خیمے کی طرف جا رہا ہو اور وہاں جعفر نے خیمے میں سب اب تک اسی خیال میں بیٹھ چکا ہے کہ وزارت پناہ مسرور سے کچھ باتیں کر لے ہیں مگر وہ خیمے سے نکلے ہو اب اسکو میں جس وقت کا عرصہ گزر گیا ہو اسوجہ بعض بعض کو کچھ انتشار ہو چلا ہو اور چاروں خیمے سے اٹھکر جا جب سے پوچھ رہا ہے کہ یہ کار کمان ہیں اور جواب سے یہ جواب پا کر چاروں کے بڑھتا ہو کہ وہ ابھی مسرور کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اسے سیرف کیے ہیں۔

جعفر اسی حیثیت کے ساتھ شاہی خیمے کے قریب پہنچ گیا ہو لیکن یہ عجیب معاملہ ہو کہ شاہی خیمہ کے گرد
پہاویں دالے گا ردین کسی نے بھی انکو آتے دیکھا کروک ٹوک نہیں کی اور سب چپ کھڑے ہیں مگر
نہ جعفر کو اس حراست کے ساتھ شاہی خیمے کی پشت پر کھڑا کر دیا ہو اور خود خیمے کے اندر بڑھا۔

بارون رشید اس وقت تمام اپنے خیمے میں ایک چائنا پر قبلہ رخ دوزانو بیٹھا ہو اسی سرنگا پر۔ ہاتھ میں
تسیج۔ لب پر ڈکرائی اور دل میں یاد خدا ہو کہ اسی حالت میں مقرر بھی پہنچا اور اس وقت تک اسکو بہت اچکے
ساتھ خاموش کھڑا رہنا پڑا جب تک کہ بارون رشید اپنے اور اورو ظائف سے فارغ ہو چکا نہ ہو کہ بعد
اکیس بار بارون رشید کا جھکا ہوا سر اٹھا اور اس نے سر کو دیکھا فوراً آنکھ کے اشارے سے کچھ پوچھ اسکے جواب
میں مقرر کے دل میں خدا جانے اس وقت کیا اگیا کہ اس نے بارون رشید کے سامنے ان سب باتوں کا
اعادہ کر دیا جو اسکے دربار میں اب تک آئی تھیں۔

آہ۔ اس مایوس دل کے لیے یہ بہت ہی نازک وقت تھا جسکے چاروں طرف موت کی ٹراونی صلیتیں پھری
تھیں اور جسکی موت اور زندگی کے فیصلے میں اب فقط ایک آخری حکم کی دیر تھی۔ نہیں جیسکو
قتل کی سزا کا سخت حکم تو ہو چکا تھا مگر اس نے اپنی مردہ آرزوؤں اور ٹوٹی ہوئی امیدوں کے برائے نام
سہارے سے فقط ایک سو ہو م امید پر پھر اسی حالت میں نگارنی کی تھی جو اسکے قتل کا حکم پہنچا تھی۔

جیگر گوش براؤ اڑھا۔ دل پر امید اور بیم کی کچھ عجیب بھین کرنے والی حالت طاری تھی کہ کیا بارون رشید
کی زبان کو حرکت ہوئی اور وہ مقرر سے مخاطب ہو کر بہت پر غضب لہجے میں کہنے لگا کہ دور ہو مجھ سے ہمارے
سامنے سے۔ میں نے تجکو ایسے بھیجا تھا؟ جو جعفر کا سر مانگتے ہیں۔ سر۔ اور کچھ نہیں۔ ابھی لکڑا حاضر کر دیا بھی
بقیامت کا حکم بارون رشید کی زبان سے نکلے ہی تیرضا کی طرح جعفر کے کانوں سے ہوتا ہوا دلیرانہ آواز ہو گیا۔

آہ۔ اسکی سسکتی ہوئی امیدوں میں کلمہ پڑ گیا جان توڑتی ہوئی امید آرزوؤں میں شیش لگی اور اسکے دل میں
بھری ہوئی جو اسکی لغت کے بال کھڑے ہوئے رڈاپے کی ہو گواصوت بنے بڑے نالہ شیون کے ساتھ دو تھوڑے
شیشے مٹی جعفر کی آنکھ کے نیچے اندھا دھیر اچھایا۔ سر آسمان کی طرح چکر کھایا۔ بدن کا پنا طبیعت سنسنائی اور
تھا کہ اسکی جگہ بیٹھ گیا۔ اور پھر وہی ایک منٹ میں اپنی آنکھ کی پھیل جانے والی پتلیوں سے دیکھا کہ سر کے آتے ہی
تو مار میں بیان سے کھینچ لی گئیں اور پھر دیکھو اسی حفاظت کے ساتھ مقرر کے خیمہ کی طرف سے چاروں طرف کسی جرم جونی
کو بھانسی دینے کے لیے لیجاتے ہیں۔ آہ بارون رشید کے قریب اس وقت پہنچے اٹھتے تھے۔ روح اپنے جسمی
تعلقات کو چھوٹی تھی۔ پاؤں من میں بھر کے ہو گئے تھے اور ایک اتھار دینے کے سناٹے کے بعد دنیا کے چھوٹے
والے خیالات اسکو غصت کرنے کے لیے اسکے پاس آنا شروع ہو گئے تھے لیکن من نے جو بے حلی اسکے دل میں

پیار کر کے تھی وہ اس کو کسی آنیالے خیال کے ساتھ کسی قسم کی دلچسپی پر مامون کرنے دیتی تھی اور وہ سب کو بہت
 اعتنائی کے ساتھ جلدی جلدی رخصت کر رہا تھا۔ مگر مائے اہلین خیالوں کے ساتھ جبروت اس غم نصیب کا کھلیا
 اسکے دلین آج ایک ایسا ایک ان اوقات کی مطلق خبر ہی تھی تو بے اختیار اسکے منہ سے آہ نکلی اور نینل موس کر طرح اپنے
 دل ہی دلین کئے لگا۔ وہ ایسا ہی جواریم کہان ہوا دیکھ تو تھا را پیارا جعفر سو قس حقیقت جا رہا ہونہ کوئی
 موس ہونہ کوئی نگہسار آہ اور کوئی اسکے حال پر نہ دے والا سنگدل دشمن کی طرح چاروں طرف سے اُس کو گھیرے ہو
 ہیں اس کا خون بہانے کے لیے دشمن کی تلواریں ہاتھ ہاتھ بھر کی اپنی خشک نہا بن لگائے ہوئے کسی گردن کی طرف
 ایک کھی ہیں۔ اور کہان جاتا ہوا آہ دیکھ کر بکھو بہت صدمہ ہو گا۔ بہت قلق۔ آہ دو گئی بے اختیار دزدی گئی
 ضبط ہو سکے گا۔ اس کو یہ لوگ ایسی جگہ لے جاتے ہیں جہاں پر ہر جگہ عیرہ ملکوتیں مل سکتا آہ تھکے عاشق کو تم
 جہاں نیک لے لے جاتے ہیں ہاتے پیاری اسی جگہ کو قتل کتے ہیں۔ ہاتے جہاں کو خان بھایا جا گیا جہاں
 اسی گردن کاٹی جائیگی آہ جہاں وہ اس وقت مارا جائیگا۔ پیاری عبا نہیں بنتی ہو۔ جہاں وہ جان مارا جائیگا
 آہ جان سے۔ اور فقط اس جرم پر کہ تمہاری محبت اس دلین تھی تمہارا سودا اس سر میں تھا پیاری شائین
 انسان جب باغ بین میں تھے رخصت ہوئے گیا بکھو نہیں ملو تمہارا ہی ہونے والا صدمہ اور بھی آگے آتے کشا
 کشاں بکھو تھکے پاس لے جاتی ہو رہا تھی طرح سے تھے رخصت ہو لیتا اور جو کتنا تھا کہ لیتا۔ آہ اب معلوم ہوا۔
 ایسے جگہ پر لے جاتے پاس اس وقت اٹھنے کو نہیں جاتا تھا یہی قلع تھا یہی حد۔ مان بان ہی وہ جہاں
 ہاتے جب تکو میرا طرح مارے جائیگی خبر پہنچے گی تو تم کیا کرو گی۔ آہ تمہارا دل بہت نازک ہو۔ بہت نازک۔ ہاتے
 تھے یہ غم کا پہلا سطح اٹھے گا۔ مگر پیاری میرا نہ میرا ہوا پیاری تمہاری نقدیر میں یہی کھاتا تھا تم ہی سمجھنا کہ جعفر
 تمہارے سر پہ میرا۔ خلا تمہاری جان کی خبر لکھے۔ آہ ابھی تمہاری میری پہلا ایک میری ہان کے ساتھ کہ وہ دن
 اپنی جان نذر کر نیک لے حاضر تھے یا اب اس وقت بکھو ہون کہ کوئی ایسا خدا کا بندہ نظر نہیں آتا جو میرا آخری رہا ہو
 اور پیاری عبا سنگ پٹھانے! (بہت سسر کے ساتھ) کون اپنی اسکتا ہو۔ کوئی نہیں۔ ابھی میرا مرزا ارمان اور
 ممتا وہ لکھنا کہ میرا ساتھ ہونے ہو گی میرا اور تمہارا حال بالکل ناہان ہو میری پیاری عبا کہ تو میرا حال کی خبر
 جلدی خبر کو دینا کہ آہ تمہارا تو میرا دلین اگر بہت خون ہوا ہو تمہارے بہت آہ وہ ہو گی۔ ابھی میرا تمہارے
 بیکسی شاید تجھے یہ کام لکھائے تو لکھائے۔ مگر آہ میرا حال دیکھ کر تیرے ہوش حواس مسترد کہان کیا ہو گئے جو وہاں
 پہنچے۔ مان میرا شوق بان میرا رشتہ الفت تیرا ہی یہ سب کھیل تلشے ہیں تجھی سے یہ کاشمیر ہو گا میرا پیاری عبا کہ
 خبر ہو جائے۔ جلدی بہت جلدی بس اسبقہ ردیر میں جب تک پیاری عبا کا نام میری زبان سے نکلتا رہو۔
 کہہ دینا مارا گیا۔ آہ جعفر کو مار کاٹ دیا گیا۔ پیاری عبا میرا تمہاری محبت کی سزا مل گئی بس اب قیامت میں

ملین گئی وہی جیسے حرمان نصیب عاشقوں کے لئے کا دن ہے۔ پیاری رخصت ہے
 جعفر کی یہ باتیں بالکل دل ہی دل میں تھیں۔ جبوقت رخصت ہوئے آخری جملہ پر اسکا خیال پہنچا اسوقت اسے
 اپنے ہوتے ہوئے اختیار و امتوں کے نیچے دے چکے تھے۔ آہ وہ سر تھام کر رینگا تھا اور اسکے پاؤں پلٹے چلتے بالکل رک گئے
 تھے اور وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر رہی چاہتا تھا کہ اس نے اپنے دل کو سمجھال کر اس طرح کہا "جھکنا اسوقت
 رکنا ہوا دیکھ کر کوئی یہ خیال نہ کرے کہ میں مرنے سے دم چڑا تا ہوں مگر آہ میں کیا کروں خود بخود آپ میرے
 پاؤں میں اٹھتے۔ آخر تم جھکنا کہاں لیے چلتے ہو جو کرنا ہی کیوں نہیں کرتے؟"
 گو ان پر دو کلمات کو سننے والا اسوقت بیان پر بھر شقی اور سنگدل لوگوں نے اسے نہ تھا مگر جعفر نے جس لب و
 لہجے سے ان کلمات کو دیکھا اس نے اسکا بھی دل ہلا دیا اور مقررہ سطح پر لا آئی اسکی حالت غم و اندوہ سے قابل یہ کہ کچھ چلتے ہیں
 میں نہ دیکھوں میں دیکھتا ہے پاؤں میں کھٹکتے ہوئے مگر میری غم بہت ہی قریب سے جھکنا ہے وہاں آپ کو چلنا چاہیے
 جعفر (خود ہی کی حالت) "ہاں ٹھہری ہی دور ہو؟ اچھا چلنا لگا۔ وہیں میرا چلنا کیا مانگنا لگا۔ بہتر مگر کچھ چلنا
 ہو۔ میں چلتا ہوں۔ ذرا سن لو۔ تم میرے لیے ہر شخص کے دنیا کو کچھ میری بلکہ بہن کو وہ شے ہے جو فقیرانہ کاش ہے
 جعفر میری کنیز میں اور غلام ہیں وہ سب آج سے آزاد۔ اور جن لوگوں پر میری کچھ حق ہو وہ سب آج سے میرا کیا ہے جعفر
 باتیں کر رہی ہو؟ تاکہ ایک طرف سے لائیں کی کچھ مٹتی نمود ہوئی جو ہیٹھ کو آ رہی تھی اور مقررہ لگے تھے ہی ان کی کو اپنے
 غیر کی طرف متوجہ ہونے کے لیے تاکہ کسی۔ اب جعفر ہی حراست کے ساتھ مشورے کیجئے کہ یہ ہر دور اس کے ساتھ رہے
 ملازم اور کچھ دینا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مشورہ کیا رہا ہی اور اسکے ساتھ مشورے کی بہت تاکید تھی کہ "جھکنا چاہیے جعفر۔ رخصت
 کو بہت خود تھا مگر ہم یہ آواز اس کے کانوں کو آشنا معلوم ہوئی اور یہ اس طرف کان لگا کر سننے لگا۔ ایسی آواز کی اور بھی آواز
 آتا کہ تلاش کرتا ہوا اب مشورے دریافت کرنے کے لیے اس طرف آ رہا تھا جعفر نے آواز کی آواز سننے ہی خوشی کے لہجے
 میں کہا "مشورہ دیکھو آواز کو دیکھا رہا ہے مشورہ میری تلاش میں نکلا ہے اسکو بلالو؟"
 مگر آہ! مشورہ کو بخت بھلا لکھ سنا تھا اس ظالم کو تو خدا واسطے کی جعفر کے خاندان و قہمی تھی اس نے بہت سختی کے ساتھ
 جعفر کے جلدی لیے چلنے پر سبکو مجبور کیا۔ ہائے آواز کو بخت کے بھی پاؤں میں بہت مند ہی گئی تھی جو وہ جلدی
 دوڑ رہا گیا مگر آہ اس بچا سے کو اسکی کیا خبر تھی۔ آہ! وہ اسوقت مشورہ کے خیمے کے پاس پہنچا جب جعفر خیمے کے اندر
 داخل ہو چکا تھا اور اس کے کتنے کے موافق اسکی تبدیل کے کپڑے سے اسکی آنکھوں پر بیٹی بندی جاتی تھی۔
 آواز اسوقت خیمے کے گرد فوجی لوگوں اور کچھ ہوتی تھی کہ ان کو دیکھ کر سنائے میں آگیا اور اس پر اپنے چہرے
 ہوئے لہجے میں پوچھا "مشورہ کہاں ہیں؟"
 ایک شخص (بخت آواز میں) "یہاں نہیں ہیں؟"

پہلوین باڈی گارڈ کا رسالہ فرقت تیار ہے۔ بلا اجازت کوئی اندر آنے پائے جعفر کے غیر مجھے گرد و سخت سپر کا حکم دیا جس کے کہ کوئی کہیں نہ پائے۔ اچھا۔ اور ظلال غلام شخص کو جلد بلاؤ۔

زبان سے نکلتے ہی شاہی حکم کی تعمیل ہو گئی اور وہ سب لوگ یوان عام کے خیمے میں حاضر ہو گئے جن کی رہت بھی حکم تھا اور جو عوام وادی معزز لوگ تھے جو اس سلطنت کے لوگوں خیال کیے جاتے تھے لیکن اس واقعہ سے ابنا محض اور آفسے ہارون بھی اب اپنے خاص خیمے سے نکل کر اس خیمے میں آگیا جو خیمے میں سرنگ اس برکت کی طلبی سے گھبرائے ہوئے جمع تھے اور سخت پریشان حال کھڑے تھے آپ حضرات اس امر کو جانتے ہیں کہ مابذلت بخجی کے بیٹے جعفر کے ساتھ ہو سیکہ کس طرح سے پیش آئے ہے؟ جس کے جواب میں سب لوگوں نے ایک زبان ہو کر کہا: ”حضرت عالی اس بات کا پوچھنا ہی کیا!۔ اسکو تو وہ ہر ایک پر پڑھ رہا ہے جس کے کانوں میں دنیا کی کوئی بات بھی نہ پہنچی ہو کہ حضرت عالی نے اپنے آپ میں اول وزارت پناہ میں کسی قسم کا فرق ہی باقی نہیں رکھا۔ اور ایک وزارت پناہ پر کیا موقوف ہو سلائے خاندان برابر کہ کو خضر نے مرحوم نے زمین آسمان پر پہنچا دیا ہو اور اسکا انگوٹھ خود بھی اقبال ہو۔“

ہارون رشید نے یہ سب سنا کر اسکا پھر زبان پر لانا میرا کام نہیں ہو لیکن حالے ان سب احباب کا کیا یہی عرض تھا جو اسے انجانہ کے ساتھ کہا ہے۔

ہارون رشید کی زبان سے یہ جملہ نکلتے ہی سب کے ہچکے چوڑے سر اور اٹھ گئے اور وہ سب اپنی حیرت زدہ آنکھوں میں ہارون رشید کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے۔ گو ہارون کے اس جملے کو ان کے کانوں میں بہت قریب سے کہا گیا تھا مگر اسکا مطلب مفہوم ان کے کانوں میں کچھ بھی نہ تھا۔ ہارون رشید نے ان کے تعجب پر حیرت کو دیکھ کر کہا: کیا آپ لوگوں کا خیال ہے کہ مجھ کو کسی امر کی اطلاع نہیں ہو میں کچھ نہیں جانتا؟ ایسا نہیں ہو۔ نہیں۔ تم یقین کر لو کہ میں ادنیٰ سی ادنیٰ باتوں کی خبر رکھتا ہوں لیکن میں اس وقت تک اسکی طرف توجہ نہیں کرتا جب تک کہ تمہاری وجہ کا ضبط اپنے بھڑکا اعتراف کر کے مجھ پر اختیار نہیں کرتا۔ جعفر نے بھی جی جی کو باوجود میری سخت ممانعت کے را کر دیا۔ ذرا وہ کے مرثی بھڑکی جیسے بیان کی۔ میرے نزدیک بالکل غلطی کر دیا۔ مجھے بتا دیا کہ نیکے نے اپنے مصلح خانہ کو زبردہ خوب ہی ترقی دی اور اسی طرح کی اور بھی اسے کرتیں کہیں۔ یہ کہ کیا یہ سب باتیں اس کی ترقی جو سلطان نے غضب کو جوش میں لائی اسکو نہ بچائے؟ اس پر غضب جملے کے بعد اس نے چند لمحوں خاموش ہو کر اس کا انتظار کیا کہ دیکھیں ان لوگوں کا جواب اسکا کیا ہو لیکن سب کو خاموش چھوڑ کر اس نے کہا: تم اسکا جواب نہیں دے سکتے ہو جی جی کے بیٹے کا خوف تمہارے دل پر بہت غالب ہو (مرثی سے مخاطب ہو کر) لاؤ طشت۔

حکم ہوئے ہی وہ طشت لایا گیا جس میں جعفر کا سر ایک عبت خرمین بنا ہوا رکھا تھا۔

اسوقت ہارون کا پورے غصے کے جوش و خروش کی سیاحت بالکل منجم ہو رہا تھا۔ ہاتھ میں نگلی تلوار بھی ہو لیکن اس کے دوسرے ہاتھ میں جنت میں بھی کراہتی تھی۔ باڈی گارڈ کے سپاہی نگلی تلوار میں ہاتھ میں لیے پشت پر کھڑے تھے

چھٹی کوئی گردن پر ایسی تلوار ماری کہ بس - اور پھر چچ مار کر زانو قطار دے لئے گئی - گو جواس کا یہ خواب سن کر سوسن کے
 بھی جواس پریشان ہو گئے تھے لیکن پھر بھی اس نے جواس کے اعتقاد راسخ کر دینے کے لئے کہا کہ واہ - واہ - شاہزادی جتنا
 واہ - واہ - شاہزادہ آپ کی بھی کیا باتیں ہیں - جھلار ان خواب خیال کی باتوں پر کوئی خیال کرتا ہو - آپ کا شاہزادہ
 بہت کچھ لکھی پڑھی ہیں اور پھر ایسی نادان بنی جاتی ہیں !
 جواس نے (اپنے دل کو بھال کر) مان میں بھی جانتی ہوں کہ خواب کی باتوں کا اعتبار نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ
 اسی قسم کی باتیں ہی ہوتی ہیں جیسا انسان نے کبھی آنکھ سے دیکھا - کانوں سے سنا یا کسی قسم کا پہلے خیال کیا اور پھر
 جب وہ سو سو گیا تو جس مشترک اور خیال نے خواب کی حالت میں بھی انہیں باتوں کے ایسے نہیں کے سامنے پیش کر دیا
 نہیں کہ ایسی نہ تو ہم قیاس باتیں غماز ہیں کیجئے اور پھر پھر بھی خیال کرتے ہیں کہ اس خطے کے مضمون پر تو خیال کر دو
 ریاس نے بھی دو چار اور پیشتر بھی کیا تھا جب بھائی جان نے پھر یہ کہ کوئی بھائی تو پھر کے غلط اور غضب کی کیا انتہا -
 اگر اس پیش میں خدا نے ہوا وہ کچھ ایسے ساتھ ہی پیش آئیں تو کیا تعجب - تم میں جانتی ہو ہر طرح ایک لڑائی
 چیز کی اس کو اپنی غیر نظر ڈالنے کے لئے تیرے صاف اور صاف میدان کی کچھ پروا نہیں - اس کی تیزی کے سامنے دیوار
 پہاڑ کا پودہ کچھ دھت نہیں کھ سکنا اور نہ وہ کچھ کے معاملے میں ہڈی طرح دھڑکھڑ کی محتاج نہیں کہ اس
 خانی کا بے بین اگر کسی مشاغل کی جسے وہ اس کی اشرافی قوت بہت کم بایں کہیے کہ جاتی رہتی ہے مگر اس کا
 صفائی قلبی صفائی روح میں کوکبش کی باتیں پھر یہ خواب کی حالت میں اس طرح کے جسمی تعلقات کچھ کم ہو جاتے ہیں
 تو پھر وہ اپنی اصل کیفیات سے جو کرتی ہو اور وہ اشرافی قوت کچھ کچھ سمیٹ کر ہوتی ہے اصل ہو جاتی ہے اور وہ آدمی سنو
 میں بعض بعض غیب کی باتیں دیکھ لیتا ہے سو میں خدا میرے خیال کو غلط کرے مگر میں جانتی ہوں میرے خواب
 کچھ سیدھا کا ہے - ہائے میں تو ان کے دشمنوں کو اس وقت ہر حالت سے دیکھا ہوا اسکے خیال کرنے سے بھی میرے دل پر کچھ
 آ رہا ہوتا ہے (بھائی ہوئی آ رہا ہے) تم خدا کے لئے حکم چاہو کہ اور تو کوئی نہ چکاو کہ یہ حال چھوڑو - اور یہ اختیار ہر کوئی نہیں
 سب کی چیزیں لاکھ لاکھ طرح سے اس کی طبیعت نے بھالنا جانتی ہیں مگر اس کا دل کہ کچھ بڑی ہی قسمت کی طرح سیدھا نہ بھالنا
 ہی نہیں - سو کچھ ہمارے پیش ہے اور پھر اٹھ بیٹھتی ہے کہنے سے کسی وقت پہنچ جاتی ہے کہ کچھ رو دیتی ہے - رو دتے رہتے
 جب کچھ کسی آئسو کی کرتے ہیں پھر ان کو کچھ چھوڑنے کیلئے آپ ہی آپ اپنے دل سے یہ باتیں نکالتی ہیں نہ کہ بے پروا
 بھی کر اہمیت ہو کہ ایک گردن میں یہ نہیں گذرنا - ابھی دو چار روز ہوئے کہ ریاس کا وہ خط آیا جسے ہوش اٹھا دینے خدا
 جلتے آتے وہ کہاں - یہ گناہ - ابھی اس انتشار سے فرصت نہیں مل سکی تھی کہ اس طرح کا خواب دیکھا - ہائے میں ایسی ہی لڑکی کے
 چھوڑ دینے کا بخار نہ بھالنا جانتی نہیں لگا ہوا - خداوند یا دشمن میرے حریف کی جانتی نہیں کرنا - ہائے کیسا خواب تھا میرا دل
 ہوتا رہی کتا ہیں ریاس اور پھر کے حالات سے اس جگہ پر پہنچ کر بالکل سہلکے ہیں اور کچھ مال معلوم نہیں ہوتا ۱۲

میرے اختیار سے اس طرح کیوں نکلا جاتا ہو۔ ہر چیز مجھ کیوں سونی نظر آتی ہو خواب بہت دیکھتے ہیں اگر ساری دنیا
 خواب کبھی نہیں دیکھا۔ یا اتنی حیرت کی جان کی خیر تو ہی قضا حقیقی ہو۔ یہ تو ہی سہا لہو۔ خداوند ملاک اسکے دشمن کی جان
 کچھ بھی ضد نہ پچھا تو ہائے عجایب کفایت کیا کر گئی۔ اس خیال پر مجھ کا مکمل چہرہ ہوا۔ ارمان اور تڑپ کے خون شدہ
 دل نے اٹھتے ہوئے بخارات ٹھنڈی اور لابی ماسنوں میں طے اٹھتے آنکھوں کو مار دینے کے لیے آنسو ٹپکھنے لگے۔
 پلا خرغہ نصیب عجایب سے تڑپ تڑپ کر کروٹیں بدل بدل کر ٹپ ٹپ کر کچھ اس کرب اور بے چینی کے تھا
 اس بات کی کٹھ پالیوں کا تین کر دیکھ کر شب غم کا بھی چہرا اتر ہوا نظر آیا۔ آسمان کا رنگ بھی قہقہہ ہو گیا۔ تاکہ
 تجھی جھلا کر چھپ گئے اور وہ چڑیاں بھی سوتے سوتے اپنے نشیمنوں میں چلا آئیں جو کہنے کو بیرون ان رہن
 شب غم کی صبح بہت مشکل سے دیکھنی نصیب تھی تو کمر آج کی صبح عجایب کے لیے اس کی بھی بہت زیادہ کیا
 تھی۔ آج صبح ہوتے ہی اس کو بھرلی کہ آج کو ہی اس جھڑا جھڑے اور آقا رب دست احباب اور مکمل
 برآمد کے گھر سندی بن شاہ کے حکم سے چلو ہیں۔ پہرے بیٹھے ہوئے ہیں اور کسی کی یہ مجال نہیں ہو کہ کوئی
 اندر سے باہر اور باہر سے اندر آئے جائے یہ آہ یہ وحشت اور غم عجایب کے رات کے خواب کی تعبیر بتانے کے لیے
 کافی تھی۔ بیان کر رہا اے کے منہ سے نکلتی ہوئی اس ہونے جانتا ہوں یا تو نے منتشر ہوا اپنے رہن
 میں بیٹھے ہوئے عجایب کے قانون تک پہنچا رہی تھی اپنے زہریلے اور خون خشک کر دیوالے اثر سے عجایب کے بھول
 سے دھاروں کے ساتھ وہی کام کیا جو بیہوش خزان کی ہوا پر سے پتھر کے ساتھ کراواتی ہو۔ سستی اور سکون مائل
 گیا۔ ہوش اڑ گئے اور وہ سوسن سے گھر لکڑی اس طرح کہنے لگی۔ کیوں سوسن کیسی خبر ہو۔ یہ آج ہی بات کسی
 سندی موسے کی مجال کیا تھی جو وہ وزارت پناہ کے کاشانہ دولت کی طرف یوں آٹھ اٹھا کر بھی دیکھتا۔ میں
 کبھی مانوں کچھ نہ کچھ نہ حال میں غم و کلاہی۔ میرا دل تو رات ہی خشک کر گیا تھا اگر تم سے تو اُس وقت مجھ کو شرم نہ بنا
 دیا تھا مگر۔ اسے کہتے کوئی باہر لکڑی دریافت نہ کر دیتا ہوا کیا! ہائے خدا انھوں نے کیا میرا خواب سچ ہی نکلے گا
 اور خدا ڈھانپ کر لے انیتا روئے لگی۔ کیوں میں خواہیں سبھی حالت دیکھ کر اس وقت پریشان نہیں۔ ہاتھ
 پاؤں سب کچھ بھول گئے تھے اور کسی کچھ کہتے سستے نہیں جن پر تھکا گواہ ان حالات کے دریافت کرنے میں
 ہر طرح سے بہت کوشش کی گئی لیکن اسکے سوا اور کچھ نہ معلوم ہوا کہ سندی جو کچھ کر رہا ہو بادشاہ کے حکم سے
 کر رہا ہو عجایب جو وقت سے وہ پریشان خواب دیکھا ہو گو اُس وقت سے اب تک اس کو وہ بھی گذر رہا ہو لیکن پھر
 بھی اب تک جو چیز اس کو فتنے پر مجبور کر رہی تھی وہ یہ تو دو چار روز قبل کی خبر تھی جس پر اس مطلع کر کے بالکل متعجب و غم
 ہو گیا یہ وہ بدگانی تھی جو کثرت محبت کی وجہ سے ایسے نازک اوقات میں انسان کو عموماً ہو جاتی ہے کہ گمراہ
 سندی کی آفت کار و دایمان دیکھنے کے بعد اسکے پاس ایسی کوئی قومی جو نہ تھی جس وہ اپنے رات کے خواب کے

غلام کر کے اپنے چھین دل کو کچھ بھی نہیں دے سکتی۔ آہ۔ اب اس کے بیچ و غم کا کیا پوچھنا تھا اس کو اپنے تن بدن کا بیش تھا۔ کھانا۔ پینا سب یک نخت چھوٹ گیا تھا۔ میں رات دن اس کو روئے سے کام تھا یا بہت گریہ زاری کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھا کر حضرت کی صحت اور سلامتی کے لئے دعا مانگنے کا شغل تھا۔ پیاری عباس اس سے اسی حالت سے ایک ہفتہ کاٹا۔ آہ وہ ایک روز جب اپنے پانگ پر پڑی ہوئی تھی۔ پھر چھوٹے دن چڑھ آیا تھا۔ آنکھیں اشکیا رہتیں اور اس جگہ آنسو بہتے بہتے ایک لانا سرخ سرخ نشان لڑ گیا تھا جہاں کبھی سر کا دبا لیا یا جاگتا تھا۔ چہرہ بالکل نرم ہو گیا تھا اور سرخ اور غم کے حد اٹھاتے اٹھاتے کچھ بھی نہ تھا اور زار ہو گئی تھی کہ اسکی صورت بچھکر بادی النظر میں غم کو تھوڑی دیر تک اس امر میں شگ و شبہ نہ کرنا چاہی کہ یہ عباس ہی ہو کہ نہیں۔

عباس اس طرح اور اس پڑی ہوئی تھی کہ اس شکیبارگی غیر معمولی طور پر اپنی خوبصورت کو اپنے پاس باہر جانے سے دیکھا اور جب پھر وہ کسی وجہ سے بیان آئیں تو کچھ نہ بھکاتے ہوئے منہ بچھرائے اور اس طرح کی آنکھیں لپے ہوئے آہن جی طرح ابھی کوئی رو کر آیا ہو مگر آنسو پوچھ کر اس کے ساتھ عباس کے کان میں باہر سے کچھ سنا اور دل کی آواز بھی آئی جس کے ساتھ خدا جانے کیا بات تھی کہ دل کی گنجین بھی ترقی کر چکی اور اس گھر کو چھائیہ شہر اور غوغا کیسا ہوا اور تمام اس اوداس کیوں ہوئے جس کے جواب میں پہلے تو وہ کچھ خاموش ہوئے پھر کمر جب مجھ ہو گئیں بچائے اس کے کہ کوئی بات جواب میں کہیں سب کی سب کی بارگی چلا چلا کر نہ لکھیں۔ عباس گھر لڑکھڑی ہوئی اور پھر اس کو اپنے انھیں کانوں سے جو کچھ جھن کے باب میں کوئی بد بگڑ نہیں سن سکتی تھی۔ آہ یہ سننا پڑا کہ وزارت پناہ اس طرح بادشاہ کے حکم سے قتل کیے گئے اور اس وقت ان کا سر وارے نشتر شہر میں آ رہی ہو۔ آہ یہ سنتے ہی عباس کے سر پر ایک غم کا ہار لگا۔ کیسے منہ ہلا۔ تو دل پیچھ گیا۔ دل ہاتھ میں لدا تو سر نہ چکر کھایا۔ آہ سر نہ کر لڑکھڑی تو پانوں ڈمگائے اور یہ بیہوش ہو کر زمین پر گری۔

آہ بہت ندرت کے بعد جب بیہوش میں آئی تو اس وقت اسکی بری حالت نہیں دیکھی جاتی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں چوڑیاں توڑ ڈالی تھیں۔ سارا زہر اٹا کر پھینک دیا تھا اور بری طرح سے گرا رہی تھی۔ اس کا کڑے کڑے آنسو سے ہلک ہلک کر ڈنا۔ اس کا دل سوس سوس کر رہا تھا۔ اس کے سر کے کھلے ہوئے بالوں کا چھاتی پر لٹنا۔ اسکی سوگوار صورت کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی تھی اس کا بدن کوئی کان نہیں سن سکتے تھے اور وہ کوٹھی کے اندر فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ بیانی کے ساتھ ابھی بے آب کی طرح تر پڑی تھی۔ اسی حالت پر ابھی ایک گھنٹہ گزر رہا ہو گا کہ ایک کزن ایک صند فچی ہاتھ میں لے ہوئے آئی اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا کہ شاہزادہ صاحب چنانچہ شاہزادہ صاحب اب بھی ایک آدمی نے یہ صند فچی چھوڑی اور کہا کہ وزارت پناہ نے اپنے قتل ہونے سے چند روز پہلے یہ

صندھ قحی ملک دوی قحی اور فرمایا تھا کہ سید طرح اسکو شاہزادہ صاحب کے پاس پہنچا دینا کہ
 عباس سے (اپنے آپ کو ذرا سنبھال کر) آدھ صدقے اس محبت کے۔ قرآن اس یاد کے۔ پیالے تم مجھ کو
 اس وقت تک نہ بھولے۔ آدھ کسی صندھ قحی ہی لاؤ۔ دیکھو نہ۔ اس میں کیا ہی کھو لو۔ اور ذرا ایک نوجوان کو دیکھو
 کھولی گئی۔ اس میں سونے کی ایک مصحف انگوٹھی تھی جس پر بہت نفاس کے ساتھ اعلیٰ درجے کا کام کیا گیا ہو۔
 اور اسکے وسط میں بہت آباد اور خوشنما شاہزادہ ایک ہزار چار ہوا جس کی چمکے سید طرح نظر کو ٹھہرنے لگا۔ قحی
 عباس سے اس انگوٹھی کو اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگا دیا اور پھر جعفر کو بت دیا کہ دیر تک قحی ہی صندھ قحی لایا ہے
 آدمی سے اس پر نفسی حالات بھی دریافت ہوئے اور قحی میں یہ بھی معلوم ہوا کہ جان تیار ہو چکی اپنے
 آقا کے ولی نعمت پر فدا ہو گیا۔ یہ دوسری قیامت قحی رضیتہ خیرہ کر اپنی قسمت اور خراج کے پر ارمان مر جا کر
 اٹھ اٹھ اسوئے لگی اور اب اسکو تو سچا ہی طرح معلوم ہوا کہ میری وہ حرکت کسی قحی میں جھوٹا ہو مگر میں طلوع دلاوی
 عباس سے وہ انگوٹھی ہاتھ میں لیے آئی تھی وہ آنسو آنکھوں سے جاری ہیں اور آپ ہی آپ اپنے دل سے یہ باتیں ہو
 رہی ہیں کہ آدھ پیالے جعفر کو دشمنوں نے بڑی سنگدلی کے ساتھ قتل کیا ہائے اگر میں ایسا جانتی تو کسی طرح
 شکوہ بیان سے ہائے نہ ہوتی۔ شکوہ بہت دھوکا دیا گیا تھا کہ اسے ساتھ بڑا زب کیا گیا مگر نہ کجنت مارا گیا۔ بہت
 اچھا ہوا میں بہت خوش ہوئی۔ سید طرح خراج میں سب مالوں سے مجھے چھوٹے لکھ گیا وہ سید طرح مارا۔ مگر اگر یہ جعفر عباس کے
 حق میں کچھ نہیں کہہ سکے۔ ہائے اب وہ کسی بیوکر زندہ ہے گی۔ نہیں اب اسکو زندہ کیسے مطلب اب وہ
 جی کر گیا کر گئی۔ ابھی نہیں سید طرح نہیں۔ مگر ہائے وہ تو خود کشی نہ کرنے کا تہہ عمدہ کر چکی ہو۔ آدھ تہہ تو اس سے ہی طرح
 وعدہ لیا ہوا۔ ہائے پھر آدھ میں کیا کر گئی۔ پیالے جعفر اب میں تم سے اجازت لوں۔ تم کہاں ملے گے۔ ہائے تم کو
 کہاں چھوڑ دوں۔ پیالے جعفر صاف کرنا تھا کہ محبت تھا اور فرق مجھ کو نہیں جیسے نہ کیا گیا سید طرح نہیں جیسے نہ کیا تم میں
 اگر نہ رہتا ہی اور تم میرا زمانہ چاہتے تو مجھے تھیں سید طرح مجھے ملجاؤ۔ نہیں تو میرا دل ہی بدل ہو۔ ہاں پھر کا بنا دو۔
 یا اپنی محبت کے کہ نہ کسیر پاس آئے۔ ہائے اپنے غم ہی کو سمجھا دو کہ میرا پاس چلا جائے میری جان چھوڑ دے
 نہیں تو جعفر سید طرح میں جی سکتی آدھ اب میں جی سکتی۔ پیالے جعفر سید طرح نہیں یا اتنا سچ کہتی ہوں سے

منت کو تم اپنی منع کرو

ہماری جان کے پیچھے پڑی ہو

آدھ یہ انگوٹھی تھیں کہ نے پیچھی ہو۔ کون پہنے گا۔ اور کہہ کر دیکھا تو قحی۔ آدھ عباس تو اب نہیں نہ رہ سکتی
 سید طرح نہیں (انگوٹھی کی طرف بہت غور سے دیکھ کر) ہاں اب میں سمجھی یہ انگوٹھی جیسے کہ تھیں چھوٹے پاس بلایا ہو
 مجھ کو نے کی اجازت ہی ہو۔ ہاں بیشک اسکا میرا جھکو تھا کہ پاس بہت جلد پہنچا دیکھا۔ بہت جلد پیارے
 جعفر کا تھا کہ وہ درجہ بہت میں آیا وہ کرے تھے مرتے دم بھی مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہی اسکا شکریہ میں

تھانے پاس ابھی خود حاضر ہو کر ادا کروں۔ ابھی ابھی (کنیزوں سے مخاطب ہو کر) تم سب یہاں کیوں کھڑی ہو۔ کیا کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ سنا ہے سب ہٹ جاؤ۔ سب ہٹ جاؤ۔ میرا دل بگڑ رہا ہے۔ چلی جاؤ۔ سب چلی جاؤ۔ سب چلی جاؤ۔ اور کنیزوں میں اس خیال سے کہ اس وقت اس کے حکم کے خلاف کوئی بات کرنا اور بھی اس کے برعکس ہی کرنا اور حج کا باعث ہو اسوجہ سے سب ہم بخود ہو کر ادا کر دے اور نہ مین چلی گئیں اور عباس کو اس امر کا موقع مل گیا کہ کچھ اسکو کر دے وہ کہے۔ اور دست جنوں بڑھا۔ انگلی سے ہیرا نکالا گیا اور آہ! جلد ہی وہ کچھ مہیچہ کھالیا گیا جس طرح خون پیا جاتا تھا۔ آپ سب صاحبان اپنے دل میں کہتے ہوں گے کہ جعفر نے تو انگلی بھی نہیں چھی اور اسکو مقدس قسم کی بے گناہ تھا۔ اس بیچارے مرحوم کو تو اپنے قتل کی خبر سن تھی اور وہ اسی چیز پر بھتا ہی کیوں ہے۔ لیکن آپ نہیں جانتے ہیں۔ یہ سنی بن شاہک کی کہ کاروانیان میں جتنے لیے وہ مہر سے پہلے ہی روانہ کیا گیا تھا سیر کی کئی جگہ کے حلق سے نیچے اترتے ہی اپنا کام کر گئی۔ کچھ چھٹی ہو گیا۔ کاروانی کا زہر ملا اثر سانس میں پھیل گیا۔ خون کے دست شروع ہو گیا اور ساعت بساعت اسکی حالت خراب ہونے لگی۔ شاہی غلامان کی رنجش میں جمع ہو گئیں۔ داد و دوش بھی بہت کی گئی مگر وہ سب بیکار تھی۔ عباس جان تو ڈر ہی تھی اور اسکے ساتھ اسکے محبت کرنے والے سلوک بچھڑ کر آئے اسکے حال پر رحم آ گیا تھا۔ اسکی شکل آسان کر نیچے لیے قابض اور دلچ آہٹ تھے۔ فردوس بریں کو غریب نظر آ رہا کہ توڑنے لگا اور تھوڑی ہی دیر میں پیاری عباس جعفری جھڑکتی اس میں سے چل ہی۔ اناوند۔ بے نام لاندہ کا۔ عباس کے گزر جانے کے بعد ہارون رشید بھی اسی من میں داخل ہو گیا اور عباس مرحوم کے ماتم میں سیہ پوش ہو کر دیوایا مگر آہ نہ اب اسکی بیوی پیاری عباس کو زندہ کر سکتی ہے اور وہ کیسی طرح ہسکار دنا ہمارے آسمانوں پر چھو سکتا ہے۔ جسکے مقدمین جو تھا وہ بوا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کی محبت کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہارون رشید نے لگا بیک کسی سے کتنی قسم کی کشتی نہیں تھی لیکن اسکو اسکا کھٹکا لگا تھا جس طرح مٹھن ہونے کے لیے اسنے جعفر مرحوم کے باپ بھائی اور اسکے اور ہوا خواہوں کو مدینہ المنصور میں قید کر دیا۔ بعد ازاں اسکی اور شہزادہ جعفری کی قتل ہونے کا مشورہ پڑھا جاتا ہے اور کہیں عباس نہ پڑھ جاتی ہو۔ یہی جو جعفر کی طرف بادشاہ کو کچھ بھی شک گذرنا ہو قتل کیا جاتا ہے۔ بلکہ کے گھر گھر رہے ہیں اور جعفر بیکورہ لٹی ہو بھاگا جاتا ہے۔

یہی بھی اپنے ماں باپ کے گھر آئی گئی ہے اور اب چونکہ اسکے طلاق پانے کی وجہ شہر میں بہت مشہور ہو گئی ہے اسوجہ سے بجز اسکے کہ وہ اپنی بقیہ زندگی کا حصہ دولت اور خوار کی کے ساتھ اپنی ماں بہن کے گھر بسر کرے۔ اس امر کی کیسی طرح امید نہیں ہو سکتی کہ اب کوئی اسکے قبول کرے اسکی قیامت کا دن آخر ہو چلا ہے دھوپ اپنے سپید کپڑے پہن کر سارے کا سارے باقی باس میں ہی چڑھتا ہے

تک عمارت کا نازک پتلا زمین کے نیچے دبا دیا گیا عورت کے لیے جعفر کا سر بسر کے ایک طرف سے
دوسرے طرف سے ٹٹکا دیا گیا۔ اور آہ اس طرح ان کے عشق اور محبت کی پروردہ حکایت کا خاتمہ ہو گیا۔

بلیسوان باب

آخری نتیجہ

تو نون نافع کہیں چھپتا ہی چھپائے سے نہیں
کیون مرئی نش پہ بیٹھے ہیں وہ دہن ڈالے

ہم ہیں اور ہمارا غربت کہہ نہ نشست کے کمرے میں عزادار بنے بیٹھے ہیں اور ہماری دلی افسردگی نے
موسمی مرئی کو اور بھی ترقی دے کر سب طرف کے دروازے بند کر دیے ہیں۔ ہمارے حال پر
عنایت فرمانے والے اجاب جمع ہیں مگر ہم چپ چپ ہیں۔ گھڑی نے ابھی ٹن ٹن ساٹ بجائے
ہیں۔ چار کا دو چل رہا ہے لیکن پیالوں میں جاگ کا سرخ سرخ شہابی رنگ ہو گئی ہے گناہ کا خون
یا درائے دینا ہی۔ حقہ کا دھواں اپنے والوں کے منہ سے نکلتا دیکھ کر یہی عمارت کھٹے ہوئے
سر کے خشک بال یا کسی جوانی کا چہرہ یا آئی جاتی ہیں اور ہونٹوں پر پان کی سرخی دیکھ کر ہماری
آنکھوں کے نیچے اٹھیں بہتہ لگا نقشہ خیر و بیاہو جو سر ملے ہوئے وقت ضبط اور تحمل کیلئے بے اختیار دانتوں سے
واب لینے لگے ہیں۔ لیکن یہ سب کیوں؟۔ اس وجہ سے کہ ابھی ابھی ہم جعفر اور عباس کو روپٹ کر بیٹھے ہوئے
مگر انہوں نے اس طرح کیوں مارے گئے۔ انکی وجہ؟ جسکے چاب میں ہمارا وہی دل جو جعفر اور عباس کے غم سے کسی کی
چشم زراب کی طرح عیاں ہو رہا ہے بے اختیار چلا اٹھتا ہے۔

بات کیا چاہیے جب غمت کی حجت ٹھہری	اس گزہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا
-----------------------------------	--------------------------------------

ہارون رشید کا ظلم اور کیا کچھ نہیں؟ لیکن نہیں ہو پانا خشتہ روکنا چاہیے اور ذرا سوچ سمجھ کر جواب دینا
چاہیے۔ سو قہم اور خطا کی تفتیش میں ہماری نسبت ہارون رشید کے ساتھ وہی ہو جو ہارون کی جعفر کے
ساتھ تھی۔ ایسا تو کہ کہیں خشتہ میں ہی الزام ہم پر بھی عائد نہ ہو جائے جسے ہارون رشید کو مل رہا تھا۔ ہم
جعفر کے غم میں رونے والے فرد ہیں۔ لیکن یہ کیس طرح نہیں کہہ سکے کہ وہ خطا دار نہ تھا۔ ہارون رشید
نے کس کس طرح سے دونوں کو سمجھا دیا تھا کسی کسی مافقت کسی کسی تاکید کر رہی تھی کہ تم دونوں میں سے
بیکر کسی جگہ کھڑے بھی نہ ہونا۔ پھر آپس میں پابندی کے ساتھ عمل کیا گیا؟ اس موقع پر آپ کی وہی ہمدردی
جو آپ کو ہمارے دوست کے ساتھ ہی ضرور آپسے کھلا ہو گی کہ جعفر نے جس غم و اندیشی اور احتیاط سے

کام لیا اس قدر کوئی نہیں کر سکتا۔ لیکن خطبہ اور حیرے کے خلاف تو کوئی نہیں کر سکتا ہو۔
 شباب کی اور جوانی کی ترنگ نہ جب طرح مجھو کروا تو بالآخر وہ کیا کرتا! لیکن انصاف بھی کوئی چیز نہ ہو
 جعفر تو دیر ہی ہو کر اپنی غماشوں کو نہیں دک سکتا تھا مگر ہارون بادشاہ ہو کر اپنے اس غیظ و غضب کو
 روک سکتا تھا جس سے اسے عاجز کر دیتے جعفر سے عزیز و زریار اور عباس سے سیاری بہن کو قتل کر ڈالا اور ان
 لوگوں کی ممانعت کو اراکری جکا ایک خط بھی علی بن موسیٰ بن اسکو شاق تھا۔ رحصلہ بیٹیک بھی چیز ہو مگر
 یہ کو بیٹو نصف فیصد کرنا چاہیے۔ بیشک جعفر اور عباس نے اس کے حکم کی نافرمانی کی گو مجھ سے کسی کی مگر یہ
 یہ مالکہ الکا جرم ایسا تھا جس کی سبقت سر اور بجائی۔ لیکن جتنے جرم نہ ہو ہوا تھا وہ کون تھے؟ وہ وہ بھی
 بیشہ ہارون رشید جان تھا تھا حکمی محبت کا ہم دم بھرتا تھا اور حکمی طرف سے اسکو بھی اس امر کی امید تھی کہ وہ
 اس کے کہنے کے ذریعے خلاف کرنے لگے۔ مگر جب اسے اپنی امید سے سرسرخلاف ایسی نافرمانی دیکھی تو فوراً
 اسکو یقین حاصل تھا کہ وہ ان دونوں کو ہی سزا دے جو اسکا غیظ اور غضب اس کے واسطے تجوز کرے۔ یہ کبھی نہیں
 کہہ سکتے۔ کہ ان دونوں کو ہارون کے ظلم سے قتل کیا نہیں۔ بلکہ انکی نافرمانی نے انکو قتل کر لیا لیکن اگرچہ یہ پہلے کا کہ
 اس خطبہ کے انگاب کی کون خیر باعث ہوئی؟ تو ہم فرم کر دینگے کہ عباس کی بے پروگی اور عباس کی بے پروگی بالکل
 بیشک اگر جعفر اور عباس کے سروریاں سے پرے کی قید نہ آئے ہوتے تو نہ کبھی انکو عشق ہوتا۔ نہ وہ دونوں
 اس حرکت کے مرتکب ہوتے۔ اور نہ یہ روز بد بگھنا انکو بھی نصیب ہوتا۔ اور یہی پہلے اس ناول کا سبب تھا
 ہاں اس موقع پر سکویہ بھی ضرور کہہ کر لیا کہ یہ خطا بیشک ہارون رشید کی تھی کہ اسے دونوں کے درمیان پردہ
 اٹھا دیا تھا اور جعفر اور عباس دونوں میں بیٹھا تھے۔ ہارون رشید اسکو کسی مجھوتی گیا مگر کیا کیا۔ بہت بڑا اور
 اس الزام میں جواب کلاں چاہے غلط نہ کہہ لیتے ضرور وہ اس کے سرور ہو۔ اس سچ پر کسی نے جعفر اور عباس کا جعفر
 خاتمہ کر دیا اسکو تو آپ دیکھ چکے لیکن اسکا پڑا نتیجہ خاص ہارون رشید کی ذات پر پڑتا کہ ہارون رشید کی برادری اول
 جعفر اور عباس کے خون کا بد نام و بدہمیشہ کیلئے اس کے دامن پر لگ گیا۔ اسکی پیاری بہن مدت العمر کے لئے
 اس سے جھڑپ گئی اور اسکی سلطنت کی ناویکھنے والا جعفر ما خدا اسکو ہونے چھوڑا کہ اسے خدا کے پاس علیا
 جعفر کے قتل ہوتے ہی اس کے تمام قلم و دین بدست نمایاں ہو جاتے عام کی طرح پھیل گئیں۔ بہت سے شہر اس کے
 قبضے سے نکل گئے کبھی سیر ہو کر اس سے اپنی مائیں پہلے کبھی نہیں بھڑکے ہوئے انصیب ہوا اور بالآخر ہی رنج
 اور افسوس میں چند ہی دنوں کے بعد طوس میں جا کر اسکو اپنی روح کا قبضہ ارواح کے پر کرنے کی پڑی۔

فتوح عبد الحمید خان

مصنف

نشی و جاہت حسین صاحب جھنجھا نوی

جنگ یونان کا صحیح مرقع - ادہم پاشا کی سرکفت کوششیں اور
بالآخر سلطنت عثمانیہ کا یونان پر فتح پانا بہت خوبی کے ساتھ
دکھایا گیا ہے۔ کتاب میں متعدد تصاویر اور جنگ کا
ایک مکمل نقشہ بھی دکھایا گیا ہے۔ چھپائی لکھائی
بہت اچھی ہے۔ قیمت فی جلد ۷

فرمایش احباب

یہ مولوی محمد عمر سبزواری کا بیٹھل دیوان ہے جسکے اشعار
دل کے ساتھ تیر و نشتر کا کام کرتے ہیں۔ پڑھئے اور
لطف اٹھائیے۔ قیمت ۱۲

المشترک
یہ مرقع عالم پریس ہردوئی (اودھ) تھری

ادھر مرقع عالم کے منشیانہ معجزات

عجرت - جان ہنور یا کا دلچسپ قصہ قیمت سہرہ حصہ ہے
 جعفر و عباسہ - جعفر و عباسہ کا عشق ۱۲
 حسن سرور - بالکل سچا واقعہ قیمت سہرہ حصہ
 رام پیاری - حکیم صائمہ کا آخری تہترین ناول دو حصے
 اختر حسینہ - سنبھل کا ایک در واقعہ تعلیم النسوان پر بحث
 نیل کلسانپ - اتانی ڈکلیوٹیر کی حسرت بھری داستان
 دیولدیوی - خضر خان اور دیولدیوی کا عشق ۱۲
 گورا - ریواڑی ضلع گورگاتون کا سچا واقعہ
 دکھیا رائٹون کی رام کہانی ۱۲
 المشا

مینجر مرقع عالم پریس - ہردوئی

(اودھ)

